اولاد کی تربیت
قرآن و حدیث کی روشنی میں

بچہ کی ابتدائے آفرینش سے لے کر تعلیم
اور اصلاح و تربیت تک کا تذکرہ

اردو ترجمہ

الطفل فی ضوء القرآن والسنة

تألیف

احمد خلیل جمعہ

ترجمہ

لجنة المصنفین لاہور

اولاد کی تربیت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

بچّہ کی ابتدائے آفرینش سے لے کر تعلیم
اور اصلاح و تربیّت تک کا تذکرہ

اردو ترجمہ

الطِّفلُ فِی ضَوءِ القُرآنِ وَالسُّنَّةِ

تألیف

احمد خلیل جمعہ

ترجمہ

لجنۃ المصنفین لاہور

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ - پرانی انارکلی لاہور - فون: ۳۵۲۲۸۳

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

کتاب — اولاد کی تربیت قرآن وحدیث کی روشنی میں

مؤلف — احمد خلیل جمعہ

مترجم — لجنۃ المصنفین

باہتمام — محمد ناظم اشرف

کمپوزنگ — عبدالناصر چترالی

ناشر — بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

فون: ۳۵۲۴۸۳ے

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = ۱۱۹۰ انارکلی، لاہور

ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ا

بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ا

ادارۃ القرآن = چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی

ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر نظر کتاب "الطفل فی ضوء القرآن والسنة" (اولاد کی تربیت قرآن و سنت کی روشنی میں) اپنے موضوع کی بہترین کتاب ہے۔ بچوں کی تربیت پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہر مصنف کا اپنا اسلوب ہوتا ہے، ہر لکھنے والا ایک ہی مقصد (بچوں کی تربیت) کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ قرآن وسنت نے اس کے لئے جو زریں اصول بیان فرمائے ہیں انہیں ایک مفید اور موثر پیرایہ میں ترتیب دے کر والدین اور اساتذہ کی مکمل راہنمائی کی جائے۔

کتاب عربی زبان میں تھی، ادارہ اشرف التحقیق کی لجنۃ المصنفین نے بڑی کاوش سے اس کو اردو لباس میں پیش کی کرنے کی سعی کی ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سعی بلیغ کو قبول فرما کر آنے والی نسل کی تربیت کا موثر ذریعہ بنا دیں اور ناشرین کے لئے مثمر ثمرات کثیرہ بنائے۔ آمین

(مشرف علی تھانوی)

خادم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ

﴿عرضِ مترجم﴾

الحمد للّٰہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:

وبعد: بچے مستقبل کی امید اور امیدوں کا مستقبل ہیں، بچے امّت کا قیمتی اور بیش بہا سرمایہ ہیں جس کے فروغ، ترقی اور تحفظ کا اہتمام وانتظام ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ یہی بچے کل کو خود بچوں کے ماں باپ بنیں گے، اسی لئے بچپن کا زمانہ انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، کیونکہ شاخ جب تک ہری اور نرم ہوتو جس طرف چاہیں اس کو موڑ سکتے ہیں، مگر جب شاخ سخت ہوجائے تو اس کو موڑنا ممکن نہیں رہتا، اگر اس وقت موڑنے کی زیادہ کوشش کی جائے تو شاخ ٹوٹ تو سکتی ہے پر سیدھی نہیں ہوسکتی، اس لئے والدین پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کی ایسی صحیح وسلیم تربیت کریں جو عقائد اسلامیہ سے مربوط ہو، بچوں کی تربیت اور ان کے نفوس کی تہذیب کیلئے قرآن کریم اور سنت نبویہ کی بے شمار اور شاندار ہدایات اور منارات موجود ہیں۔ زیر نظر کتاب ''اولاد کی تربیت'' درحقیقت شیخ احمد خلیل جمعہ کی ضخیم عربی کتاب'' الطفل فی ضوء القرآن والسنّۃ والادب'' کا عام فہم، مستند پہلا اردو ترجمہ ہے، مؤلف موصوف نے اس موضوع کو اختیار کرکے بڑا احسن اقدام کیا ہے. جزاہ اللّٰہ خیراً، یہ ندائے وقت بھی ہے اور ضرورت زمانہ بھی، اس کتاب میں بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں قابل اقتداء شخصیات کے عہد بچپن، خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام کے زمانہ بچپن کے واقعات کا بطور رہنما ذکر کیا گیا ہے، نیز سلف صالحین کے بھی اس سلسلہ میں اعلی

اور عمدہ تربیتی طریقے مذکور ہیں، پھر اصل کتاب کا اختتام بچوں کیلئے پسندیدہ ادبیات کے بیان پر مشتمل ہے، چونکہ ادب کا زیادہ تر حصہ مختلف نظموں ، ترانوں اور قصیدوں پر شامل ہے، اس لئے عدم ضرورت کی وجہ سے اس کے اکثر حصہ کا اردو ترجمہ نہیں کیا گیا، ترجمہ کی سعادت احقر کے علاوہ ہمارے رئیس اللجنۃ مولانا محمدانس صاحب چترالی اور برادر عزیز مولانا عبدالعظیم صاحب ترمذی کے حصہ میں آئی ہے،آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو میزان حسنات میں شمار فرمائے، خصوصا برادر مکرم مولانا ناظم اشرف صاحب مدظلہ کو جزائے خیر اور عطائے جزیل عطا فرمائے جو اس کتاب کی نشرواشاعت کا سبب بنے، نیر ہر ایک کو اس سے مستفید ومستنیر ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

طالب دعا: خالد محمود عفا عنہ الغفور
(فاضل جامعہ اشرفیہ ورکن لجنۃ المصنفین لاہور)
۲۰۰۳/۷/۴ء الموافق ۱۴۲۴/۵/۳ھ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ	۱۵

(قسمِ اول)

باب اوّل

۲	قرآنِ کریم میں بچوں کا ذکر	۲۱

(فصلِ اوّل)

۳	طفل اور طفولیت قرآنِ کریم کی روشنی میں	۲۱
۴	بچپن کا زمانہ اور زندگی کے مختلف مراحل	۲۲

(فصلِ دوم)

۵	قرآن حکیم میں بچوں سے محبت کے اشارات	۲۶

(فصلِ سوم)

٦	قرآن مجید میں بچوں کے حقوق کا تذکرہ	۳۲

(فصلِ چہارم)

۷	قرآن کریم کا بچوں کے تحفظ کے لئے اہتمام	۴۱

بابِ ثانی

۸	قرآنِ کریم میں بچوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام	۵۱

(فصلِ اوّل)

۹	قرآن مجید میں کلمہ ''طفل'' کے معانی	۵۲

(فصلِ دوم)

۱۰	زمانۂ طفولیت سے سن بلوغ تک	۵۷

(فصلِ سوم)

۱۱	قرآن حکیم میں بچہ کے لئے چند تادیبی صورتیں	٦۰

(فصلِ چہارم)

۱۲	بچہ اور انبیاء علیہم السلام کی دعا	٦٦

《 بابِ ثالث 》

۱۳	قرآنِ کریم میں انبیاء علیہم السلام کے بچپن کا ذکر	۷۴

(فصلِ اوّل)

۱۴	انبیاء علیہم السلام کے بچپن کے واقعات اور ان کی اہمیت	۷۵

(فصلِ دوم)

۱۵	حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کا ذکر	۸۱

(فصلِ سوم)

۱٦	حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا ذکر	۹۰

(فصلِ چہارم)

۱۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر	۹۵

(فصلِ پنجم)

۱۸	حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا ذکر	۱۰۲

《 بابِ رابع 》

۱۹	قرآنِ حکیم کی روشنی میں بچوں کی تربیت کے انواع	۱۱۷

(فصلِ اوّل)

۲۰	فطرت اور تربیت کے درمیان بچپن کا مرحلہ	۱۱۸

(فصلِ دوم)

۲۱	بچہ اور ان کے فطری حواس کی تربیت واصلاح	۱۲۲
۲۲	(۱) محبت ونفرت	۱۲۲
۲۳	(۲) خوف اور امید	۱۲۵

(فصلِ سوم)

۲۴	بچہ اور اس کی روحانی جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کی تربیت	۱۲۸

۲۵	(۱) روحانی تربیت	۱۲۸
۲۶	(۲) عقلی تربیت	۱۳۰
۲۷	(۳) جسمانی تربیت	۱۳۳

(فصلِ چہارم)

۲۸	بچہ اور قرآن پاک سے محبت و تعلق	۱۳۷

﴿ بابِ خامس ﴾

۲۹	بچوں کی اخلاقی تربیت، قرآن کی روشنی میں	۱۴۴

(فصلِ اوّل)

۳۰	بچہ اور قرآنی اخلاق	۱۴۵

(فصلِ دوم)

۳۱	بچہ اور اس کی اللہ و رسولؐ کے معاملہ میں اخلاقی تربیت	۱۴۹
۳۲	(۱) فطرت کو پیدا کرنا	۱۴۹
۳۳	(۲) ہر حال میں اللہ کے خوف کا احساس رکھنا	۱۵۲
۳۴	(۳) نعمتوں سے روشناس کرانا	۱۵۷
۳۵	(۴) نماز اور اس کی اہمیت	۱۶۰
۳۶	(۵) رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا مقام	۱۶۸
۳۷	(۶) رسول کریم ﷺ کی اطاعت واقتداء	۱۷۰

(فصلِ سوم)

۳۸	بچہ اور اس کی مسلمانوں کے معاملہ میں اخلاقی تربیت	۱۷۳
۳۹	(۲) بچہ کی والدین کے معاملہ میں اخلاقی تربیت	۱۷۴
۴۰	(۲) بھائیوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا	۱۸۰
۴۱	(۳) رشتے داروں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا	۱۸۴

۴۲	(۴) ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا	۱۸۶
۴۳	(۵) علماء اور اساتذہ کے ساتھ پیش آنا	۱۸۸
۴۴	(۶) غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا	۱۹۱

(فصل چہارم)

۴۵	کھانے پینے کے متعلق اخلاقی تربیت	۱۹۶

(فصل پنجم)

۴۶	صفائی کے متعلق بچے کی اخلاقی تربیت	۲۰۲
۴۷	بچہ اور لباس و جسم کی صفائی	۲۰۴
۴۸	بچہ اور ہاتھوں کی صفائی	۲۰۷
۴۹	منہ اور دانتوں کی صفائی	۲۱۱
۵۰	قضائے حاجت کے متعلق تربیت	۲۱۵
۵۱	(۵) بچہ اور ماحول کی تربیت	۲۱۹

(فصل ششم)

۵۲	سونے کے متعلق تربیت	۲۲۵

(فصل ہفتم)

۵۳	تربیت اولاد کے قرآنی پہلو	۲۳۰
۵۴	گھر میں داخل ہوتے وقت کے آداب کے متعلق تربیت	۲۳۱
۵۵	مجلس اور میزبانی کے آداب کے متعلق تربیت	۲۳۵
۵۶	بچے کو حیا کی تربیت	۲۴۰
۵۷	وقت کی اہمیت کے متعلق تربیت	۲۴۳
۵۸	کھیل کود کے متعلق تربیت	۲۵۶

(قسم ثانی)

۵۹	طفل اور طفولیت سنتِ نبویؐ کی روشنی میں	۲۶۶

﴿بابِ اوّل﴾

۶۰	بچہ اور سنّتِ نبویؐ	۲۶۶

(فصل اوّل)

۶۱	نبی کریم ﷺ اور طفل	۲۶۷

(فصل دوم)

۶۲	بچوں کے حقوق حدیث کی روشنی میں	۲۷۴

(فصل سوم)

۶۳	بچوں کے ساتھ عنایات نبویؐ کی مختلف صورتیں	۲۷۸
۶۴	بچوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ	۲۷۹
۶۵	بچیوں کے ساتھ آپؐ کی مہربانیاں	۲۸۲

(فصل چہارم)

۶۶	طفل اور محبت نبی ﷺ	۲۷۶

﴿بابِ ثانی﴾

۶۷	عہد نبوت کے چند بچوں کے احوال	۳۰۰

(فصل اوّل)

۶۸	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۰۱

(فصلِ دوم)

۶۹	زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۰۵

(فصل سوم)

۷۰	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۱۱

(فصل چہارم)

۷۱	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۱۴

(فصل پنجم)

۷۲	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۱۸

(فصل ششم)

۷۳	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۲۲

(فصلِ ہفتم)

۷۴	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۲۷

(فصلِ ہشتم)

۷۵	حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۳۳

(فصلِ نہم)

۷۶	حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳۴۲

﴿بابِ ثالث﴾

(فصلِ اول)

۷۷	تربیت کے معانی اور مطالب	۳۴۸

(فصلِ دوم)

۷۸	بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر	۳۵۰

(فصلِ سوم)

۷۹	عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بچوں کا تعلیمی سلسلہ	۳۵۳

(فصلِ چہارم)

۸۰	بچے کی تربیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیحات	۳۵۷

﴿باب رابع﴾

(فصلِ اول)

۸۱	بچوں کی تربیت کی ضرورت واہمیت	۳۷۰
۸۲	خاندان اور بچے کی ضرورت واہمیت	۳۷۳

(فصلِ دوم)

۸۳	خاندان اور بچے کی مثالی تربیت	۳۷۳

(فصلِ سوم)

۸۴	بچے کی نشو ونماء ابتداء سے انتہا تک	۳۸۷

(فصلِ چہارم)

۸۵	سلوک وعمل کی روشنی میں بچے کا کردار	۳۹۹

﴿بابِ خامس﴾

۸۶	بچوں پر اسلاف کی مہربانیاں	۴۰۷

(فصلِ اول)

۸۷	بچوں کی تربیت میں اسلاف کا طریقۂ کار	۴۰۸

(فصلِ دوم)

۸۸	سلفِ صالحین کی بچے کی تربیت کے چند نمونے	۴۱۲

(فصلِ سوم)

۸۹	اسلاف کی بچوں سے محبت	۴۱۶

(فصلِ چہارم)

۹۰	چند مشاہیر کا بچپن	۴۲۱
۹۱	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۴۲۱
۹۲	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	۴۲۳
۹۳	عمر بن عبدالعزیزؒ	۴۲۶
۹۴	امام شافعیؒ	۴۲۹
۹۵	امام نوویؒ	۴۳۲
۹۶	بچوں کے لئے مفید نصیحتیں	۴۳۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

الحمدللّٰه ذی النعم السابغة' والمنن البالغة' خلق الانسان فی احسن تقویم' وحباه العقل لیسلك الصراط المستقیم' وامدّه بانواع العنایة والتکریم' منذ أن کان فی المهد صبیًّا' الی أن صار رجلاً سویًّا' وإلی یوم وفاته' وانقضاء ایّام حیاته' والصلوٰة والسلام علی نبیّ الرحمة' وسیّد الامّة' محمّد الذی ارسله اللّٰه ﴿شٰهِدًا وَ مُبَشِّرًاوَنَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُنِیْرًا﴾ (الاحزاب:۴۵۔۴۶) فکان للایمان منادیاً' وإلی صراط العزیز الحمید هادیًا' ودعا بحکمته النساء والرّجال' وبلغت دعوته اسماع الاطفال فاستجاب منهم اصحاب الکمال' وسبّحوا معه بالغدوّ والآصال فحظوا بالسعادة وحسن المآل۔

امّا بعد! ایک عربی شاعر کہتا ہے:

سفر کأنّ کلامه ❖ أنسام کافور علیله
وکأنّ زهر ریاضه ❖ همسات انغام الطفوله

نیز:

بالطفل یوصینا الاله المنعم ❖ ویعز جانبه النبی الاکرم
فصلاحه سعد و نور للوری ❖ وفساده یدع الظلام یخیّم
والسفر هذا منهج متکامل ❖ یسعی الیه مؤدّب ومعلّم
من محکم الایات اوسنن الهدی ❖ قبساته بمرادها تتکلم

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کا مضمون کافور کی خوشبو سے معطر ہے۔ اس کے باغ کے پھول گویا طفولیت کے نغموں کی آوازیں ہیں۔ منعمِ حقیقی نے بھی طفل کی تربیت کی تاکید کی ہے۔ اور نبی مکرم ﷺ نے بھی اس کے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ طفل کی صلاح و فلاح لوگوں کے لئے نور و سعادت کا باعث ہیں۔ جبکہ اس کا بگاڑ چہار سو ظلمت و تاریکی پھیلا دیتا ہے۔ یہ کتاب وہ طریقِ ہدایت ہے جس کی طرف ہر معلّم و مربی رخ کرتا ہے۔ جو کہ آیات و احادیث سے مستفاد ہے اور جس کے اقتباسات اپنی مراد خود بیان کرتے ہیں''۔

قارئین کرام! کتابِ ھذا مواد و مضامین کو جمع و مرتب کرنے کے بعد ایک ایسے پھیلے ہوئے خوبصورت درخت کی طرح ہے جس کے معارف کے خوشے لٹکا دیئے گئے ہوں، پھر بچوں کے لئے یا بچوں کے متعلق کچھ لکھنا اتنا سہل و آسان امر نہیں ہے، خصوصاً زمانۂ حاضر میں، جہاں بچے اعلیٰ خاندانی اقدار سے مکمل طور پر دور ہیں، ہر جانب سے مختلف نوع کی رنگینیاں اور فریب کاریاں اس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئی ہیں، جیسے مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ، تہذیب و تمدن کی چمک دمک، سکول کالج پھر معاشرہ اور پھر شاہراہ، جانتے ہو کیا شاہراہ اور کیسی شاہراہ؟ جب سے بچوں کے متعلق کچھ لکھنے کا خیال آیا اور طبیعت ادھر آمادہ ہوئی تو کئی ایک سوال سامنے آنے لگے کہ بچوں کے بارے میں کیا مضمون ہو؟ بچوں کے لئے کیا پیش کروں؟ بلکہ اس کے ذمہ دار خاندان کے لئے کیا چیز پیش کروں؟ ان سوالات کے جوابات ناکافی تھے، جب بھی میں ایک چیز کی رخنہ بندی کرتا تو میرے سامنے اور بہت سے رخنے کھل جاتے، اور جب بھی میں نے ارادہ کیا کہ میں کتاب کا کوئی حصہ لکھوں تو میں مرعوب ہو جاتا میرے ہاتھ میں قلم مضطرب ہو جاتا اور ذہن سے سارے افکار معدوم و ناپید ہو جاتے، دن گزرتے رہے اور میں اللہ تعالیٰ سے اس راہ کی آسانی کا سوال کرتا رہا اور اس میدان کار کے آغاز کی درخواست کرتا رہا، حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ اللہ نے میرے لئے یہ کام ایسا آسان کر دیا کہ میرا کتاب لکھنے کے متعلق خیال قرار پا گیا، میرا

شرح صدر ہو گیا اور موضوعِ ھذا کی ہیبت دور ہو گئی اور میں اس کی اہمیت اور لوگوں کا بچوں کے احوال قرآن وسنت کی روشنی میں جاننے کا اشتیاق سمجھنے لگا۔

اسی لئے میں فریادرس کی فریادرسی کرنے لگا تا کہ اسے پریشانی اور مصیبت کے جال سے خلاصی دلاؤں اور میں نے کتاب کو تیار کرنا اور اسے اقسام وابواب اور فصول پر مرتب کرنا شروع کر دیا' میں نے بچوں اور ان کے اتالیق کے نفع کے لئے شب و روز کی محنتیں صرف کر دیں اور دن رات ایک کر دیا' اس لئے کہ یہ بچے مستقبل کی امیدیں اور امیدوں کا مستقبل ہیں اور انہوں نے آگے جا کر زندگی کی باگ ڈور سنبھالنی ہے' کوئی تو ان میں عالم وادیب بنے گا اور کوئی معلم وطبیب اور بعض ان میں سے حاکم ومجاہد بنیں گے اور بعض کسان وغیرہ۔

اسی لئے میں نے بامدادِ الٰہی کوشش کی کہ میں روحِ قلب کے لئے انعامِ الٰہی کا ایک دسترخوان پھیلاؤں' بچے روح وقلب کی حیات ہیں' تا کہ یہ دسترخوان وسیع ہو کر تربیت کرنے والوں کے لئے اور ماں باپ کے لئے عام النفع ہو' اور اس سے ایک خاندان بلکہ ہر وہ شخص استفادہ کر سکے جو یہ پسند کرتا ہو کہ اس کے بچے مغرب زدہ لوگوں اور مستشرقین کے نظریات وآراء سے دور رہتے ہوئے قرآن وسنت کے زیرسایہ سعادت مند حیات حاصل کریں۔ جن مستشرقین نے بزعمِ خویش ان نظریات کو قابلِ ذکر اور بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں نفع بخش سمجھ رکھا ہے' اور عجیب وغریب قسم کے خیالات پیش کئے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بلکہ اس کے سارے خاندان کے متعلق ربانی اور نبوی راہ وہدایت بھلا چکے ہیں' یہ ہے وہ بنیادی سبب جس کے پیش نظر میں نے اوّلاً قرآنِ کریم کی طرف رجوع کیا جس کی رہنمائی کے مطابق میں اپنی یہ کتاب تربیتِ اطفال کے سلسلہ میں لکھ رہا ہوں' کیوں کہ قرآنِ پاک ہی سب سے زیادہ سیدھا اور درست راستہ ہے' میں اس میں لکھی ہوئی ہر وہ بات جو بچوں یا بچیوں کے بارے میں ہے جمع کرتا رہا حتی کہ کتاب کی قسمِ اوّل مرتب ہو گئی جسے قارئین اب ملاحظہ کر رہے ہیں' قرآنِ کریم میں بچوں کے متعلق بے شمار ہدایات اور ارشادات موجود ہیں یہ کتابِ الٰہی

فوائد و بدائع سے بھری ہوئی ہے اور یہ ارشادات انتہائی فکر انگیز اور مؤثر بھی ہیں جبکہ انسان کلام اللہ میں غور و تدبر کرے سمجھے اور اس کے مضمون کے مطابق عمل پیرا ہو اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل پڑے بھلا اللہ کے کلام سے بڑھ کر کس کا کلام اور قول احسن ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ میں نے کتاب کا آغاز قرآن کریم سے کیا ہے ثانیاً میں نے سنّتِ نبویؐ اور طریقِ محمدیؐ سے استفادہ کیا جو کہ تمام احوال میں فائدہ مند ہے سنّتِ نبویؐ میں بیمار کی شفاء اور پیاسے کی سیرابی مضمر ہے اور حسن و جمال میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ سنّتِ مطہّرہ درحقیقت قرآن عظیم کی ردیف سعادت کی کنجی ہے اور اس میں وہ تمام ترخیریں اور حکمتیں موجود ہیں جن کا صدور نبی کریم ﷺ کی زبانِ اطہر سے ہوا ہے۔

رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی اصل میں معلم و مربی ہیں آپ ﷺ کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے آپؐ نے بچوں کو سعادت کی وہ تمام انواع و اقسام عطا کی ہیں جن کی وجہ سے وہ بچے کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مختلف بلند اخلاق و فضائل اور اعلیٰ و اشرف اوصاف و خصائل کو منظّم و مرتب کر کے مردوں عورتوں اور بچوں کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ اس کی پیروی کریں اور اس رہنمائی سے مستفید و مستنیر ہو سکیں۔

میں کہاں اس لائق کہ اس مبارک ذات کے متعلق کچھ کہہ سکوں جس نے محاسن و مناقب کو جمع کیا جن کے ذکر سے زبانیں شیریں ہو جائیں سانسیں ان کے ذکرِ خیر سے معطّر ہو جائیں اور ان کے نام و ذکر سے مجلسیں آراستہ ہو جائیں آپ ﷺ کے لئے یہی فضل کافی ہے کہ ان کے ربّ کی طرف سے انہیں ثناء و تعریف سے نوازا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم:۴)

اور کتابِ ہٰذا کی قسمِ ثانی بچوں کی تہذیب و تربیت کے سلسلہ میں تربیتِ نبوی ﷺ کی انواع و اقسام پر مشتمل ہے ان بچوں کے متعلق میں نے بحث کی ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زیرِ سایہ زندگی گزاری جس کی وجہ سے وہ سیادت کی دنیا میں دنیا کے سردار بنے۔

قارئین کرام! میں آپ کے سامنے قسمِ ثانی کی نفیس وعمدہ ابحاث کو ابھی سے بیان نہیں کروں گا کہ کہیں اس کا سارا حسن اور رونق نہ جاتی رہے' بلکہ میں آپ کو کھلا چھوڑتا ہوں تا کہ آپ خود اس کے جواہر اور موتیوں سے نفع اٹھا سکیں۔

اور قسمِ ثالث بھی ایک مفید و دلچسپ مرحلہ ہے' میں نے اس قسم میں الوانِ آداب سے بھرے مرغوب دستر خوان پیش کئے ہیں' میں نے مطالعہ کو اپنا روز و شب کا مشغلہ بنالیا تھا' اور میں اس قسمِ ثالث میں صاف وعمدہ آداب لایا ہوں' تا کہ بچوں کے لئے خیرِ کثیر پیش کرسکوں' میں نے حتی المقدور اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر اچھی سے اچھی چیز منتخب کروں تا کہ وہ نفوس کے لئے باعثِ زینت' مجالس کے لئے سببِ تفریح اور احباب کے لئے ربیع و بہار اور متعلمین خصوصاً بچوں کے لئے انس ولطف کا ذریعہ بن جائے۔ کیونکہ یہ بچے دنیا کی امیدیں اور امیدوں کی دنیا ہیں' نیز روحِ حیات اور حیاتِ روح ہیں' یقین جانئے! میں نے حسبِ استطاعت کوشش کی ہے کہ میں اس کتاب میں مفید و دلچسپ امور جمع کروں تا کہ اس کو پڑھ کر دلوں کو راحت وسکون حاصل ہو' جیسا کہ کتاب کی حسنِ ترتیب اس کی متقاضی ہے۔

میں نے اس موضوع اور مضمون کو لکھنے کے دوران سینکڑوں مراجع ومصادر اور مختلف قسم کی کتب وتصانیف کی طرف رجوع کیا ہے' خدا ہی جانتا ہے کہ میرا کتنا وقت اور مال اور محنت وکوشش اس پر صرف ہوئی ہے اور کتنی طویل طویل راتیں بیداری میں گزری ہیں' اس دوران میں برابر کسی نہ کسی مسئلہ' فائدہ اور حکمت کا متلاشی رہا' تا کہ جب یہ کتاب لوگوں کے سامنے آئے تو اپنے دامن میں بھر پور فوائد لئے ہوئے ہو۔

﴿ولله الحمد و النعمة ـ وهذا من فضل ربی﴾ (النمل:۴۰)

قبل ازیں کہ میں قارئین کو اس کتاب کے خوبصورت باغات کی سیر کراؤں تا کہ وہ اس کی شاخوں کو اپنی طرف جھکا کر اس کے پھولوں کو توڑ سکیں' میں چاہتا ہوں کہ اپنی ایک خوش نصیبی کا ذکر کروں کہ استاذِ محترم عبدالرحمٰن بن سعود العجاجی نے اس کتاب کو پڑھ کر مجھ پر مہربانی فرماتے ہوئے بعض اہم امور اور قیمتی ارشادات کا اظہار فرمایا' اور اپنے قلم سے

ایسے خوبصورت کلمات رقم فرمائے جن پر طبیعتیں ناز کرتی ہیں۔ آپ مربی ووالد' باذوق ادیب' صاحبِ بصیرت اور دانشمند ہیں' یہ صفات واقعی ان میں موجود ہیں اس لئے کہ میں ان کے نافع اعمال اور صاحبِ بصیرت جیسی مضبوط تربیت کی حرص محسوس کر چکا ہوں' اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے سلسلہ میں مجھے جس اکرام وتوفیق سے نوازا ہے وہ یہ ہے کہ ملک شام اور مصر کے دو ماہر وممتاز خطاطوں نے اس کتاب کی خطاطی کی ہے' یہ دونوں خطاط عصرِ حاضر کے سلاطینِ فن میں سے ہیں' ان کی خطاطی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فنِ خطاطی کا کس قدر ذوق اس پر قدرت اور اس کی نزاکتوں کا پورا احساس رکھتے ہیں' ایک کا نام ہے محمد غیاث الدین کیلانی' جو امیرِ خط اور لاثانی خطاط ہیں' دمشق سے ان کا تعلق ہے' انہوں نے کتاب کا عنوان لکھا جو اپنی نظیر آپ ہے' جس پر شفاف روح کا اضافہ ہے جس نے اس کو انتہائی لطافت کے ساتھ خوبصورت چیز بنادیا ہے' دوسرے ہیں' محمد محمود رُطیل اسکندری' یہ بھی فنِ خطاطی کے ماہر' بلند اخلاق کے مالک اور ادیب ومخلص صدیق ہیں' انہوں نے کتاب کے ابواب وفصول شاندار طریقہ سے کتابت کئے' ان کی خطاطی نے تو بس کیف وسرور کا ایک عالم پیدا کردیا' اس میں حسن وجمال بھر دیا' میں ان تمام کارکنان کا شکر گزار ہوں جنہوں نے دارالیمامہ میں میرے ساتھ کام کیا یا کتاب کو منظرِ عام پر لانے میں تعاون کیا۔

قارئینِ کرام سے امید ہے کہ وہ مجھے ہر لمحہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے' اور اگر کوئی خلل وکوتاہی پائیں تو اس کو پورا کریں گے' کیونکہ تمام کمالات کا مالک اور تمام کوتاہیوں سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللّٰھم انفعنا بما علمتنا' وزدنا علماً یا ربَّ العالمین

اللّٰھم اکرمنا بنور العلم' وادفع عنّا ظلمات الوھم

اللّٰھم وفقّنا لما تحبّ و ترضیٰ فی القول والعمل

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾ (البقرۃ:۲۸۶)

(احمد بن خلیل جمعہ)

قسمِ اوّل

(طفل اور طفولیت قرآنِ کریم کی روشنی میں)

بابِ اوّل

(قرآنِ کریم میں بچوں کا ذکر)

فصلِ اوّل: بچپن کا زمانہ اور زندگی کے مختلف مراحل

فصلِ دوم: قرآنِ حکیم میں بچوں سے محبت کے اشارات

فصلِ سوم: قرآنِ مجید میں بچوں کے حقوق کا ذکر

فصلِ چہارم: قرآنِ کریم کا بچوں کے تحفظ کے لئے اہتمام

﴿فصلِ اوّل﴾

بچپن کا زمانہ اور زندگی کے مختلف مراحل:

زمانۂ طفولیت کی ابتداء ولادت کے کچھ عرصہ بعد ہی سے کمزوری کی حالت میں ہو جاتی ہے، اور یہ ضعف و کمزوری فطری چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بچہ کے اندر پیدا کی ہے تا کہ وہ بچہ بتدریج ضعف و عجز کا مرحلہ گزار کر قوت و جوانی کے دور تک پہنچے۔

بچہ پر اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے اندر سیکھنے کی صلاحیت اور تربیت کی قابلیت کا بیج بو دیا ہے جو آنے والے وقت میں اس میں موجود رہتی ہے، کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں پوشیدہ خداداد صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اگر اس میں خیر کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہو تو آگے جا کر وہ کمزور بچہ نفع بخش اور فیض رساں انسان بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بچہ کی غایت درجہ نگہداشت کی گئی ہے، جب اس میں خیر کا بیج بو دیا گیا ہو تو آگے جا کر وہ پھر ثمرات لاتا ہے اور یہ سلسلۂ فیض و نفع آخرت تک جاری رہتا ہے، ہر بچہ زندگی کے مراحل سے گزرتا ہے، یہ ایک تکوینی حقیقت ہے جسے ہم سب جانتے ہیں، اس لئے کہ ہم میں سے ہر ایک کا چند مراحل و ادوار سے گزر ہوتا ہے جس کی ابتداء تخلیقِ آدم سے ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو نطفہ سے اور پھر علقہ (بستہ خون) سے خلق فرمایا۔

جیسا کہ پروردگارِ عالم فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ (غافر:۶۷)

”یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے، پھر علقہ سے خلق فرمایا“۔

تمام بنی نوع انسان میں بچہ کی پیدائش کا آغاز شکمِ مادر سے ہوتا ہے چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے ادوارِ زندگی کی ابتداء پر اس طرح متنبہ فرمایا کہ پہلے نطفہ' پھر لوتھڑا' پھر ہڈیاں' پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ انسان جب تخلیقِ الٰہی کے مذکورہ مراحل وادوار سے گزر جاتا ہے تو پھر جنین کا شکمِ مادر سے وضع ہونے کا مرحلہ آتا ہے' پھر وہ طفل (بچہ) بنتا ہے' اس کے بعد وہ طفل' قوت وعقل اور جسم وبدن کے کمال اور تمام ظاہری وباطنی قوتوں کی حد کو پہنچتا ہے' خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ چالیس سال کی عمر میں حاصل ہوتا ہے' ان ادوار کے بعد وہ طفل شیخوخت (بڑھاپا) کی عمر کو پہنچ جاتا ہے' بالآخر وہ بحکمِ خداوندی عمر گزار کر زندگی کا سفر پورا کر لیتا ہے۔ اسی کا ذکر قرآنِ پاک میں اس طرح کیا گیا:

﴿ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (غافر:٦٧)

''یعنی تم کو بچہ کر کے نکالتا ہے' پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو' پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ' اور کوئی تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے' اور تا کہ تم سب وقتِ مقرر تک پہنچ جاؤ' اور تا کہ تم لوگ سمجھو''۔

یہ ربانی تصویر ہے جس کا اللہ عز وجل نے ذکر کیا ہے' مقصدِ خطاب یہ ہے کہ اس کے بندے اپنے حالات کو سمجھیں اور یہ جانیں کہ ان کو مختلف مراحل وادوار میں تشکیل دینے والا ہی کامل طور پر صاحبِ اقتدار اور لائق عبادت ہے' لہٰذا انھیں چاہیے کہ ان مراحل کی ابتداء میں غور کرو' فکر سے کام لو' اور یہ کہ خلق کی ابتداء میں ضعف کا مرحلہ ہے' امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسانی عمر کے تین مراتب بنائے ہیں' بچپن' جوانی اور بڑھاپا' اور یہ ترتیب عقل کے مطابق ہے کیونکہ انسان اپنی عمر کی ابتداء میں نشو ونما کے عرصہ میں ہوتا ہے اسی کا نام طفولیت (بچپن) ہے' حتیٰ کہ پھر وہ نشو ونما کے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اسے کوئی ضعف لاحق نہیں ہوتا' یہی چیز جوانی کہلاتی ہے' پھر وہ واپس آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ضعف ونقص کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں' اور

یہی شیخوخت (بڑھاپا) کا مرتبہ ہے۔ (دیکھئے التفسیر الکبیر للرازی: ۸۵/۲۷)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے انتہاء تک تخلیقِ انسان کا اپنے علم وقدرت کے ساتھ ذکر کیا ہے' فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ﴾ (الروم: ۵۴)

''یعنی اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا' پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی' پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اور وہ علیم وقدیر ہے''

دیکھئے: اللہ رب العزت اپنی علمی وسعت' کمالِ حکمت اور عظمتِ اقتدار کا ذکر فرما رہے ہیں اور متنبہ فرما رہے ہیں کہ انسان کیسے تخلیقی مراحل کے دوران ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا رہتا ہے' اس لئے کہ تخلیقِ انسانی کی ابتداء ضعف سے ہوتی ہے' اور اس ضعف کی ابتداء شروع کے مراحل میں نطفہ سے لوتھڑے تک رہتی ہے' حتی کہ پھر وہ رحمِ مادر میں مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے' ہڈیاں بنتی ہیں' پھر اس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے' اور اس میں روح پھونکی جاتی ہے پھر آخر کار شکمِ مادر سے اس کا اس حال میں تولد ہوتا ہے کہ اس کے سارے قویٰ کمزور ہوتے ہیں' وہ طفولیت کی عمر میں ہوتا ہے' جو کہ انتہائی ضعف اور ناتوانی کا وقت ہوتا ہے' پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کی قوت میں اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے حتی کہ وہ چھوٹا بچہ بن جاتا ہے۔ پھر نوعمر' پھر قریب البلوغ' پھر جوانی کی حد کو پہنچ جاتا ہے' اس کے تمام قویٰ مکمل اور حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں پھر نقص کی طرف لوٹنے لگتا ہے' اور زمانۂ شیخوخت (بڑھاپے) آ جاتا ہے' یہی وہ ضعف و ناتوانی ہے جو قوت و توانائی کے بعد پیدا ہوتی ہے (جس کا ابھی اوپر قرآن میں ذکر ہوا) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ کم ہمت ہو جاتا ہے' حرکت و بطش (پکڑنے) کی قوتیں مضمحل ہونا شروع ہو جاتی ہیں'

بال بھی سفید ہونے لگتے ہیں‘ الغرض ظاہری و باطنی صفات میں تغیر آنے لگتا ہے۔

ابوحیّان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ضعف و ناتوانی میں اس لئے بنایا تاکہ ظاہر ہو کہ انسان نہایت کمزور ہے یا اس کی تربیت اور طفولیت کے لئے‘ پھر دوبارہ شیخوخت اور بڑھاپے کی حالت آجاتی ہے‘ کیفیات کا یہ تکرار صانعِ حقیقی کی قدرت وعلم پر شاہد ہے‘‘۔ (البحر المحیط لابی حیان: ۱۸۰/۷)

ممکن ہے کہ اس میں اللہ کی یہ حکمت ہو کہ انسان کو اس کا ضعف دکھایا جائے کہ دیکھ تو کتنا کمزور ہے‘ جس قوت و جوانی پر تو فخر کرتا ہے وہ دو ضعفوں (کمزوریوں) میں گھری ہوئی ہے‘ بلکہ وہ قوت‘ ضعف کی دیوار پر محیط ہے‘ نیز یہ دکھانا ہے کہ انسان کی ذات صرف نقص کی مالک ہے‘ اگر اللہ تعالیٰ اسے قوت سے نہ نوازیں تو وہ کبھی بھی قوت وقدرت کے حصول تک نہ پہنچ سکے‘ یہ بھی اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے انسان کو دو شدید کمزوریوں سے گھیر رکھا ہے‘ کیونکہ اگر انسان قوت و طاقت میں مسلسل بڑھتا ہی جاتا تو یقیناً وہ سرکش‘ باغی اور حد سے تجاوز کر جاتا‘ اور فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کی راہ پر چلنے لگتا‘ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی علیم وخبیر اور تمام امور کا مدبر ہے‘ بلاشبہ انسان کی طفولیت کے مراحل وادوار ایک قابلِ قدر حیات کے حامل اور انتہائی تکریم واہتمام پر مشتمل ہیں اس لئے کہ یہ ابتدائی مراحل حیات کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کا زندگی سے گہرا ربط وتعلق ہے۔

فصلِ دوم

قرآنِ حکیم میں بچوں سے محبت کے اشارات:

قرآنِ حکیم نے بچوں کی زندگی کے متعلق تقریباً ہر بات بیان کی ہے یا اس کی طرف اشارہ ضرور کیا ہے' کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے' اس کے اندر تمام وہ خیریں موجود ہیں جو انسانیت کے مفاد اور نفع میں ہوسکتی ہیں' اگر لوگ ان کی اتباع و پیروی کرلیں تو یقیناً کامیاب ہوسکتے ہیں' کتاب اللہ کی آیات میں جو بھی غور وفکر سے کام لے گا اسے اس میں ایسی باتیں ملیں گی جس کی اس کا نفس خواہش رکھتا ہوگا۔ اس کی آنکھیں سرور و لذت کو محسوس کریں گی' اور وہ امن وامان اور اطمینان وسکون کا احساس کرے گا' اور وہ قرآنی آیات میں غور وفکر کرتے ہوئے اپنی روح کو چشمۂ شیریں سے تازہ وخوشگوار بنائے گا۔ میں اس موقع پر اپنے بارے میں آپ کو بتاتا ہوں' شروع میں میرا خیال یہ تھا کہ بچوں کے موضوع پر کچھ لکھنا ایک مشکل کام ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں اس کے متعلق مواد اور دلائل و شواھد بہت کم دستیاب ہوں گے' میں سوچا کرتا تھا کہ اس موضوع پر کیسے بحث کی جائے؟ بلکہ میرے لئے کیسے ممکن ہو کہ میں اپنے معزز قارئین کی خدمت میں مختلف دلچسپ امور پر مشتمل مرغوب اور معمور دسترخوان پیش کروں؟ اور قرآنِ کریم میں سے پسندیدہ قسم کی چیزیں کیسے لاؤں؟ جب میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا تو میں نے ان امور کو آسان پایا' اس لئے کہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں بچوں کے متعلق کچھ نہ کچھ بیان کیا ہے اور بار بار طفولیت' ذریت اور اولاد کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے' نیز قرآن نے لوگوں کی تعلیم و تفہیم کے لئے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی طفولیت (بچپن) کا بھی ذکر کیا ہے' جیسے ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' اسحاق علیہ السلام' یوسف علیہ السلام' یحیٰ علیہ السلام' عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ طفولیت کو بیان کیا ہے' جس طرح قرآنِ حکیم نے بچوں سے محبت کا ذکر اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ انسانی

فطرت میں موجود ہے اسی طرح قرآنِ کریم نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ بچے زندگی کی نعمت' اس کی زنیت اور رونق ہیں' چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (الکہف:۴۶)

''یعنی مال واولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں''

قدیم زمانہ سے ہی لوگ مال واولاد کے بارے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا﴾ (سباء:۳۵)

''یعنی انہوں نے کہا کہ ہم مال واولاد کے اعتبار سے زیادہ ہیں''

لطیف اور شیریں اشارات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ رب العالمین' بنین (اولاد) کا ذکر کرتے ہیں اور ان کو ان مرغوب چیزوں میں سے شمار کرتے ہیں جن کی محبت لوگوں کو خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِیْنَ﴾ (ال عمران:۱۴)

''یعنی لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں ہیں' بیٹے ہیں''۔

بہت سے قرآنی ارشادات ہمیں بچوں سے محبت وانسیت کی رغبت دلاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی دیگر بہت سی نعمتوں میں سے جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہیں ایک نعمت یہ اطفال واولاد بھی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ﴾ (الاسراء:۶)

''یعنی ہم نے تمہاری مال واولاد سے مدد کی''

نیز ارشاد ہے:

﴿اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ﴾ (الشعراء:۱۳۳)

''یعنی اس نے تمہاری چوپایوں اور اولاد سے مدد کی''۔

نیز فرمایا:

﴿وَيُمۡدِدۡكُم بِاَمۡوَالٍ وَبَنِيۡنَ وَيَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ﴾ (نوح:۱۲)

''اور وہ تمہاری مال واولاد سے مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا''۔

یہ تمام ارشاداتِ ربانیہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ لوگوں کا بچوں سے محبت کرنا بالکل بجا ہے' نیز انہیں حق ہے کہ وہ اس پر فخر کریں اور خود کو قابلِ اعزاز اور قوت و کثرت کا حامل سمجھیں۔

علاوہ ازیں ہم ایک دوسرے پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں کہ اگر بچوں کی صحیح تربیت و پرورش نہ کی جائے تو وہی بچے کبھی اپنے خاندان کے لئے باعثِ عذاب اور وبالِ جان بھی بن جاتے ہیں' یا وہ سیدھے راستہ سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَآ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ﴾

(التغابن:۱۵)

''یعنی تمہارے مال واولاد آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے''

میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر ایک اہم مسئلہ جو بچوں کے ساتھ ماں باپ کی زندگی میں پیش آتا ہے اس کی طرف اشارہ کروں' اس کا مشاہدہ ہر وہ شخص جو بچوں کی صحیح تربیت کا خواہشمند ہو کر سکتا ہے' وہ یہ کہ بہت سے والدین کی اپنے بچوں سے محبت کبھی منفی صورت اختیار کر جاتی ہے' والدین بچوں کے بہت سے مطالبات اور خواہشات کے خلاف کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں' خواہ ان کے مطالبات اخلاق کے خلاف ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کی تربیت میں انتہائی لچک پیدا ہو جاتی ہے' بالآخر وہ بچہ والدین کے لئے وبالِ جان' شر کا سرچشمہ اور بے چینی کا سبب بن جاتا ہے' یہ درحقیقت والدین ہی کے اعمال کا ثمرہ و نتیجہ ہے' وہ بچہ اپنے ماں باپ کا دشمن ہو جاتا ہے' کیا ہمارے ربّ کریم نے یہی بات نہیں کہی۔ فرمایا:

﴿اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ﴾ (التغابن:۱۴)

''یعنی تمہاری بعض ازواج واولاد تمہاری دشمن ہے''۔

لھذا والدین کو چاہیئے کہ وہ بچوں سے ایسی محبت سے پرہیز واحتیاط کریں جو غلط جذبات ومیلانات سے مخلوط ہو' نیز انہیں چاہیئے کہ وہ بچوں کی بے جا تصرفات اور حرکات کے لئے اپنی پدری شفقت کی طغیانی سے پرہیز کریں' تا کہ وہ ندامت و پشیمانی کے انجامِ بد سے بچ سکیں اور شرمندگی کے وقت سے نجات مل سکے' قرآنِ کریم میں اولاد سے محبت کا ذکر اور اس کی ترغیب' منفی اور جذباتی محبت کی ممانعت سے زیادہ ہے' یہی وجہ ہے کہ ہمیں بہت سے ربانی اشارات ایسے ملتے ہیں جو وجدان ولطیف احساس سے بھرے ہوئے ہیں اور انسانی عقول کی رہنمائی کرتے ہیں' قرآنِ کریم نے اکثر سورتوں اور مختلف مقامات میں بچوں کی محبت کا جو ذکر کیا ہے اور جس کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں یہ وہی اشارات ہیں جو بار آور ابواب کے ثبوت اور حوصل کی طرف داعی ہیں۔

جیسے اللہ کے نبی زکریا علیہ السلام تھے' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی دُعا کی' اللہ کا قرب حاصل کیا' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ عمر رسیدہ ہو چکے ہیں بڑھاپے کی حد کو پہنچ گئے ہیں اور علاوہ ازیں ان کی زوجہ بھی بانجھ ہو چکی ہیں لیکن زکریا علیہ السلام دیکھ چکے تھے کہ مریم بنتِ عمران علیہا السلام انعامِ الٰہی اور لطفِ الٰہی سے نوازی گئیں تھیں' اس لئے انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا اور درخواست پیش کی' زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کی۔ عرض کیا:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَا﴾

(آل عمران:۳۸)

''یعنی پروردگار! مجھے اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما' بے شک تو دعاؤں کو سننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی' اور انہیں یحیٰ کی بشارت دی جو سردار' نیک کردار' پاکیزہ اور نبیوں میں سے ہوگا' اس دعا کا اصل محرک اور سبب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیھم السلام اور ان کی ازواج کو اولاد کی بہت رغبت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی

لطیف نعمتوں اور نوازشوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی ازواج کی حیات میں اولاد کو بہت سی بشارتوں کا سبب بنایا ہے' یہ صورت اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کے ساتھ پیش آئی کہ جنہیں فرشتوں نے آکر بچہ کی بشارت دی حالانکہ وہ خود بانجھ تھیں اور ان کے خاوند بہت زیادہ عمر رسیدہ اور بوڑھے ہو چکے تھے' وہ لڑکے اسحاق علیہ السلام تھے' جن کی آگے چل کر نسل اور اولاد ہوگی' چنانچہ ان کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام آتے ہیں جو زوجۂ ابراہیم کے پوتے بنتے ہیں' قرآنِ پاک میں بچہ کی بشارت انہی کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبَشَّرنَاهَا بِاِسحٰقَ وَمِن وَّرَاءِ اِسحٰقَ یَعقُوبَ﴾ (ھود:۷۱)

''یعنی ہم نے اس کو (ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ کو) اسحٰق کی خوشخبری سنائی' اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی''۔

معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا اشتیاق ان کو اپنے زوج ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ تھا اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اس سے پہلے حضرت ہاجرہ مصریہ علیہا السلام کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے' اسی لئے بشارت کی نسبت زوجۂ ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی تاکہ انہیں زیادہ خوشی حاصل ہو' قرآنِ حکیم میں اولاد کی محبت کا ذکر انفرادیت کے مفہوم سے تجاوز کر کے اجتماعی دعوت کی حد کو پہنچ گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار بندے اپنی دعاؤں اور نمازوں میں اس طرح گڑگڑاتے ہوئے عرض گزار رہتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا هَب لَنَا مِن اَزوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعیُنٍ وَّاجعَلنَا لِلمُتَّقِینَ اِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

''پروردگار! ہمیں ہماری ازواج و اولاد میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا''۔

مسلمان اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی ہر وقت دعا کرتے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی نفع کا ذریعہ بنیں' نیک اولاد اپنے والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی نفع رسانی کا ذریعہ ہیں۔

اللہ کی کتاب میں ایسے بہت سے واقعات و احوال مذکور ہیں جو اولاد کی محبت اور لوگوں کے حالات زندگی میں ان کے مقام وحیثیت کی طرف مشیر ہیں۔

❖❖❖

❖

﴿فصلِ سوم﴾

قرآنِ مجید میں بچوں کے حقوق کا ذکر:

ہماری حیات مسلسل کتاب اللہ کے ساتھ قائم ہے اور ہمارا سفر منزل کی طرف جاری ہے، ہم اپنے قیمتی لمحات قرآنِ کریم کے احکامات کے مطابق گزارتے ہیں جس سے ہمیں اولاد کے حقوق اور احوال کا پتہ چلتا ہے، جس کے بحرِ انوار سے ہم اقتباسات کا چلو بھرتے ہیں تاکہ اس سے روشنی حاصل کر کے اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور سعادت مند اور پسندیدہ لوگوں میں سے شمار ہو سکیں۔ قرآنِ عظیم میں بچوں کے حقوق سے متعلق پہلو کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جب وہ شکمِ مادر میں ہوتا ہے تو قرآن کسی کو حق نہیں دیتا کہ وہ اس کی زندگی کے ساتھ دست اندازی کرے اس لئے کہ اسے حیات صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں، اسی کے قبضۂ قدرت میں موت و حیات ہے مثلاً فقر و افلاس کے ڈر سے اس بچہ کو مار دینا ناجائز ہے، کیونکہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ﴾ (الذاریات:۵۸)

''یعنی بے شک اللہ ہی رزق دینے والا، زبردست قوت والا ہے''

زمانۂ جاہلیت کے لوگ فقر کے ڈر سے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے ان کو منع کر دیا، اور بتایا کہ میں خود ان کے رزق کا ضامن ہوں، اور یہ ممانعت جمع کے لفظ کے ساتھ بصیغۂ امر کی گئی یعنی یوں فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِیْرًا﴾ (الاسراء:۳۱)

''اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے''۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بچوں پر ان کے باپ سے زیادہ رحیم و مہربان ہے، اسی

نے بچوں اور ان کے ماں باپ کے رزق کا ذمہ اپنے اوپر لیا ہے' اور صاف بتا دیا کہ ان معصوموں کو قتل کرنا عظیم گناہ ہے' اس سے بڑا اور کونسا گناہ ہوگا کہ دلوں سے رحمت کا جذبہ ختم ہو جائے' کونسے دل؟ والدین کے دل' جو اپنے بچوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں' اور ایسی جان کے قتل کرنے کی جرأت کر رہے ہیں جو معصوم و بے گناہ ہے بلکہ جن کے پاس اپنے دفاع کا کوئی وسیلہ نہیں' کیونکہ وہ فطرتِ الٰہی کے مطابق ضعف و ناتوانی کے دور سے گزر رہا ہے' ساری دنیا کے لئے یہ ایک اعلان اور پیغام ہے کہ سب سے پہلے قرآن ہی نے اس کی حیات میں حقوقِ اولاد کا اعلان کیا ہے اور اس کے حقوق کی کما حقہ نگہداشت اور اس کا اہتمام کیا ہے' رزق اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے' اس زمین پر جو کچھ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے وہ انسانوں کو اپنے مقدّر کے مطابق ملتا ہے' تو پھر عناد و بغض کیسا؟ افلاس کے خوف سے اولاد کا قتل کیوں ہو؟ جب تک سارے امور اور ارزاق اس خالقِ ارض و سماوات کے قبضۂ اختیار میں ہیں جو کبیر و متعال (بہت بلند)' پہاڑوں کو مضبوطی سے جمانے والا اور ثقیل بادلوں کو پیدا کرنے والا ہے تو فکرات و آلام کی زحمت کیوں گوارا کی جائے؟ ایک عربی شاعر کہتا ہے!

مَن حطَّ ثِقْلَ حموله ❖ فِیْ بَاب مالکه استراحا

اِن السلامة کلها ❖ حصلت لمن القی السلاحا

''جو اپنے سارے بوجھ کو اپنے مالک کے در پر پھینک دے اسے راحت حاصل ہوتی ہے' کیونکہ ہر بلا سے سلامتی اسی کو ملتی ہے جو ہتھیار ڈال دے''۔

یقیناً اولاد و اطفال کے حقوق انتہائی زیرِ صیانت و حفاظت ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ عالی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ﴾ (الاسراء:۳۱)

بخیل مالدار لوگوں کو ہو اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے فوراً بعد یہ فرمان ہے:

﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾

''یعنی اس خوف سے کہ کہیں ہم فقیر نہ ہو جائیں''

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں یاد دلایا اور ان کے وھم کا ازالہ کیا کہ رازق ذات تو ہماری ہے جو ان کو پہلے بھی رزق فراہم کرتی تھی اور اب بھی فراہم کرے گی۔ نیز فقر و افلاس کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوءِ ظن (بدگمانی) بھی ہے اور رزق کے مسئلہ میں خیالِ بدبھی' خواہ اس کا سبب بیٹیوں کے متعلق غیرت وشرم ہو جیسے جاہلی لوگوں کا خیال تھا' نیز یہ نظامِ عالم کو خراب و برباد کرنے کی بھی کوشش ہے' پہلی بات حکمِ خداوندی کی تعظیم کے خلاف ہے اور دوسری بات مخلوقِ خداوندی پر شفقت کے خلاف ہے' دونوں باتیں مذموم ہیں' قابلِ فساد وافساد ہیں' اس سے بچوں کے حقوقِ زندگی پر زد لازم آتی ہے' جب ہم اس مبارک سفر پر مسلسل چلتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم بچوں کے حقوق کی حفاظت پر ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے' بہت سی آیاتِ قرآنیہ یتیم بچوں کے حقوق کی حفاظت وصیانت کی دعوت دیتی ہیں' اوّلاً ہم سورۃِ نساء کی شروع کی آیات پڑھتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ص وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ (النساء:۲)

''یتیموں کے مال ان ہی کو پہنچاتے رہو' اور تم اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو' اور ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر نہ کھاؤ' یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

قرآن نے مخلوق میں سب سے پہلے یتیموں کے حقوق کے متعلق ہدایات دیں' جو پدری شفقت سے محروم ہیں' اپنی ضروریات کو خود پورا نہیں کر سکتے' اسی لئے ربّ کریم ورحیم نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں ان کے اموال کے قریب بھی نہ جائیں اور جب وہ سنِ رشد کو پہنچ جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کر دیئے جائیں۔

لائقِ ذکر امر یہ ہے کہ ''یَتٰمٰی'' کا لفظ عموماً ان بچوں پر بولا جاتا ہے جو ابھی سنِ رشد (بلوغ و تمیز کا وقت) کو نہ پہنچے ہوں' لہٰذا جب وہ خود کو کسی کفیل و ذمہ دار سے مستغنی و بے نیاز سمجھیں تو پھر یتیم کا لفظ ان کے لئے نہیں بولا جائے گا' اور بچوں کے خاص احکامات ان کے لئے جاری نہیں ہوں گے۔ اسی سورت میں ہمیں یہ حکم بھی ملتا ہے کہ جب یتیم بچے سنِ تمیز کو پہنچ جائیں اور مالی تصرفات کی طاقت رکھیں تو ان کی امانت یعنی اموال جلدی سے جلدی انہیں دے دیئے جانے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا﴾ (النساء:٦)

''اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو' یہاں تک کہ جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں' پھر اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو' اور ان اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہوجائیں گے جلدی جلدی اڑا کر مت کھاڈالو''۔

ابتلاء کا معنی ہے' امتحان لینا اور آزمانا' اس کی صورت یہ ہے کہ جو یتیم بچہ سنِ تمیز کے قریب ہو اسے اس کے مال میں سے کچھ دیا جائے اس کے حال کے مناسب تصرف کا حق دیا جائے' اس سے پتہ چل جائے گا کہ وہ ہوشیار ہوگیا ہے یا نہیں' جب تک وہ مالی تصرفات ٹھیک طرح سے نہ کرسکتا ہو خواہ اس کی عمر بہت زیادہ ہوجائے اس کا مال اس کے حوالہ نہ کرے' اور اگر معاملہ اور تصرف سے اس کی دانشمندی اور ہوشیاری واضح ہوجائے اور بالغ ہوجائے تو پھر اس کا مال پورا کا پورا اس کے حوالہ کردینا چاہئے' یتیم جب نابالغ ہو تو بچپن کی حالت میں اس کا مال کھانا جائز نہیں ہے' جس وقت بچہ کے لئے ممکن نہیں ہوتا

کہ وہ اپنے کفالت کنندہ سے اپنا مال لے سکے' یہ امرِ واقعی ہے کہ بہت سے یتیم بچوں کے سر پرست اور کفالت کنندگان ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں خدا کا کچھ بھی خوف وڈر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے دلوں میں یتیم بچہ کے لئے محبت وشفقت کا جذبہ ہوتا ہے' بلکہ یتیم کی حالت کو اپنے لئے سنہری موقع غنیمت جانتے ہوئے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یتیم کی کمزور حالت کے پیشِ نظر اس مذموم وناجائز تصرف سے منع کیا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اولیاء (سر پرستوں) کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں فہمائش کی کہ اولیاء پر لازم ہے کہ یتیموں کے مال ان کے حوالہ کرنے سے پہلے ان کی آزمائش کرلیں تاکہ انہیں معلوم ہوسکے کہ یہ اپنے معاملات میں سمجھدار ہوگیا ہے یا نہیں۔

قرآنِ حکیم میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ اور ان کے ساتھ حسنِ معاملگی کا حکم تاکیدی طور پر دیا گیا ہے کہ ان کے اموال میں ہرگز زیادتی نہ ہونے پائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (الضحیٰ:۹)

''مطلب یہ ہے کہ یتیم کے ساتھ بُرا معاملہ وسلوک نہ کرو' تیرا سینہ
اس پر تنگ نہ ہو' اسے مت جھڑکو' بلکہ اس کا اکرام کرو اور جو میسر
ہوسکے اس کو دو' اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسے تو چاہتا ہے کہ
تیرے بعد تیری اولاد سے سلوک کیا جائے۔''

امام مجاہدؒ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یتیم کو حقیر نہ جان' اس لئے کہ تو بھی یتیم رہ چکا ہے' حضرت سفیانؒ فرماتے: یعنی یتیم کا مال ضائع کرکے اس پر ظلم نہ کر۔ مطلب یہ ہوا کہ یتیم کے لئے رحیم باپ کی طرح ہوجا۔

فرّاءؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیم کے مال پر غالب آکر اس کے حق کو اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے نہ اڑا' جس طرح اہلِ عرب کیا کرتے تھے کہ یتیموں کے مال غصب کرکے ان کے حقوق تلف کرتے تھے۔

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم رہتا ہو اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جاتا ہو' اور بدترین

مسلمان کا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو' پھر آپ ؐ نے اپنی انگشت کے اشارہ سے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں اس طرح ساتھ ہوں گے آنحضرت ﷺ اپنی دوانگلیوں سے اشارہ فرمارہے تھے''۔ (الفتوحات الربانیۃ: ۳۶۶/۸)

قرآنِ کریم نے یتیم بچہ کے جن اہم ترین حقوق کا اہتمام وخیال کیا ہے ان میں سے ایک اہم حق اس کی ضروریات کا انتظام وانصرام ہے' جس کا ذکر اس آیتِ مبارکہ میں ہے:

﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ☆ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ☆ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا﴾ (الفجر: ۱۷۔۱۹)

''ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی کچھ قدر نہیں کرتے ہو' اور دوسروں کو بھی مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے' اور تم میراث کا مال سارا سمیٹ کر کھا جاتے ہو''۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تو مالداری سے نوازا مگر یہ لوگ اس یتیم کا اکرام نہیں کرتے جو اپنے باپ سے محروم ہے' دوسروں کے نانِ جویں کا محتاج واحسان مند ہے' یہ مالدار لوگ بجائے اکرام کے ان کی تذلیل کرتے ہیں' اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان کے دلوں میں محبت نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اور انہیں نیک کام میں کوئی رغبت ودلچسپی نہیں ہے' مذید برآں یہ کہ وہ دوسروں کو بھی محتاج وضرورتمند فقراء ومساکین کو کھانا کھلا دینے کی ترغیب نہیں دیتے' اس کی وجہ صرف دنیا کی چیزوں کی شدید حرص اور دلوں میں ان کی شدید محبت ہے' یہ بات ایسے لوگوں کے لئے زیادہ مذمت وعیب کے قابل ہے جو یتیموں کی میراث کا مال سارا کا سارا سمیٹ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔

ایک اور شاندار قرآنی طرز ملاحظ فرمائیں جو یتیموں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں ہے' ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ (الماعون:۱۔۳)

''کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے' سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے' اور محتاج کو کھانا دینے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا''۔

اس آیتِ مبارکہ میں یتیم بچہ کے حقوق کا کس قدر عظیم اہتمام اور خیال رکھا گیا ہے' غور کریں اس سورت کا آغاز ہی استفہام اور تشویق (شوق دلانا) سے کیا گیا ہے:

﴿اَرَءَ یْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ﴾؟

پھر ہم غیر متوقع طور پر اس کا جواب ملاحظہ کرتے ہیں:

﴿فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ﴾

''یعنی جو شخص روزِ جزا کا منکر ہے وہی زور زور سے یتیم کو دھکے دیتا ہے' اس کو ذلیل کرتا ہے' اسے اذیت دیتا ہے' اس کو اس کا حق نہیں دیتا' اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش نہیں آتا ہے' اگر یہ روزِ جزا کو مانتا ہوتا تو یتیم کا یہ حال نہ کرتا اسے تنہا نہ چھوڑتا' اور دوسروں کو ضرور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت دلاتا''۔

ابوحیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''وَلَا یَحُضُّ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب وہ دوسروں کو بخل کی بناء پر کھلانے کی ترغیب نہیں دے گا تو وہ خود استطاعت کے وقت بطریقِ اولیٰ مسکین کو نہیں کھلائے گا' کیونکہ دوسروں کو نہیں دیتا تو خود اس کا یتیم کو اس کے حال پر چھوڑنا لازماً ہوگا۔ (البحر المحیط: ۸/۵۱۷)

امام رازیؒ نے اس موقع پر شاندار نکتہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طفل (بچہ) کا یہاں ذکر کیا ہے وہ ایک عظیم حق کا مالک ہے' رازیؒ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ یوں کیوں فرمایا:

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾

''دوسروں کو مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا''۔

اس طرح کیوں نہیں فرمایا:

﴿ولایطعم المسکین﴾

''اور وہ مسکین کو نہیں کھلاتا''

تو اس کا جواب یہ ہوا کہ جب وہ یتیم کو اس کا حق نہیں دیتا تو خود اپنے مال سے مسکین کو کیسے کھلائے گا؟ بلکہ وہ تو دوسروں کے مال میں بخیل ہے' یہ خساست کی انتہاء ہے اور یہ امر اس کے بخل کی انتہاء' اس کے قلب کی قساوت اور طبیعت کی خساست کی دلیل ہے۔

(التفسیر الکبیر:۳۱/۱۶۲)

قرآنِ کریم نے بچوں کے جن حقوق کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک حق بچوں کا دفاع' ان کو ظلم وستم سے بچانا اور ان کی امداد کا وجوب (ضروری ہونا) ہے۔

ارشادِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ (النساء:۷۵)

''اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں' اور کمزوروں کی خاطر جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں' اور کچھ بچے ہیں' جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال' جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں''۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو راہِ خداوندی میں جہاد کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں' اس لئے کہ کمزور لوگ جن میں کچھ مرد' کچھ عورتیں اور کچھ بچے ہیں جو ہر طرح سے بے بس اور بے وسیلہ وحیلہ ہیں' اپنے دشمنوں کی طرف سے

ظلم واستبداد کا شکار ہیں' اہلِ مکہ کے کفار کی ظلم وزیادتی مسلمانوں پر اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ نابالغ بچے بھی ان کی اذیت وظلم کا شکار ہوئے' اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان بچوں کے والدین کو بھی ذلیل کیا جائے' اس لئے کہ کمزور اور بے سہارا لوگ نزولِ رحمتِ خداوندی کے لئے اپنی دعاؤں میں اپنے معصوم بچوں کو بھی شریک کیا کرتے تھے' وہ بچے بھی ان کے ساتھ شریکِ دعا ہوا کرتے تھے' ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میں اور میری والدہ بھی ان کمزور عورتوں اور بچوں میں سے ایک تھیں''۔

❖ ❖ ❖

❖

﴿فصلِ چہارم﴾

قرآنِ کریم کا بچوں کے تحفظ کے لئے اہتمام:

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ قرآنِ کریم نے بچوں کا کامل اہتمام کیا ہے۔ تحفظِ اطفال کے سلسلہ میں ہر بات ذکر کی ہے یا اس کی طرف اشارہ کیا ہے‘ اور تربیت کرنے والوں کی بھی خوب رہنمائی کی ہے‘ قرآن نے تو ولادت سے پہلے ہی اس کے تحفظ وحفاظت کا اہتمام وانتظام کیا ہے‘ جب تک وہ بچہ شکمِ مادر میں ہوتا ہے اس کا مسلسل تحفظ کیا گیا اور پیدائش کے بعد اس کے تحفظ کے اہتمام میں تقویت واستحکام آجاتا ہے‘ اس لئے کہ ولادت کے بعد قرآن نے اس کے لئے واضح اور سیدھا راستہ مقرر کیا ہے جو اس بچہ کے لئے کامیاب اور بامراد زندگی کا ضامن ہے‘ خصوصاً جب اس کے ماں باپ اور تربیت کرنے والے لوگ قرآن کے واضح اور درست راستہ پر چلنے کی کوشش کریں۔

☆ بچوں کے تحفظ کے سلسلہ میں ایک اہتمام قرآن نے یہ کیا کہ اس کے حقِ نسب کے خیال رکھنے کا حکم دیا تاکہ وہ طفل اپنے خاندان میں ذی شان اور ذی وقار بن سکے اور معاشرہ میں بے حیثیت اور بے قیمت ہوکر نہ رہ جائے‘ اور اس کو حقِ میراث سے محروم اور نظر انداز نہ کردیا جائے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے اس اہم ترین پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہوئے اس کی محافظت کا حکم دے دیا‘ اور پوری امتِ مسلمہ کو ان الفاظ میں مامور ومخاطب کیا‘ فرمایا:

﴿اُدْعُوْا لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۚ ......﴾ (الاحزاب:۵)

’’تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو‘ یہ اللہ کے نزدیک

بہت انصاف کی بات ہے' اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ جن کو تم نے متبنّٰی بنا رکھا ہے اور ان کے نسب کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے ان کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرو' یہ امر حکمِ الٰہی اور شریعتِ مطہرہ کے اعتبار سے بہت انصاف والا اور غیر کی طرف بیٹے کو منسوب کرنے سے زیادہ درستگی والا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے واقعۃً بچوں کے حقوق کا بہت اہتمام کیا ہے' اس لئے کہ اسلام میں کسی کے بیٹے کو متبنّٰی (لے پالک) بنانا حرام ہے' کیونکہ یہ بات حقیقت کے متصادم اور مخالف ہے' اور یہ بات عدل و انصاف کے بھی خلاف ہے' لہٰذا یہی زیادہ اولیٰ اور قرینِ انصاف ہوا کہ اسے نسبی اور حقیقی طور پر اپنے ہی باپ کی طرف منسوب کیا جائے' اور یہ حرام ہے کہ کوئی انسان دیدہ دانستہ خود کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے' جس طرح زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا' اسی ضابطہ اور اصول کی بناء پر یہ امر ناجائز ہے' کہ کسی شخص کا انتساب کسی اور کی طرف کیا جائے' جبکہ وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے' بلکہ یہ چیز کبیرہ گناہوں میں سے ہے' جیسے زمانۂ جاہلیت میں یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ بسا اوقات کوئی شخص خود کو اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کر کے کہتا تھا کہ یہ میرا باپ ہے یا یہ میرا قبیلہ خاندان ہے۔

قرآنِ پاک کے علاوہ یہ سنتِ نبویؐ سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے' حضور نبی کریم ﷺ نے بھی بڑی سختی کے ساتھ بچے کے نسب کو کھیل تماشہ سمجھنے پر وعید و تنبیہ فرمائی ہے' جو شخص اپنے حقیقی نسب کو بدلتا ہے یا اپنے حقیقی باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا باپ یا اپنے قبیلہ خاندان کو چھوڑ کر کسی دوسرے قبیلہ خاندان کو اپنا قبیلہ وغیرہ کہتا ہے اس کے لئے احادیث نبویؐ میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے گا اور وہ جانتا ہو کہ وہ دوسرا اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے'' (صحیحین)

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جعلی اور من گھڑت نسب کو کفر قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ ''اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو، جو اپنے (حقیقی) باپ سے اعراض کرے گا تو وہ کفر ہے''۔ (بخاری: ۸/۱۷۰)

نیز رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے یا اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف آقا ہونے کی نسبت کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ نہ اس کی نفلی عبادت قبول کریں گے اور نہ ہی فرضی''۔ (صحیحین) معلوم ہوا کہ بچہ کا اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہونا اُسے ضیاع، گمراہی اور آوارگی سے محفوظ رکھتا ہے، اور باپ کے بغیر بچہ کا وجود اس بچہ کے لئے بہت سی معاشرتی اذیتوں کا سبب ہے۔

بسا اوقات یہ چیز ہمہ گیر فتنہ وفساد کا ذریعہ بن جاتی ہے، جیسا کہ یہ امر کبھی اس کے لئے ولدِ زنا کی تہمت والزام کا سبب بن جایا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآنِ حکیم نے بچہ کے حقِ رضاعت کا بھی بہت اہتمام وخیال کیا ہے، جیسا کہ اس آیتِ قرآنی میں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں، یہ مدّت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے''۔

☆ یقیناً بچہ اپنی پیدائش کے بعد اور ابتدائے حیات میں اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ از خود ایسی غذا استعمال کر سکے جو اس کی زندگی کی حفاظت اور نشوونما کے لئے ضروری ہے، اس لئے اس کے لئے یہی ممکن ہوتا ہے کہ وہ رضاعت کا طریق اختیار کرے یعنی ماں یا کوئی دودھ پلانے والی اسے دودھ پلائے، اس طفل (بچہ) پر اللہ تعالیٰ کی یہ ایک بڑی رحمت و

نعمت ہے اور رحمانی انعامات میں سے ہے کہ جب عورت بچہ جنتی ہے تو اللہ تعالیٰ نومولود کی غذائیت کے لئے اس کی چھاتی میں وافر مقدار میں دودھ جاری کر دیتا ہے مزید یہ کہ ماں کے دل میں بچہ کی ایسی مامتا' محبت اور شفقت پیدا کر دیتے ہیں جو اسے شیر خوارگی پر آمادہ اور ابھارتی رہتی ہے' اور اسے بے چین اور پریشان نہیں ہونے دیتی' اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے عورت پر بچہ کو دودھ پلانا لازم قرار دیا ہے' صرف عورت کی محبت وعاطفت پر اسے نہیں چھوڑا' کیونکہ ممکن ہے کہ زوجیت کا اختلاف معصوم اور چھوٹے بچہ کے لئے ضرر و نقصان کا باعث بن جائے' اسی لئے اللہ عزّ وجلّ نے ماں پر فرض قرار دیا کہ وہ کامل دو سال اپنے بچہ کو دود پلائے' اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ دو سال کی مدت بچہ کے لئے جسمانی اور ذہنی ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

دورِ حاضر کے ماہر اطباء نے اپنی طبی ابحاث وتحقیقات میں یہ امر ثابت کیا ہے کہ دو سال کی مدت بچہ کی جسمانی اور ذہنی نشو نما کے اعتبار سے ایک ضروری اور لازمی مدت ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی بندوں پر نعمت و رحمت دیکھئے کہ اس کی رحمت ان کے تجربات و تحقیقات کی منتظر نہیں' کیونکہ رحمتِ الٰہی لوگوں کے تجربات سے وسیع تر ہے' خصوصاً ان کمزور اور چھوٹے بچوں کے لئے رحمتِ ربانیہ کا معاملہ بہت زیادہ ہے جو اپنی نشو نما کے لئے کسی حیلہ اور وسیلہ کا اختیار نہیں رکھتے' اور جو شفقت و مہربانی کے سب سے زیادہ حاجتمند ہوتے ہیں۔

☆ قرآنِ کریم کا دامنِ نعمت وعنایت بچہ کے لئے اس سے بھی وسیع تر ہے' وہ اس طرح کہ ماہِ رمضان میں دودھ پلانے والی عورت کو افطارِ صوم کا حق عطا کیا گیا ہے' مرضعہ پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ غذا کھائے تا کہ دودھ جاری ہو' اور اس سے بچہ کی حفاظت اور اس کی نشو ونما ممکن ہو سکے' اسی اصول کی روشنی میں فقہاءِ کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ماں پر دودھ پلانا قضاءً اور دیانۃً واجب ہے' دیانۃً واجب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ عورت معقول عذر کے بغیر بچہ کو دودھ نہیں پلائے گی تو وہ فیما بینه و بین اللّٰه گنہگار ہوگی' اور بوقتِ ضرورت ماں کو دودھ پلانے پر قضاءً مجبور کیا جائے گا' مثلاً وہ بچہ اس کے سوا کسی اور

کا دودھ قبول نہیں کرتا' یا اس کے سوا اور کوئی مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) نہ ہو' یا باپ اور والد تنگدست ہوں' دودھ پلانے والی کی اجرت دینے کی سکت نہ رکھتے ہوں' تو ان حالات میں ماں کو قضاءً دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا' اس لئے کہ اگر اسے مجبور نہ کیا گیا تو بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہوسکتا ہے' لہذا اگر وہ ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (البقرۃ:۲۳۳)

''مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلایا کریں''۔

اگرچہ آیتِ ھذا بصیغۂ خبر ہے لیکن اس سے مقصود امر و حکم ہے' یعنی دودھ پلائیں۔

☆ جب اللہ تعالیٰ نے ماں پر بچہ کو دودھ پلانا لازم و واجب قرار دیا تو اس کے مقابلہ میں اس بچہ کے والد کے ذمہ بھی اس بچہ کی ماں کا حق مقرر کردیا' اور وہ حق یہ ہے کہ بچہ کا والد اس بچہ کی ماں کو قاعدہ کے مطابق کھانا دے اور کپڑا دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾
(البقرۃ:۲۳۳)

''جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے (ماؤں کا) کھانا اور کپڑا''۔

☆ معلوم ہوا کہ ماں اور باپ دونوں کے دونوں اس شیرخوار بچہ کے بارے میں مسئول اور ذمہ دار ہیں' ہر ایک اپنی مقدور بھر کوشش کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرے' تاکہ اس شیرخوار بچہ کی تمام ضروریات کا اہتمام' خیال اور محافظت ہوسکے۔

☆ نیز قرآنِ حکیم نے اس کے علاوہ بچوں کے نام کا بھی خاص اہتمام کیا اور اسے بچہ کے جملہ حقوق میں سے قرار دیا' اس لئے کہ نام شے کی علامت ہوتا ہے' اس لئے اسلام نے بچہ کے لئے اچھے نام کو اختیار کرنے کا کہا ہے' اور والدین کو ترغیب دی کہ وہ بچوں کا پسندیدہ اور بامعنی قسم کا نام رکھیں' یا بچہ کے لئے اسی عمدہ صفت کا انتخاب کریں جس سے

دل فرحت محسوس کرے اور طبیعت مطمئن ہو یا وہ نام وصفت نیک فال اور نیک امید یا شجاعت و بہادری اور نشاط و ہمت پر دلالت کرتے ہوں۔ قرآنِ کریم نے حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کے قصہ میں اسی پہلو کو بیان کیا ہے فرمان ربّ العالمین ہے:

﴿یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسۡمُہٗ یَحۡیٰی لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا﴾ (مریم:۷)

''اے زکریا! ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا کہ اس سے پہلے ہم نے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا''۔

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ بچہ کا نام خوبصورت عمدہ اور قابلِ عزت تجویز اور منتخب کرنا چاہئے نیز اس نام سے پہلے کوئی موسوم نہ ہوا ہو اسی لئے والدین کے ذمہ ہے کہ وہ بچہ کی پیدائش کے بعد اس کا نام تجویز کریں اور منتخب کریں انہیں اپنے بچہ کے نام کی تحدید و تعیین کے لئے ایک وقت بھی دیا گیا یعنی پیدائش کے ساتویں دن تک انہیں موقع دیا گیا کہ اس عرصہ کے اندر بچہ کا نام متعین کرلیں شریعتِ مطہرہ میں اس کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لڑکے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے نام رکھا جائے اور سر سے بال دور کئے جائیں''۔ (تحفۃ المودود:ص۶۰)

عمرو بن شعیب اپنے جدِ امجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز اس کے نام رکھنے عقیقہ کرنے اور سر کے بال دور کرنے کا حکم دیا''۔ (تحفۃ المودود:ص۶۰)

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ میں بچہ کے تمام اہم امور کا بہت اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں تاکہ وہ بچہ اپنے دین اور اپنے معاشرہ کے لئے مفید اور باکردار بن سکے اسی لئے شریعتِ مطہّرہ نے بچہ کا اچھا نام منتخب کرنے کا حکم دیا ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''قیامت کے روز تمہیں تمہارے ناموں اور تمہارے آباء کے ناموں سے پکارا جائے گا لہذا تم اچھے نام رکھو''۔ (تحفۃ المودود:ص۶۰)

حضورِ اکرم ﷺ نے مستحسن اور شیریں اسماء بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
''انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو''۔ (سنن ابی داؤد:۴/۲۹۴)

نیز فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں' اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں''۔ (مشکوٰۃ:۴/۵۷۰)

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''تمہارے ناموں میں مجھے عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام سب سے زیادہ محبوب ہیں''۔
(مشکوٰۃ المصابیح:۲/۵۶۵)

جہاں شریعتِ مطہرہ نے بچہ کے نام رکھنے کا اہتمام کیا اور ماں باپ کو ناموں کے سلسلہ میں حسنِ انتخاب کی ترغیب دی ہے وہاں ایسے نام رکھنے سے منع بھی کیا ہے جو نہجِ سلیم کے مطابق نہ ہوں' چنانچہ شریعتِ مکرمہ نے ہر ایسا نام تجویز کرنے سے منع کر دیا جس میں غیر اللہ کی عبادت کی بو آتی ہو' جیسے عبدالکعبہ' عبدالنبی' عبدالحسن' عبدالحسین اور عبدالحجر وغیرہ۔

مروی ہے کہ ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا' آپؐ نے کسی سے سنا کہ یہ لوگ عبدالحجر نام رکھتے ہیں' حضورِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ کا کیا نام ہے؟ تو اس نے کہا ''عبدالحجر'' آپ ﷺ نے فرمایا تم صرف عبداللہ ہو''۔ نیز دینِ اسلام میں ایسے تمام ناپسندیدہ نام بھی ممنوع ہیں جو ایسے معانی پر دلالت کرتے ہوں جن سے طبیعتیں نفرت کرتی ہوں اور دل ناگواری محسوس کریں' جیسے مُرّہ (تلخ چیز) کَلب (کتا) حَیّہ (سانپ) حَرب (جنگ) وغیرہ۔ حضرت یعیش الغفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اونٹنی یا بکری منگوائی اور فرمایا: ''کون اس کا دودھ دوھے گا''؟ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: میں دھوؤں گا' آپ ﷺ نے پوچھا: ''تیرا نام کیا ہے''؟ اس نے بتایا: ''مُرّہ'' آپ ﷺ نے فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' پھر ایک اور آدمی اٹھا' آپ ﷺ نے پوچھا: ''تیرا کیا نام ہے''؟ اس نے کہا: ''جَمرہ'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ''۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا' حضور ﷺ نے پوچھا: ''تمہارا کیا نام ہے'' وہ کہنے لگا''

یَعیش‘‘ (زندہ رہنے والا) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں تم اس کا دودھ نکالو‘‘۔
(تحفۃ المودود: ص ۷۰)

رسول اللہ ﷺ سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خلافِ شریعت یا قبیح نام تبدیل کر کے اس کی جگہ باعظمت قسم کا نام رکھا ہے' مثلاً عاصیہ (نافرمان) نام بدل کر جمیلہ رکھا۔ (رواہ مسلم والترمذی وابوداؤد عن ابن عمر)

اسی طرح جویریہ کا نام پہلے برّہ تھا سے بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ (مسلم وابوداؤد)

حضرت زینب بنتِ امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ’’اپنے آپ کو پاک صاف نہ کہو' یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیک و صالح ہے‘‘۔ (ابوداؤد)

شریعتِ مکرمہ نے اچھے نام رکھنے کا جو حکم دیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر نام اچھا نہ ہوگا تو بچہ کو اپنے نام سے ناگواری اور نفرت ہوگی' لوگ بھی اس سے ناگواری محسوس کریں گے' نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے معاشرہ اور ماحول میں اس کی کراہت محسوس کی جائے گی' اور ممکن ہے کہ وہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

امام ابنِ قیم الجوزیہؒ اچھے نام رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
’’چونکہ اسماء' معانی کے لئے قالب (سانچہ) کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں اس لئے حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ ان کے مابین ربط و مناسبت ہو' وہ معنی محض اجنبی (نامانوس) اور بے جوڑ قسم کا نہ ہو' کیونکہ حکیم کی حکمت اس سے انکاری ہے' اور امرِ واقع اس کے خلاف پر شاہد ہے' کیونکہ اسماء کی مسمّیات (ذات) میں تاثیر ہے نیز حسن و قبح' خفّت و ثقل اور لطافت و کثافت جیسے امور میں مسمّیات کا اسماء کے متعلق تاثر ہوتا ہے۔
ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں: غور کیجئے! نبی کریم ﷺ کے اوصاف میں سے دو ایسے اسم مشتق کئے گئے جو اپنے معنی کے عین مطابق ہوں' اور وہ دو اسم ہیں: احمد اور محمد' اب چونکہ آپ ﷺ کے اندر صفاتِ محمودہ کی کثرت ہے اس لئے ’’محمد‘‘ کے نام سے موسوم ہیں' اور دوسروں کی صفات پر اسے شرف و فضل حاصل ہے اس لئے آپؐ ’’احمد‘‘ بھی ہیں' اسم کا

مسمّٰی کے ساتھ روح وجسم والا ربط وتعلق ہے۔ (زاد المعاد: ۲/۱۷)

☆ علاوہ ازیں بچوں کے لئے جن امور کا اہتمام کیا گیا ہے ان میں سے ایک عقیقہ بھی ہے، یعنی بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن جانور ذبح کیا جاتا ہے اور بچہ کے سر کے بال مونڈے جاتے ہیں، شریعتِ مطہرہ آمدِ طفل کی خوشی و شادمانی کے اظہار کے لئے مال صرف کرنے کی دعوت وترغیب دیتی ہے، یعنی مال فدا کرنے کا حکم دیتی ہے، چنانچہ لڑکی ہوتو ایک بکری اور لڑکا ہوتو دو بکریوں کی حد مقرر کی ہے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ بنتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑکے کی طرف سے دو برابر قسم کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے''۔ چونکہ عقیقہ کی بہت بڑی اہمیت ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسوں، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا بھی عقیقہ فرمایا۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتویں روز حسن و حسین کا عقیقہ کیا، ان کے نام رکھے اور ان دونوں کے سر سے بال دور کرنے کا حکم دیا۔

(المجموع شرح المہذب: ۸/۳۴۳)

☆ قرآنِ کریم اور شریعتِ اسلامیہ میں بچوں کے لئے جن امور کا اہتمام کیا گیا ہے ان میں سے ایک اہم امر طفل کی نظافت وطہارت ہے، یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ نظافت روحِ حیات ہے، نیز یہ کہ بچہ نظافت کے اہتمام کی وجہ سے زندگی کی روح اور اس کا حسن و جمال محسوس کرتا ہے۔

بچہ کی نظافت سے متعلق امور میں سے اس کے ختنہ، سر مونڈنا اور اس کے جسم و بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں مقدور بھر کوشش کرنا ہے، حدیثِ مبارک میں بھی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ﴾ (ترمذی عارضۃ الاحوذی: ۱۰/۲۴۰)

''اللہ تعالیٰ نظیف ہیں، نظافت کو پسند کرتے ہیں''۔

نیز ختنہ کرانا بھی ان محاسنِ شریعت مین سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا ہے، ختنہ کا یہ فعل اصل میں اس فطرت کی تکمیل کے لئے ہے جس پر اللہ نے لوگوں

کو پیدا کیا ہے' بلکہ ختنہ کرانا خود فطرت کے کاموں میں سے ایک ہے' حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فطرت کے کام پانچ ہیں' ختنہ کرانا' زیرِ ناف بال صاف کرنا' بغلوں کے بال اکھاڑنا' مونچھیں تراشنا اور ناخن تراشنا''۔
(فتح الباری:۱۱/۸۸)

نبی کریم ﷺ نے ختنہ کو ان فطری چیزوں کی بنیاد قرار دیا جن پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے' مذکورہ قول ان مفسرین کی تاویل کے مطابق ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان:
﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (البقرۃ:۱۳۸) میں ''صبغہ'' سے ختنہ مراد لیتے ہیں۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں: ''نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ساتویں روز عیسائی لوگ اس بچہ کو پانی میں غوطہ دیتے اور رنگتے تھے' اس پانی کو معمودی کہا جاتا تھا' مقصد یہ ہوتا کہ اس سے بچہ کو پاکیزگی حاصل ہوگی' اور کہتے کہ یہ ختنہ کے بدلہ میں پاکیزگی کا طریقہ ہے' اب یہ بچہ پکا نصرانی ہوگیا' اس پر اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ) آیت نازل فرمائی''۔ (تفسیر القرطبی:۲/۱۴۴' الکشاف:۱/۲۴۱' اسباب النزول للواحدی:ص۲۲)

ختنہ کے اور بھی عظیم فوائد ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں' اور جدید طبی کتب میں بھی ان کی طرف اشارے موجود ہیں''۔

﴿بابِ ثانی﴾

(قرآنِ کریم میں بچوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام)

فصلِ اوّل: قرآنِ مجید میں کلمہ "طفل" کے معانی

فصلِ دوم: زمانۂ طفولیت سے سنِّ بلوغ تک

فصلِ سوم: قرآنِ حکیم میں بچہ کے لئے چند تادیبی صورتیں

فصلِ چہارم: بچہ اور انبیاء علیہم السلام کی دُعا

﴿فصلِ اوّل﴾

قرآنِ مجید میں کلمہ ''طفل'' کے معانی:

قرآنِ پاک میں ''طفل'' کا کلمہ اور اس کے اشتقاق مندرجہ ذیل صورتوں میں چار مرتبہ آئے ہیں:

(۱) اَلطِّفل (۲'۳)۔ طِفلاً (دو مرتبہ) (۴) اَلاطفَال

قرآنِ کریم کی تین سورتوں میں یہ کلمہ (طفل) اور اس کے اشتقاقات آئے ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ کریم نے مسئلۂ طفل پر کوئی توجہ نہیں دی' حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں بہت سی آیات بچوں کی طرف مشیر ہیں' لیکن مختلف الفاظ کے ساتھ' مثلاً فتی' فتیة' صَبِی' غلام' ولد' اولاد' صغیر' بُنَیّ وغیرہ۔

ہر کلمہ اور ہر لفظ کا قرآنِ کریم میں ورود کے اعتبار سے ایک مدلول ہے۔

☆ (۱) سورۃ النور میں ''اَلطِّفل'' کا لفظ ملتا ہے' فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡهَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۪﴾
(النور:۳۱)

''یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں''۔

یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو ابھی سنّ تمیز کو نہیں پہنچے ہیں' ایسے بچوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اجنبی عورتوں کو دیکھ لیں' اللہ تعالیٰ نے اس کی علّت یہ بیان فرمائی کہ وہ ابھی عورتوں کی باتوں سے واقف نہیں ہیں' اور نہ ان میں ابھی تک شہوت موجود ہے' اس سے پتہ چلا کہ جو طفل سنِ تمیز و عقل کو پہنچ چکا ہو اس سے عورت کو پردہ کرنا ہوگا' کیونکہ وہ عورت کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔

تفسیر بیضاوی میں: ﴿لَمۡ یَظۡهَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ﴾ کی آیت کے تحت لکھا ہے کہ وہ بچے عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے اس لئے واقف نہیں کہ وہ ابھی تک سنِ تمیز کو نہیں

پہنچے یا اس لئے کہ وہ ابھی حدِ شہوت کو نہیں پہنچے' پہلی صورت میں ''ظہور'' سے مراد اطلاع اور دوسری صورت میں ''ظہور'' بمعنی غلبہ ہے۔ کتاب ''الروضۃ'' میں ہے کہ امام نے صبی (بچہ) کے تین درجات بنائے ہیں:

اوّل: یہ کہ بچہ جو امر دیکھے اس کی حکایت آگے نہ کر سکے۔

دوم: وہ دیکھے ہوئے امر کو آگے نقل کر سکتا ہو' لیکن اس میں شہوت کا جذبہ نہ ہو۔

سوئم: بچہ اس درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ دیکھی ہوئی بات آگے بیان کر سکتا ہو اور اس کے اندر شہوت کا جذبہ بھی موجود ہو۔

پہلی صورت میں بچہ کا دیکھنا اور نہ دیکھنا برابر ہے' یعنی اس نابالغ بچہ کے لئے اجنبی عورت کا دیکھنا جائز ہے۔ دوسری صورت میں وہ بچہ محرم کی طرح ہے اور تیسری صورت میں بچہ بالغ کی طرح ہے' یاد رکھیئے کہ نابالغ بچہ مکلّف نہیں' لیکن جب ہم اسے بالغ کی طرح قرار دے دیں گے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ عورت کے لئے لازم ہے کہ اس سے حجاب (پردہ) کرے' بلکہ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجنون اور دیوانہ سے بھی پردہ کرے۔

حافظ ابن کثیرؒ اسی آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں: ''بچے کم عمری کی وجہ سے عورتوں کے احوال اور عورات (پوشیدہ امور) کو نہیں سمجھتے' یعنی عورتوں کی نرم گفتگو' چلنے میں اترانا اور ان کی حرکات وسکنات سے ناواقف ہوتے ہیں' جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو وہ ان باتوں کو نہیں جانتا' اس لئے ایسے بچہ کا عورتوں کے پاس آنا جائز ہے' کوئی حرج نہیں' لیکن اگر بچہ ایسا قریب البلوغ ہو کہ ان مذکورہ احوال سے واقف ہو' خوبصورت اور بدصورت عورت میں فرق کر سکتا ہو تو ایسے لڑکے کو عورتوں کے پاس آنے کا موقع نہیں دیا جائے گا'' (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۵۶)

☆ (۲) ''الاطفال'' کا لفظ بھی سورۃ النور میں آیا ہے' فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا﴾ (سورۃ النور: ۵۹)

''اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے حدِّ بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اجازت لینا چاہیئے''۔

اس آیتِ کریمہ میں بچوں کے لئے طلبِ اجازت کے متعلق علم وادب اور ان شرعی آداب کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے جن سے معاشرہ سعادت منداور خوش حال بنتا ہے اس لئے کہ بچوں کو دوسرے مردوں کی طرح طلب اجازت جیسے بلند آداب کی تعلیم دینا اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن نے شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم کا بہت اہتمام کیا ہے۔

بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ طلبِ اجازت کے حکم میں اس کا مکرر ذکر مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے۔

☆ (۳، ۴) طِفلًا کا لفظ دو جگہ آیا ہے: اوّل: اللہ جل شانہ کا فرمان عالی ہے:

﴿ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ (الحج:۵)

''اور ہم رحم میں جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک مدتِ معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں''۔

دوم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ﴾ (غافر:۶۷)

''وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ کر کے (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے۔

ان آیاتِ کریمات کو مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: اللہ تعالیٰ رحمِ مادر میں جس حمل کو ایک مدّتِ معین تک باقی رکھنا چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں، مدّتِ معین سے مراد مدّتِ حمل ہے، پھر وہ ذات اس حمل کو ماں کے پیٹ سے بچہ کی صورت میں باہر لاتی ہے، ایسے وقت میں وہ بچہ بالکل لاعلم، عاجز اور بے بس ہوتا ہے، وہ ذاتِ عالی اس بچہ کی خدمت پر اس کی ماں کو لگا دیتی ہے، ماں کی چھاتیوں میں بچہ کا رزق جاری کر دیتی ہے، حتیٰ کہ وہ بچہ مرحلہ وار آگے بڑھتا ہے، آغاز اس کا نطفہ سے ہوا، خونِ بستہ بنا، پھر لوتھڑا، پھر بقیہ ادوار اس پر گزرے، حتیٰ کہ پھر وہ باحیات ہو کر صاحبِ قوت اور کامل العقل بنا۔

☆ قرآنِ عظیم نے ان آداب کا ذکر اس لئے کیا تا کہ حکمِ خداوندی کی بجا آوری کی خاطر والدین ان کو اپنے بچوں کے دلوں میں راسخ اور ذہنوں میں اتار دیں اور جمادیں' معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے تربیتِ اطفال کا عظیم اہتمام کیا ہے' معاشرتی زندگی میں بچوں کی مظبوط بنیادوں پر اعلیٰ اخلاقی تربیت کا عظیم اہتمام کیا گیا ہے' ان میں سے ایک ''طلبِ اجازت کے آداب'' ہیں۔

☆ قرآنِ کریم نے ہر موقع پر بچہ کی پاک اور صاف طرز پر تربیت کے اہتمام کا ذکر کیا ہے' تا کہ وہ بچہ جب عاقل و بالغ اور جوان ہو تو کریم الاخلاق اور نیک سیرت ہو' اسلامی شریعت میں طلبِ اجازت کا تعلق اعلیٰ آداب سے ہے' کیونکہ یہ کردار اور سلیقہ کا نام ہے' ہمیں چاہیئے کہ ہم بچوں کے دلوں میں یہ آداب ڈال دیں اور ان کو اس بات کی تعلیم دیں کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں' دیوار کے سوراخ یا دروازہ یا کھڑکی سے کسی کے گھر کے اندر نہ جھانکیں' نیز انہیں اس بات کی تعلیم دیں کہ دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوں تا کہ گھر کے اندر کسی فرد پر اس کی نظر نہ پڑے' بلکہ ایک طرف کھڑا ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کریں' اور ان کی اجازت طلب کرنے کا طریقہ بھی مؤدبانہ ہو' دروازہ کو مسلسل زور زور سے نہ کھٹکھٹائے' کہیں اس سے گھر کا کوئی فرد گھبرا نہ جائے' نیز طلبِ اجازت میں اصرار نہ کرے' تین مرتبہ اجازت لے' اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک' ورنہ واپس لوٹ جائے۔

نیز یہ امر بھی واجب اور ضروری ہے کہ ہم بچوں کو اس بات کی تعلم دیں کہ وہ اجازت لیتے وقت اپنا نام ذکر کریں تا کہ صاحبِ خانہ اسے پہچان سکے' میں میں کہہ کر تعارف نہ کرائے' جب اندر آنے کی اجازت مل جائے تو نہایت ادب سے داخل ہو اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔

☆ اسی طرح ہمیں چاہیئے کہ ہم ان بچوں کی قرآنی آیات کی روشنی میں بلند اخلاق و آداب کے مطابق تربیت کریں جن آیات کی محرابوں میں تلاوت کی جاتی ہے جو طلبِ اجازت کے آداب اور دیگر آدابِ زندگی کی یاد دلاتی ہیں۔

میں چاہوں گا کہ اس موقع پر ایک اور ادب کی طرف اشارہ کروں جواب زندگی کی ضرورت بن گیا ہے اور وہ ہے ''ٹیلیفون پر گفتگو کے آداب'' یہ ٹیلیفون فی زمانہ رابطہ اور طلبِ اجازت کا ایک وسیلہ اور ذریعہ بن گیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم بچوں کو اس کے متعلق آداب کی تعلیم دیں کہ جن اوقات میں ٹیلیفون کال مناسب اور بہتر ہو صرف انہی اوقات میں بچے کال کریں، اور جن اوقات میں ٹیلیفون کرنے سے دوسرے کو کسی قسم کا حرج لازم آتا ہو ان میں ٹیلیفون کرنے سے ان کو منع کریں جیسے رات کو سونے کے وقت یا دوپہر کو قیلولہ (آرام) کرنے کے وقت یا نماز فجر سے پہلے کا وقت، جس طرح ہماری ذمہ داری ہے کہ بچوں کو ٹیلیفون پر گفتگو کے آداب سکھائیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم انہیں تعلیم دیں کہ وہ ٹیلیفون پر گفتگو مختصر کریں، لمبی باتیں نہ کریں، گفتگو کے دوران ان کے منہ میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہو، نیز ان کو یہ بھی سکھائیں کہ وہ ٹیلیفون پر بے مقصد اور لایعنی باتیں نہ کریں، جب دوسرے سے ٹیلیفون پر رابطہ ہو تو پہلے سلام کرے اور اپنا نام بتائے اور اپنی ضرورت بتائے وغیرہ، اگر ان آداب کا ہم نے خیال نہ رکھا اور ان سے غفلت برتی تو یہ ٹیلیفون جو کارآمد اور مفید چیز تھی نقصان اور پریشانی کا ذریعہ بن جائے گی اور وبالِ جان اور مصیبت کا وسیلہ بن جائے گی۔ کامیاب اور سعادتمند شخص وہی ہے جو بچوں کو قرآنی آداب کی تعلیم دینے میں بھرپور محنت و کوشش کرتا رہے اور ان بچوں کو گفتگو کے آداب اور طلبِ اجازت کے آداب کی ترغیب و دعوت دیتا رہے تاکہ عمدہ اور اچھے اخلاق ان میں فروغ پائیں اور وہ حسنِ اخلاق کے مالک اور نیک کردار کے حامل بن سکیں''۔

❖ ❖ ❖

❖

﴿فصلِ دوم﴾

زمانۂ طفولیت سے سنِ بلوغ تک:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ (غافر: ٦٧)

''پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر باہر نکالتا ہے' پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو''

ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ بچہ جونہی اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور اسے ہوا مس کرتی ہے تو وہ روتا اور چلاتا ہے' عام طور پر اس لمحہ کو انسانی عمر کی ابتداء سمجھا جاتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بچہ اس سے قبل بھی اپنی ماں کے پیٹ میں نو مہینہ گزار آیا ہے' ایک شاعر کہتا ہے:

وَلَدَتْكَ اُمُّكَ يَابْنَ آدَمَ بَاكِياً ❁ وَالنَّاسُ حَوْلَكَ يَضْحَكُوْنَ سُرُوْرًا

فَاعْمَلْ لِنَفْسِكَ اَنْ تَكُوْنَ اِذَا بَكَوْا ❁ فِيْ يَوْمِ مَوْتِكَ ضَاحِكًا مَسْرُوْرًا

''اے انسان! تیری ماں نے تجھے روتا ہوا جنا' جبکہ لوگ تیرے اردگرد خوشی سے ہنس رہے تھے۔ پس تو اپنے لئے نیک کام کر جا' تا کہ جب تو وفات پائے تو لوگ رو رہے ہوں اور تو خوش باش ہنس رہا ہو''۔

بچہ دنیا میں اسی طرح ناتواں اور عاجز آتا ہے' اس کی یہ ناتوانی اور عاجزی ایک طویل مدت تک رہتی ہے جس مدت میں وہ بڑی توجہ اور رعایت کا حاجتمند ہوتا ہے' جیسا کہ وہ خوشگوار سانسوں اور لطیف جذبات کا محتاج ہوتا ہے' اسی طرح انسان کا زمانۂ طفولیت ان دیگر مخلوقات کی بہ نسبت زیادہ طویل سمجھا جاتا ہے جو حمل اور وضعِ حمل کے مراحل سے گزرتی ہیں' اللہ جل جلالہ کے اس فرمانِ عالی: ﴿ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ سے جو بات ہمیں سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ طفولیت کا مرحلہ ایک مستقل مرحلہ ہے' یہی وجہ ہے کہ دوسرے مرحلہ یعنی مرحلۂ اشد (بلوغ کا مرحلہ) کے

ساتھ حرفِ عطف ''ثُمَّ'' لایا گیا ہے' جو اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ طفولیت کا زمانہ اور اس کی مدت طویل ہوتی ہے' نیز طفولیت سے بلوغ تک نشو ونما کے چند مراحل وادوار ہیں' ہمیں نہیں معلوم کہ انسان کے اس طرح پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کا کیا راز اور اس کی کیا حکمت مخفی ہے' دوسرے حیوانات کی طرح بچہ کا تولد نہیں ہوتا' بظاہر اس میں اللہ کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے انسان پرورش کا طویل عرصہ گزارے تاکہ اس کی ذہنی تربیت کے لئے کافی وقت حاصل ہوسکے' کیونکہ انسانی طور طریق حقیقت میں ارادی طرز وطریق کا نام ہے' جس ماحول میں وہ پرورش پاتا ہے اسی سے اس کو سیکھتا ہے' نہ کہ موروثی اور فطری طریق جو ماحول کے مناسب ہو جیسے حیوانات' جو پیدا ہونے کے فوراً بعد چلنے لگتے ہیں' بچہ پیدائش کے بعد اگرچہ ضعیف و ناتوان ہوتا ہے مگر اس کا نحیف وضعیف جسم اپنے ساتھ جبّاری طاقت لئے ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ اس ضعف سے تجاوز کرجاتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا﴾ (الروم:۵۴)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا' پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی' پھر توانائی کے بعد ضعف کیا''۔

علاوہ ازیں بچہ کی یہ امداد بھی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ولادت سے پہلے ہی اس کی انسانی خلقت کو مکمل بنایا' اور زمانۂ طفولیت میں جو نشو ونما ہوتی ہے وہ تو صرف جسامت کے اعتبار سے ہوتی ہے یعنی اس کا جسم بڑا ہوتا ہے اعضاء میں قوت وتوانائی آتی ہے' جسمانی' ذہنی اور عقلی سطح پر دیگر خصوصیات وصفات پیدا ہوتی ہیں' اس مرحلہ میں بچہ جو انسانی خصوصیات سیکھتا ہے ان میں شاید اہم ترین خصوصیت اس کا پاؤں کے بل چلنا اور زبان استعمال کرنا ہے' اور یہ واقعی عجیب امر ہے کہ بچہ مختصر سی مدت میں چلنا اور بولنا سیکھ جاتا ہے' کیوں کہ اسے فوری طور پر ان دونوں چیزوں کی حاجت ہوتی ہے وہ بچہ چلنے کے عمل کا بھی محتاج ہے اور اپنی حاجات اور ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر لغت وزبان کا

بھی ضرورتمند ہے۔

علماء اور اطبّاء حضرات کہتے ہیں کہ چلنے کا عمل ایک پیچیدہ عمل ہے جس میں بچہ کا دماغ اور تمام ارادی عضلات کا دخل ہوتا ہے' لیکن لغت (زبان) سیکھنے کا عمل اس چلنے کے عمل سے بھی زیادہ پیچیدہ و دشوار گزار ہے' اس لئے کہ اس مختصر مدت میں بچہ جن لغوی مفردات وتراکیب کا مجموعہ سیکھتا اور حاصل کرتا ہے وہ انتہائی پیچیدہ ہوتا ہے۔اسی امر نے اس مکتبِ فکر کو جو زبان کے سیکھنے کے سلسلہ میں بچہ کے تغیراتی مراحل کے قائل ہیں یہ بات کہنے پر مجبور کردیا کہ بچہ کے اندر زبان سیکھنے کی صلاحیت پہلے سے موجود ہوتی ہے' اور یہ نظریہ زبان کے جدید طرقِ تدریس میں سرفہرست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم اور دقیق حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بچہ کو زبان سیکھنے کے لئے ذہنی استعداد کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے' ایسا نہیں ہوتا کہ پیدائش کے وقت وہ کوئی متعین زبان سیکھا ہوا ہو' یہ بھی اللہ کی عجیب رحمت ہے تاکہ وہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اپنے اردگرد کے ماحول میں بولی جانے والی زبان سیکھ لے جس کے استعمال کی اسے آئندہ ضرورت پڑے گی۔

قابلِ دید امر یہ ہے کہ بچہ زبان سیکھنے اور چلنے کی جدو جہد کے دوران تمام مشکلات پر غلبہ پالیتا ہے' بچوں کی نشو ونما کے علم کے ماہرین اس صورتِ حال پر بہت حیران ہیں' اس لئے کہ گونگا یا بہرہ بچہ لکھی ہوئی زبان کو سیکھ لیتا ہے اور نابینا بچہ شفوی (زبانی) لغت حروف اور مسمیات کی صورت کو دیکھے بغیر سیکھ جاتا ہے' اور عموماً بچہ تین یا چار سال کے بعد زبان وکلام کا ماہر اور اظہار مافی الضمیر پر قادر ہوجاتا ہے' اور چلنے کی مہارت ایک سال سے کچھ پہلے تک مکمل ہونا ممکن ہوتی ہے' تمام بچے بولنے اور چلنے کے معاملہ میں ایک جیسے نہیں ہوتے' ہم جو کچھ ذکر کررہے ہیں وہ صرف معروف اور متقارب کے اعتبار سے ہے''۔

❖ ❖ ❖
❖

﴿ فصلِ سوم ﴾

قرآنِ حکیم میں بچہ کے لئے چند تادیبی صورتیں:

قرآن مجید میں بچوں کی تادیب کے سلسلہ میں بہت سی واضح صورتیں ذکر کی گئی ہیں' ان میں سے ایک واضح صورت' لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لئے تادیبی صورت ہے:

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو حکمت بھری باتیں اور تادیبی صورتیں تلقین کی ہیں وہ تربیتِ اطفال کے معاملہ میں اصل و بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں' بلکہ ان کی انسانی 'معاشرتی' ادبی اور ذہنی و جسمانی حیثیت ہے حضرتِ لقمان انسان کو بڑے لطیف پیرایہ میں مخاطب کرتے ہیں جیسے ایک ایسا طبیب جو مرض کو بھی جانتا ہو اور اس کے علاج سے بھی واقف ہو اپنے مریض سے مخاطب ہوتا ہے' بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تربیت کرنے والے' بچوں کو اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں انہیں وعظ ونصیحت پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں مگر ان کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت و اخلاص زیادہ ہوتا ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت لقمانِ حکیم اپنے بیٹے کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے لئے ایک شاندار قانونِ اصلاح وتہذیب وضع کرتے ہیں' اپنی زندگی کے تجربات اسے عطا کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے دین اور تمام افعال واقوال میں ایک بہترین انسان بن سکے اور اپنی زندگی کو سنوار سکے' قرآنِ کریم نے تادیب کی ان صورتوں کو گیارہ نصیحتوں کی شکل میں بیان کیا ہے اور لقمانِ حکیم کی قیمتی نصیحتوں کو زندہ جاوید بنادیا ہے۔ جو عقیدہ کے اصول' عبادات اور اخلاقِ کریمانہ پر مشتمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَيَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ☆ وَوَصَّيْنَاالْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِىْ

وَلِوَالِدَيْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ☆ وَاِنْ جٰهَدَاكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ
مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا
مَعْرُوْفًا وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ☆ یٰبُنَیَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ
مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْفِی السَّمٰوٰتِ اَوْفِی
الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ☆ یٰبُنَیَّ اَقِمِ
الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا
اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ☆وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ
مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان:۱۳۔۱۸)

’’اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کونصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھرانا‘ بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے‘ اور ہم نے انسان کواس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے‘ اس کی ماں نے ضعف پرضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میرے اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر‘ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے‘ اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کوشریک ٹھرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہوتو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا‘ اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے‘ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے‘ پھر میں تم کو جتلادوں گا جو کچھ تم کرتے تھے‘ بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان کے اندر ہو یا زمین کے

اندر ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کر دے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بڑا
باریک بین باخبر ہے' بیٹا نماز پڑھا کر' اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا
کر' اور بُرے کاموں سے منع کیا کر' اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس
پر صبر کیا کر' یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رخ
مت پھیر' اور زمین میں اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالیٰ تکبر
کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے''۔

☆ آیاتِ مذکورہ لطیف آداب پر مشتمل ہیں' حضرتِ لقمان اپنے بیٹے کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اسے توحیدِ باری تعالیٰ کا حکم دیتے ہیں اور شرک سے بچنے کا کہتے ہیں' اس لئے کہ شرک جرمِ عظیم اور ظلمِ عظیم ہے' بلکہ شرک اللہ عز جل کے نزدیک عظیم ترین جرم اور قبیح ترین گناہ ہے' اور یہ شدید ظلم و ناانصافی ہے' کیونکہ ظلم کہتے ہیں' کسی چیز کو بے محل اور بے موقع رکھنا' پس جو شخص خالق و مخلوق کے درمیان اور خدا اور بت کے مابین برابری قائم کرے وہ یقیناً بہت بڑا احمق اور بے وقوف ہے' اور وہ اس لائق ہے کہ اسے ظالم کہا جائے اور جانوروں میں شمار کیا جائے۔

☆ اور والدین کے ساتھ قول اور عمل کے ذریعہ اچھا سلوک کرے' اور عزت و احترام سے پیش آئے' نرم کلامی اور محبت کی نظر سے دیکھے' دنیا میں ان کے ساتھ اچھی مصاحبت رکھے' ان کے کھانے' کپڑے وغیرہ کا خیال رکھے' غرضیکہ مادی اور معنوی ہر طرح سے ان کی فرمانبرداری کرے' البتہ ایک چیز ایسی ہے اگر والدین اس سے اس کا مطالبہ کریں تو اس میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی وہ ہے شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت۔

☆ قرآنِ حکیم خاص طور پر ماں کی تکلیفوں اور مشقتوں کو پُرزور بیان کرتا ہے اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ ماں کیسی کیسی تکلیفیں جھیلتی ہے حمل سے ولادت تک' پھر رضاعت (دودھ پلانا) و فطام (دودھ چھوڑنا) کا مرحلہ آتا ہے' فطام کا مرحلہ پورے دو سال میں ہوتا ہے' اس سارے عرصہ میں ماں بچہ کی پرورش کے سلسلہ میں تکلفیں اٹھاتی ہے' ان تمام

تر تکلیفوں کے باوجود ماں بچہ سے خوش اور اس کی وجہ سے خود کو سعادتمند سمجھتی ہے' بیٹا اپنی ماں کے حقوق کبھی ادا نہیں کرسکتا چاہے جس قدر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

☆ مسندِ بزّار میں حضرت بریدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی طواف کے دوران اپنی والدہ کو اٹھائے ہوئے طواف کررہا تھا' اس نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' بلکہ اس کی ایک تکلیف کے بدلہ میں بھی نہیں'' مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ' میری ماں بوڑھی ہوگئی ہے اس لئے میں اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا ہوں اور اسے وضو کراتا ہوں اور اپنے مونڈھوں پر اسے اٹھاتا ہوں تو کیا میں نے اس کا حق چکا دیا؟

حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' بلکہ ایک فیصد بھی نہیں'' اس نے پوچھا یا رسول اللہ' ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لئے کہ اس نے تیری ناتوانی (بچپن) کے وقت تیری زندگی کی خواہشمند ہوتے ہوئے تیری خدمت کی تھی' جبکہ تو اس کی خدمت اس کی وفات کی خواہش وارادہ پر کررہا ہے لیکن پھر بھی تو نے اچھا کام کیا' اللہ تعالیٰ تھوڑے عمل پر بھی زیادہ ثواب عنایت فرماتے ہیں۔ (روح البیان: ۵۲/۳)

ماں جو مشقت اور رنج وغم اٹھاتی ہے ان کا ذکر دلکش اور خوبصورت اشعار میں پیش کیا جاتا ہے۔

لامّك حَقٌّ لو علمت كثير ❖ كثيرك يا هذا لَدَيْه يَسيرُ
فكم ليلةٍ باتت بثقلك تشتكى ❖ لها من جراها انّةٌ وزفيرُ
وفى الوضع لو تدرى عليها مشقةٌ ❖ فمن غَصَصٍ لها الفؤاد يطير
وكم غسلت عنك الاذىٰ بيمينها ❖ وما حجرها الا لديك سريرُ
وتفديك ممّا تشتكيه بنفسها ❖ وما ثديها شربٌ لديك نميرُ
وكم مرّةٍ جاعت واعطتك قوتها ❖ حنوًّا و اشفاقًا وانت صغير
عقل و يتبع الهوى ❖ وآهًا لاعمى القلب وهو بصير
عقل ويتبع الهوى ❖ وآهًا لاعمى القلب وهو بصير فلونك

فاهًا الذی فارغب فی عمیم دعائها ❖ فانتَ لما تدعوبه لفقیرُ
(روح المعانی:۸۶/۲۱)

''تیری ماں کے تجھ پر بہت زیادہ حقوق ہیں' اگر تجھے معلوم ہو' تو ان کو جتنا بھی ادا کرے گا کم ہے اس نے کئی راتیں تیرا بوجھ اٹھائے گزار دیں' اور بہت سی تکلیفیں اٹھائیں۔ اگر تجھے معلوم ہو جائے کہ اس نے وضع حمل کے وقت کیا کیا تکالیف برداشت کیں۔ تو تیرے ہوش اڑ جائیں' کتنی بار اس نے اپنے ہاتھوں سے تیری گندگی کو دھویا۔ اس کی گود ہی تمہارے لئے تخت تھا' اپنی ذات کو تیری تکلیفوں پر قربان کر دیتیں۔ اور اس کا سینہ تیرے لئے غذا کا ذریعہ تھا' کئی بار ایسا ہوا کہ وہ خود تو بھوکی رہیں لیکن اپنا لقمہ محبت وشفقت کی خاطر تجھ چھوٹے بچہ کو عطا کیا۔ پس عقلمند پر افسوس ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اس بیٹے پر افسوس ہے جو دل کا اندھا ہے اور اس کی دعائیں خوب حاصل کر' کیونکہ تو اس کی دعاؤں کا محتاج ہے''۔

☆ حضرت لقمان اپنی نصیحت کو جاری رکھتے ہوئے اپنے بیٹے کو اطاعتِ خداوندی کی اپنے اندر حرص وشوق اور کما حقہ اس کا مراقبہ کرنے کا حکم دیتے ہیں' اور اسے ہر طرح کی عملی کوتاہی سے بچنے کا کہتے ہیں' وہ برائی خواہ معمولی ہو' اور کسی بھی جگہ پر ہو' آسمان کی بلندیوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو' ہر صورت اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر کے چھوڑیں گے' اللہ تعالیٰ پر بندے کا کوئی عمل' خواہ وہ کسی جگہ کرے' مخفی نہیں ہے۔

☆ حضرتِ لقمان کی اصلاحی اور تادیبی صورتوں میں سے ایک یہ ذکر کی گئی کہ وہ اپنے بیٹے کو تمام ارکان وشرائط اور ظاہری و باطنی آداب سمیت نماز قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں' تاکہ یہ نماز گناہ سے دوری اور استقامت پر مدد کا سبب بنے۔

☆ اس کے بعد حضرت لقمان اپنے بیٹے کو امر بالمعروف' نہی عن المنکر' مصیبت پر صبر اور تواضع وعاجزی اختیار کرنے اور گفتگو کے دوران لوگوں سے متکبرانہ بے رخی سے اجتناب' اور مغرورانہ چال سے پرہیز کرنے کی نصیحت کرتے ہیں' تاکہ وہ بیٹا ان جابروں

اور متکبروں کے مشابہ نہ ہو جائے جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ متکبروں اور خود پسندوں سے محبت نہیں رکھتے۔

☆ بعد ازاں حضرتِ لقمان اپنے بیٹے کو معتدل رفتار اختیار کرنے کی نصیحت کرتے ہیں' رفتار نہ بہت تیز ہو' نہ بہت سست' نیز آواز میں بھی اعتدال پیدا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں' بلند آواز سے اجتناب کر' اس لئے کہ یہ صورتیں متکلم کے وقار میں اضافہ کا سبب اور دوسروں کے لئے احترام' راحت اور فہم کا ذریعہ ہیں۔

☆ یہ قرآنِ پاک کی چند قابلِ دید اور پسندیدہ تادیبی صورتیں ہیں جس کا سورۃِ لقمان میں ذکر آیا ہے' ان اصلاحی آداب کے اپنانے میں بچوں کی سعادتمندی اور خوش نصیبی کی ضمانت ہے' بلکہ ان کے بڑوں کی بھی۔

قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ اصلاح و تہذیب کی یہ صورتیں دنیوی حیات کے اہم پہلوؤں پر مشتمل ہیں' اور آخرت کی ابدی سعادت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں' لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہے جب اپنی دنیوی زندگی میں بھی ان ہدایات و ارشادات کو عملی جامہ پہنایا جائے''۔

❖ ❖ ❖

❖

﴿فصلِ چہارم﴾

بچہ اور انبیاء علیہم السلام کی دُعا:

قرآنِ کریم میں ایسے بہت سے خوبصورت مقامات بھی ہیں جہاں انبیائے کرام علیہم السلام نے خود اپنے لئے عطائے فرزند کی اللہ کریم سے دعائیں کی ہیں' اور اس کے لئے درخواستیں پیش کی ہیں' ان میں سے ایک شیریں ولطیف موقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے انہوں نے اپنے ربِّ عظیم سے بچہ کی دعا اور درخواست کی۔

چنانچہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی یہ خوبصورت اور پرنم دُعا قرآنی زبان میں سنتے ہیں:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾

(الصافات: ۱۰۰۔۱۰۱)

''پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما' پس ہم نے اسے بردبار لڑکے کی خوشخبری دی''۔

ابراہیمؑ ایک طویل مدت گزار چکے تھے' ابھی تک انہیں ایسا لڑکا عطا نہیں ہوا تھا جو دنیا کی خوشیوں اور رونقوں کا ذریعہ ہو' کیونکہ بیٹے حیاتِ دنیا کی زینت و آرائش ہیں' ابراہیمؑ کو اشتیاق ہوا کہ ان کے ہاں نیک بیٹا پیدا ہو' جو ان کی امانت کا حامل' دعوت کا مبلغ اور ان کی راہ پر چلنے والا ہو' اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ الٰہی! مجھے نیک صالح فرزند عطا ہو۔

☆ حضرت ابراہیمؑ کا حال یہ تھا کہ وہ مصر سے واپس لوٹتے وقت اپنے ہمراہ بہت سے چوپائے' غلام اور دیگر عظیم اموال اٹھائے ہوئے تھے' ان میں ہاجرہ بھی تھی جو فرعونِ مصر نے ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ کو بطورِ ہدیہ دی تھی۔

☆ ابراہیمؑ بیت المقدس مقیم ہو گئے' یہاں ان کا اشتیاقِ فرزند بڑھ گیا جو کہ ان کا وارث بن سکے' آپ کی عمرِ مبارک بھی بہت زیادہ ہو گئی تھی' بیوی سارہؓ بھی بانجھ ہو چکی تھیں'

تا حال کوئی ولد نہیں ہوا تھا' جب آپ کے ان علاقوں میں تقریباً بیس سال گزر گئے' آپ کی زوجہ سارّہ کو آپ پر ترس آیا بہت زیادہ غمزدہ ہوئیں کہ تا حال اللہ نے انہیں ولد عطا نہیں فرمایا' چنانچہ فرمانے لگیں: ''پروردگار نے مجھے اولاد سے محروم کر دیا ہے' لہذا آپ میری اس باندی (ہاجرہ) کے پاس چلے جائیں' ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے بطن سے ولد عطا فرمائیں''۔ (البدایۃ والنہایۃ :۱/۱۵۳)

ابنِ جریر الطبریؒ فرماتے ہیں: ہاجرہ شکیلہ تھیں' سارہ نے ہاجرہ ابراہیم کو ھبہ کردی اور فرمایا: میں اسے حسین وجمیل دیکھتی ہوں' آپ اسے قبول فرمالیں' ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اولاد عطا فرمائیں''۔ (تاریخ الطبری :۱/۲۴۷)

حضرت سارہ نے جب ہاجرہ ابرہیم علیہ السلام کو ھبہ کردی آپ ان کے قریب گئے' چنانچہ ہاجرہ بچہ سے حاملہ ہوئیں۔

☆ ابراہیمؑ نے بہت انتظار کیا' راتوں کو اٹھ اٹھ کر بہت دعائیں کیں' علیم وحکیم ذات سے سرگوشیاں کیں' جس چیز نے ابراہیمؑ کے یقین میں اضافہ کردیا وہ دراصل وہ بشارت تھی جو ایک فرشتہ ہاجرہ کے پاس لے کر آیا اور اس سے یوں مخاطب ہوا:

''اللہ عزوجل تمہارے جنین میں خیر کو پیدا کریں گے اور اسے بشارت دی کہ تمہارے ہاں عنقریب طفل پیدا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا'' (قصص الانبیاء لابن کثیر :۱۶۵)

حضرتِ ہاجرہ کو یہ پر سعادت ومسرت بشارت ملی' انہیں یہ یقین تھا کہ ضرور وہ مبارک نومولود اس کے ہاں پیدا ہوگا' جب ابراہیمؑ کی عمرِ مبارک چھیاسی سال کی ہوئی' ہاجرہ کے ہاں اسماعیلؑ پیدا ہوئے' ولادتِ اسماعیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی طرف بشارتِ اسحاق کی بھی وحی کی' بس کیا تھا' ابرہیمؑ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے' اور یوں اللہ تعالیٰ نے دعاء ابراہیمی قبول فرمائی' اور طفلِ حلیم (بردبار لڑکا) عطا فرمایا' ابراہیمؑ نے یہ دعا بھی کی ہوگی کہ پروردگار! اس بچہ کو ہر بلا سے محفوظ اور شیطانِ مردود اور اس کی اولاد کے شر سے بچا کے رکھنا۔

☆ اللہ کے ساتھ دعائے ابراہیمی کا مرحلہ گزرتا ہے' جس وقت اللہ تعالیٰ نے

ابراہیمؑ کی طرف اس بات کی وحی کی تھی کہ ہاجرہ واسماعیل کو مکہ لے جائیں اس وقت بھی انہوں نے بچہ کی دعا کی تھی' جب مکہ بالکل بے آب و گیاہ جگہ تھی' اور ابرہیمؑ نے حکمِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل کو لیا اور ان دونوں کو مکہ میں زمزم کے قریب ٹھہرادیا' اور خود حکمِ الٰہی کے مطابق وہاں سے چل دیئے' ہاجرہ نے ان کو آواز دی: ''کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں بے آب و گیاہ زمین پر چھوڑ کر جائیں جہاں نہ کوئی بندہ' نہ بندہ کی ذات''۔ آپ نے جواب دیا: ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے'' ہاجرہ کہنے لگیں: ''تب وہ ہمیں ضائع ہرگز نہیں کرے گا''

☆ ابراہیمؑ چل دیئے' جب آپ اس پہاڑی راستہ پر پہنچے جہاں پر ہاجرہ اور ان کے محبوب بیٹے اسماعیل کی نظر نہیں پڑتی تھی تو قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے لئے لازوال دعا کی' عرضِ بارگاہِ رب العزت ہوئے:

﴿رَبَّنَا اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ﴾

(ابراہیم:۳۷)

''اے ہمارے رب! میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں' آباد کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کردیجئے' اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے' تاکہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں''

☆ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی' خشک زمین سرسبز ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے آبِ زمزم کا چشمہ جاری کردیا' طفلِ اسماعیل جوان ہوئے' اور اللہ عزوجل کے نبی و پیغمبر بنے۔

(فتح الباری:۶/۴۵۶' البدایۃ والنہایۃ:۱/۱۵۴)

☆ علاوہ ازیں قرآنِ کریم میں دعائے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں ایک اور

شاندار اور خوبصورت موقع و مقام ہے، یعنی حضرتِ زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے فرزند کے لئے دُعا اور مناجات کرنا۔

☆ حضرت زکریا علیہ السلام کی ہڈیاں کمزور پڑگئیں تھیں، آپ انتہائی عمر رسیدہ ہوگئے تھے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی عمرِ مبارک ۷۷ سال کی ہوچکی تھی، اور بعض کہتے ہیں کہ ۹۲ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، نیز بعض کا قول ہے کہ آپ کی عمر ۱۲۰ سال ہوگئی تھی، جبکہ آپ کی زوجہ محترمہ کی عمرِ مبارک ۹۸ سال کی ہوچکی تھی، تمام تر رکاوٹوں کے باوجود آپ اللہ تعالیٰ سے عطائے فرزند کی دعا کرتے رہے، ان رکاوٹوں میں سے ایک یہ تھی کہ آپ کی زوجہ بانجھ تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہر شے سے وسیع تر ہے، حضرتِ زکریا علیہ السلام قبولیت کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر عطائے فرزند کی دعا کرتے رہے، الٰہی! مجھے تنہا نہ چھوڑو:

﴿وَزَكَرِيَّا اِذْ نَادٰى رَبَّه‘ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (الانبیاء:۸۹)

''مطلب یہ ہے کہ پروردگار! مجھے لاوارث اور لاولد نہ رکھیو، تاکہ وہ ولد بعد میں لوگوں کا ذمہ دار ہو۔'' وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْن ''اس ثناء و دعا کی مسئلہ ہذا سے مناسبت ہے۔

''فرزند کی دعا میں تکرار جاری رہا''

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه‘ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ (آل عمران:۳۸)

''اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا پروردگار! مجھے اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما، بے شک آپ دعا کو سننے والے ہیں''

چنانچہ اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہیں، آپ کی زوجہ نرینہ ولد

سے حاملہ ہوتی ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے ''یحیٰ'' نام رکھا' ایسا نام پہلے کسی نے نہیں رکھا' دعائے زکریا کی قبولیت کے متعلق اللہ جل شانہ' فرماتے ہیں:

﴿یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا﴾ (مریم:۷)

''زکریا! ہم آپ کو ایسے لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہے' ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام کسی کو نہیں بنایا''۔

☆ زکریا علیہ السلام دعا کی قبولیت پر بے حد مسرور ہوئے' انہیں سردار' پاکدامن اور نیک صالح نبی اللہ ''فرزندِ یحیٰ'' پر خوشی ہوئی۔

میں اس موقع پر چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس کے سامنے تضرع و عاجزی کرنے کے فائدے کی طرف اشارہ کروں' بچوں کی صلاح وفلاح اور انہیں قرآنی و نبویؐ طریقِ تربیت پر لانے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا والتجا ایک عظیم اثر رکھتی ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک' ذوالجلال والاکرام ہیں' اس کے قبضہ میں تمام امور کے تصرفات ہیں' مخلوق کی تمام تقدیریں اسی کے سامنے ہیں' جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے وہ صاحبِ شان ہے' تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں' اس لئے یہ ضروری اور فطری امر ہے کہ اس ذات سے دُعا والتجاء کی جائے اور اس کے سامنے گڑگڑایا جائے کہ وہ اولاد کی اصلاح کرے' انہیں نیک و نافع بنائے اور راہِ استقامت پر مستقیم رکھے' کیونکہ اہل واولاد کی صلاح وفلاح سے زیادہ اور کوئی چیز مؤمن کے لئے خوشی کا باعث نہیں ہوسکتی' اہل وعیال کی صلاح اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے۔ فرمانِ ذوالجلال والاکرام ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی

طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنادے''۔

دُعا شانِ عظیم رکھتی ہے' اللہ کے سامنے سب سے زیادہ مکرّم ہے' دُعا اشرف العبادات ہے' بلکہ دُعا بذاتِ خود عبادت ہے' احادیث میں آیا ہے کہ باپ کی دعا بیٹے کے لئے قبول ہوتی ہے' بچہ کو چاہیئے کہ اس عظیم خزانہ کی حرص کرے' اپنے والد کی دعا کی برکت حاصل کرے' اسی طرح نیک اور مربّی باپ کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مقام و مرتبہ سے فائدہ حاصل کرے یعنی اپنی اولاد کے حق میں دعائے خیر کیا کرے' اور اللہ تعالیٰ سے اس بات کا امیدوار رہے کہ وہ ذات ضرور ان کی اصلاح کرے گی اور انہیں راہِ ہدایت و استقامت پر چلائے گی۔

نیز اس طرح وہ والد' انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اقتداء و پیروی کرنے والے بھی ہو جائیں گے' کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ اللہ سے دعا کرنے والے' ان کے سامنے التجاء و تضرع کرنے والے' اللہ جل جلالہ کی معرفت رکھنے والے اور اپنی اولاد کی اصلاح کی اس سے درخواست کرنے والے تھے۔

متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کی قرآنِ پاک میں دعائیں اور التجائیں آئی ہیں۔ مثلاً اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر آیا ہے' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی' یا اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ (ابراہیم:۳۵)

''جب ابرہیمؑ نے کہا اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجئے' اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیئے''۔

ابھی کچھ پہلے حضرتِ زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر گزرا' انہوں نے دعا کی:

پروردگار! مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ سے رغبت و رہبت کے ساتھ دعائیں والتجائیں کیا کرتے تھے اور اس کے سامنے گڑگڑایا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّھُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَیَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا وَکَانُوۡا لَنَا خٰشِعِیۡنَ﴾ (الانبیاء:۹۰)

''یہ سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے' اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کرتے تھے' اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے''۔

سمجھدار مربّی کو چاہیئے کہ دعا کو اپنا ورد اور وظیفہ بنائے' تضرّع الی اللہ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرے' اور ہمیشہ یاد رکھے کہ مومن دُعا پر من جانب اللہ مامور ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''جواب دیتا ہوں پکارنے والے کے پکارنے کا جب مجھے پکارتا ہے''

نیز فرمانِ پروردگار ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ﴾ (غافر:۶۰)

''اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا''۔

نیز فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ (الاعراف:۵۶)

''اور تم اس کی عبادت کرو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے' بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں سے نزدیک ہے''۔

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:۱۸۰)

''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو''۔

مربّی پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں دعا کو اپنی عادت بنائے' ان کے خلاف ہرگز بدُ دعا نہ کرے' کیونکہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے' جب بیٹے کی کوئی حرکت غضبناک کرے تو اس کے خلاف بدُ عا کا ارادہ نہ کرے' ہاں البتہ اس کے لئے ہدایت کی دعا کرتا رہے' اور ہمیشہ یاد رکھے کہ انبیاء علیہم السلام جو انسانیت کے مقتدا اور پیشوا تھے' اپنی اولاد کی خیر و بھلائی ہی کی دعا کیا کرتے تھے' لہٰذا ان کی پیروی کرنی چاہئے' اپنی دعا کو اپنی اولاد کی صلاح و فلاح کے لئے مخصوص کر دے' یہ طریقہ زیادہ درست اور صحیح ہے' اللہ تعالیٰ سے اس بارے مدد بھی چاہتا رہے' اور اپنی اولاد کو بھی یہ تعلیم دے کہ دُعا عبادت کا مغز اور خلاصہ ہے' دُعا بہت خوبصورت چیز ہے۔

﴿باب ثالث﴾

قرآنِ کریم میں انبیاء علیہم السلام کے بچپن کا ذکر

فصلِ اوّل: انبیاء علیہم السلام کے بچپن کے واقعات اور ان کی اہمیت

فصلِ دوم: حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کا ذکر

فصلِ سوم: حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا ذکر

فصلِ چہارم: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر

فصلِ پنجم: حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے بچپن کا ذکر

﴿فصلِ اوّل﴾

انبیاء علیہم السلام کے بچپن کے واقعات اور ان کی اہمیت:

میرے خیال کے مطابق یہ فصل اپنے موضوع کے اعتبار سے بے مثال اور انوکھی ہے' کیونکہ میرے مطالعہ کے مطابق کسی نے بھی خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر مفصل بحث کرکے اس سے عمدہ فوائد اور نصائح کا استنباط نہیں کیا' انبیاء علیہم السلام کے بچپن کا موضوع ایک خاص اسلوب اور الطافِ ربانی کے شمول کا تقاضا کرتا ہے' جب ہی لوگوں کے سامنے یہ بحث و تحقیق دلچسپ اور عمدہ پیرایہ میں آسکتی ہے' تاکہ ہر عام و خاص اس سے مستفید و مستفیض ہوسکے۔

آج کے دور میں بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے زمانۂ بچپن کا ذکر بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے' یہی وجہ ہے کہ ان کے طفولیت کے واقعات کو ایک سادہ اور لطیف پیرایہ میں قصہ گوئی کے انداز میں عبرت و موعظت کے حصول کے لئے پیش کیا جاتا ہے' تاکہ والدین کو اپنے بچوں کے لئے ایک وافر ذخیرہ حاصل ہو' اور وہ ان کو انبیاء کی محبت کی وہ غذا دے سکیں جو ان والدین کو انبیاء کی طفولیت سے متعلق مفید واقعات کی صورت میں دستیاب ہو' ممکن ہے کہ وہ بچے خود بھی ان سے استفادہ کریں' یعنی قرآنِ کریم نے انبیاء کے بچپن کے سلسلہ میں جو لطائف و نکات بیان کئے ہیں ان سے والدین اور ان کے بچے استفادہ کرسکتے ہیں' اگر کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کے زمانۂ بچپن کے واقعات سے استفادہ کرکے ان پر کماحقہ عمل کرے تو بچوں کی تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں اس کے بہت اچھے اثرات برآمد ہوسکتے ہیں اس لئے کہ بچوں کے نفوس قصہ کہانی کے سننے سے خوش ہوتے ہیں اور اس قصہ سے حاصل شدہ سبق سے متاثر ہوتے ہیں۔

☆ انبیاء علیہم السلام کے بچپن کے واقعات ہمارے بچوں کے لئے خیر و صلاح کے ذرائع اور ان کے نفوس کی تہذیب و تربیت کے وسائل ہیں۔ اسی لئے کسی اہلِ علم نے کہا

ہے کہ قصے اور واقعات اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔

☆ نیز اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم انبیاء علیہم السلام کے واقعات' سابقہ امتوں کے قصے اور بہت سے آدابِ انسانی سے متعلق اہم ترین خبریں بیان کرتا ہے' اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (یوسف:۱۱۱)

''ان کے واقعات میں عقلمندوں کے لئے عبرت کا سامان ہے''

☆ انسان فطرۃً قصہ گوئی کی طرف مائل ہے' کیونکہ اسے واقعات کو سن کر انس و محبت حاصل ہوتی ہے' اگر والدین انبیاء کے قصص اور دیگر قرآنی واقعات سے کوئی عمدہ مضمون اپنے بچوں کے لئے اخذ کر سکیں تو یہ قصص ان کے لئے بہت پسندیدہ اور بہت اثر انگیز ہوں گے' خود میں نے انبیاء کے بچپن سے متعلق حسین حکایات کو قصہ گوئی کے اسلوب میں پیش کرنے کا تجربہ کیا ہے۔ میں نے اکثر جگہوں اور بہت سے شہروں اور ملکوں میں قصہ گوئی کا اسلوب اختیار کیا تو بچے ان قصوں کو سننے کے لئے بے قرار ہوئے اور اصرار کرنے لگے کہ ہمیں انبیاء و صالحین کے مزید واقعات و حالات سنائے جائیں' میں اس بات کا بارہا تجربہ کر چکا ہوں کہ قصہ گوئی کا اسلوب بچوں کو بہت متاثر کرتا ہے' بلکہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ دنوں میں اکثر بچے ان قصوں کو یوں دھرائیں گے جیسے ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے اس قصہ کو سنا ہو' اور اپنے گھر کے ہم عمر بچوں کو سنانے کے لئے مزید واقعات کے طلبگار اور خواہشمند ہوں گے۔ قرآنِ کریم نے انبیاء کے بچپن کے قصے پورے اہتمام کے ساتھ بیان کئے ہیں اور ان واقعات کو تفکر و تدبّر کا باعث قرار دیا ہے' کیوں کہ 'وہ واقعات سچی تعبیر زندہ واقعہ' قوی تاثیر اور عظیم مقصد رکھتے ہیں' وہ واقعات محرک اور مؤثر حیات سے ماخوذ ہیں' نیز وہ قصے بچوں کے جذبات و احساسات کو متحرک اور عقل کو بیدار کرتے ہیں۔ ان قصوں کے دوران اعلیٰ و عمدہ آداب اور مفید امور کا نقشہ بچوں کے سامنے آجاتا ہے' میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآنی قصص' مسلسل واقعات کے ثبوت' ادائے معجز کی عظمت اور لاثانی اسلوب کے سبب اپنے ماسوا سے ممتاز حیثیت کے حامل

ہیں۔ بچے بسا اوقات اپنے مزاج کے مطابق قصوں سے کوئی نہ کوئی نتیجہ اخذ کر کے لطف و سرور اور فائدہ حاصل کرتے ہیں، دورِ حاضر کے جدید طور طریقے ہمیں قرآنی قصص کے ساتھ اپنی وابستگی اختیار کرنے پر ابھارتے ہیں، یعنی ہم قرآن کے بیان کردہ واقعات کو بچوں کی تربیت واصلاح کے معاملہ میں اپنا اعلیٰ مقصد بنائیں، اس لئے کہ بعض بے مقصد قسم کی کہانیاں، خرافات اور فضولیات سے بھری پڑی ہیں جن کا بچوں کے اخلاقی کردار پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے، میں ان کی مثالیں بیان کرنا نہیں چاہتا، البتہ میں صرف ایک مثال ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا خلاصہ کتے کی بہادری کی صورت میں نکلتا ہے جس سے بچہ پیار کرتا ہے اور اسے اپنا محبوب بناتا ہے، بعض ایسے قصے بھی ہیں جو بچوں کے اندر بے اصل خیالات پیدا کرتے ہیں جیسے انسان کا اڑنا، بہت سے بچوں نے ''سپر مین'' اور بلّی آدمی وغیرہ قسم کی کہانیاں پڑھیں اور اڑنے کا تجربہ کیا تو گر کر موت واقع ہوئی۔

☆ شاید یہ بے اصل کہانیاں بچوں کی زندگی کے لئے خسرے کا باعث ہیں، اور ان کے صاف ذہن کو بگاڑتی ہیں، بہت سے قصہ گو حضرات ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنی کہانیوں میں نظر نہ آنے والی زبردست طاقتیں شامل کردی ہیں اور ان کو کہانی کا مرکزی خیال اور اس کی بنیاد بنادیا ہے جیسے بھوت، دیو، جن اور مسحور کائنات، اور بعض متحرک اشکال کی فلمیں (کارٹون) جس میں خرافات کو بچوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے بچے ایسی فلموں کے سامنے بندھے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بچہ جب رات کو بدشکل بھوت یا جن والی فلم دیکھ کر سوتا ہے تو چیختا ہوا اور فریاد کرتا ہوا خود بھی اٹھتا ہے اور گھر والوں کو بھی جگا دیتا ہے، وہ خیال کررہا ہوتا ہے کہ اسی جن نے اس کو خواب میں آکر نقصان پہنچایا ہے۔

☆ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ان بے اصل کہانیوں میں جو شخصیات ہوتی ہیں ان میں زمانی فاصلے پوشیدہ ہوتے ہیں، کہانی کا ہیرو کبھی مسلسل زندگی گزارتا ہے، کبھی وہ مرتا نہیں یا شکست نہیں کھاتا یا تھکتا ہی نہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کے لئے ایسی بہت سی بے حقیقت کہانیاں ناقابلِ فہم ہوتی ہیں، بسا اوقات وہ بچے اپنے والدین سے ان خرافات کے

حل کرنے کا سوال بھی کرتے ہیں جو خرافات انھوں نے دیکھی یا پڑھی ہوتی ہیں تو اس وقت والدین کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا' وہ حیران و سرگردان رہتے ہیں' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچے دیکھی ہوئی یا پڑھی ہوئی بے اصل اور بے مقصد کہانیوں اور اپنے والدین کی سرگردانی اور انگشت بدندانی کی وجہ سے ضائع اور بے کار ہو جاتے ہیں۔

☆ معلوم ہوا کہ صرف قرآنی قصے ہی بچوں کو خرافات' اوہام وخیالات اور فریب کاری اور جعل سازی سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے ایک اعلیٰ چیز ہے' جس کے اندر حکمتوں کا صاف اور واضح بیان اور صریح عبرت وموعظت کا وافر سامان موجود ہے۔

☆ یہ بات انتہائی خوش دلی کا باعث ہے کہ ہماری دنیائے اسلام کی بہت سی خواتین (مائیں وغیرہ) اب بھی چھوٹے بچوں کو بعض قرآنی قصے سناتی ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کا قصہ' موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یا اصحاب کہف کا قصہ۔

میں خود جب چھوٹا تھا' اپنی دادی اماں سے قصہ یوسف علیہ السلام اور ابوبکر صدیق ؓ کی ہجرت کا قصہ بڑے غور سے سنا کرتا تھا۔ میری دادی بڑی ہی سادہ اور مؤثر انداز میں ان واقعات کو بیان کیا کرتی تھیں' آج تک ان کا اندازِ تعبیر' اس کی عمدگی اور ذائقہ یاد آتا ہے' نیز میری والدہ ماجدہ مجھے اور میرے دوسرے بھائیوں کو جو حکایات اور مواعظ سنایا کرتی تھیں اگر میں ان کو بھلانا بھی چاہوں تو نہیں بھلا سکتا۔ اسی طرح میرے والد ماجد نے مفید اور مؤثر قصے اور وعظ ونصیحت کی باتیں سنائی ہیں وہ بھی ناقابلِ فراموش ہیں' اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور ان کے ساتھ محبت ورحمت کا معاملہ فرمائے۔

☆ اب یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ پھر بچوں کے لئے مفید قصے کیا ہو سکتے ہیں؟

☆ یہ سوال' واضح اور دقیق جواب کا تقاضا کرتا ہے' اس لئے کہ ہمیں بچوں کی ذہنی تربیت کے لئے کوئی حد بندی یا کوئی نقشہ کھینچنا ہوگا یا ان بچوں کی غذائی ضرورت کو پورا کرنا ہے تاکہ ان کی درست فکر اور صحیح تصور کی بنیاد پر نشوونما ہو جس میں بری چیزوں کا اثر ونشان اور شائبہ تک نہ ہو۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آج کے دور میں بچے مختلف قسم کی مرغوب و

دلچسپ کہانیوں اور افسانوں کے طوفان سے دوچار ہیں' وہ بچے بے اصل اور بے حقیقت قسم کی کہانیوں اور افسانوں پر جھپٹتے ہیں۔ ہم ان مرغوب افسانوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ہم کس طرح بچوں کو راہِ ہدایت پر لا سکتے ہیں؟ لوگوں میں یہ بات کثرت سے پھیلی ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو عالمی دھارے سے کیسے دور رکھ سکتے ہیں؟ بلکہ بعض تو یوں کہتے ہیں کہ بچوں کو اس کے حال پر چھوڑ دو' وہ خود ہی خیالی فلموں سے اپنا دائرہ معلومات وسیع کر لیں گے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے قصوں سے بھرا ہوا جو مرغوب دسترخوان پیش کیا ہے' ان میں بچوں کے لئے نعمت و لذت اور لطف کا جو سامان ہے وہ بیان سے باہر ہے' ہم ہر طرح کی فضا میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کے لئے وہ مختلف واقعات بیان کریں گے جن کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے' اور اس کے ساتھ مثالیں بھی بیان کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فائدہ عام ہو۔

☆ مثلاً قرآنِ کریم میں حیوانات کے قصے بہت زیادہ ہیں' بلکہ قرآن کی بعض سورتیں ہی حیوان کے اسم سے موسوم ہیں جیسے سورۃ البقرۃ' سورۃ الانعام' سورۃ النحل' سورۃ النمل' سورۃ الفیل۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ عظیم حیوانات' حشرات اور وحوش و طیور کا ذکر بھی کرتا ہے' جیسے ہُد ہُد کا ذکر آیا ہے' جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آ کر ملکۂ سبا کی خبر دی تھی کہ اس ملکہ کا ایک بہت بڑا تخت ہے' وہ سورج پرست ہے' اسی واقعہ میں ایک تیز ہوشیار چیونٹی کا بھی ذکر ملتا ہے جس نے کوئی بات کہی تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام اس کی بات سنتے رہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ
وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا﴾ (النمل: ۱۸-۱۹)

''اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو' کہیں تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں' سو سلیمانؑ اس کی بات سے

مسکراتے ہوئے ہنس پڑے“۔

ہم ایسے واقعات سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور ان کو اعلیٰ اخلاق کے حصول میں رہنما کی حیثیت سے کام میں لا سکتے ہیں۔ جیسے چیونٹی اور شہد کی مکھی (جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے) سے صبر اور کام سے محبت اور لگن، ہُد ہُد کے ذکر سے مفید خبروں کی ٹوہ لگانے گائے کے ذکر سے عطاء و بخشش اور اونٹ سے بہت سے فوائد کا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ اس کے علاوہ ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم بچوں کی تہذیب و اصلاح اور ان کی تعلیم و تربیت کو انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے ساتھ مستحکم کریں اور ترقی دیں۔

☆ نیز ہمیں چاہیئے کہ واقعہ بیان کرتے وقت ان کی عمر اور ذہنی سطح کا بھی لحاظ رکھیں واقعہ کے اسلوب میں ان کی عمر کا بھی لحاظ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے بچپن سے جو اسباق و نصائح حاصل ہوں ان کا بھی ان بچوں کے سامنے ذکر کیا جائے۔ جیسے اطاعت و فرمانبرداری، لوگوں کی خیر خواہی وغیرہ۔

اگر ہم ایسا کر لیں گے تو پھر بچہ کے ذہن کے متعلق کسی قسم کا ہمیں خوف و ڈر نہیں ہونا چاہیئے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بچہ مکمل طور پر والدین وغیرہ کی زیرِ نگرانی اور توجہات کے تحت رہے۔ جب ہمیں پوری طرح یقین ہو جائے کہ بچہ کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے مستفاد صحیح قواعد کے مطابق استوار ہو گئی ہے تو پھر اگر وہ بعض دیگر مفید قصّوں اور آداب کا مطالعہ بھی کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

❖❖❖
❖

﴿فصلِ دوم﴾

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کا ذکر:

اللہ کے نبی حضرتِ ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں' آپ ان اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں جن کا کثرت سے قرآنِ کریم میں ذکر آیا ہے۔

حضرتِ ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ رب تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعا کیا کرتے تھے' آپ اللہ تعالیٰ سے ظاہری اور پوشیدہ طور پر صالحین کی دعا کیا کرتے تھے' عمر کا ایک دراز حصہ گزر گیا' بڑھاپا آ پہنچا' ابراہیم علیہ السلام مقدس سرزمین میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے' آپ کی زوجہ سارّہ بھی عمر رسیدہ ہوچکی تھیں' اور اولاد سے مایوس ہوگئی تھیں' خصوصاً مصر سے جب دونوں واپس لوٹے ہیں تو اولاد سے مایوسی بڑھ گئی تھی' جس وقت مصر کے بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو بہت سے مال ومویشی اور غلام باندیاں دی تھیں' اس وقت اس نے ایک لڑکی بھی سارّہ کو ہدیہ میں دی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا' ابراہیم علیہ السلام مصر میں ایک زمانہ تک مقیم رہے' حال ان کا یہ تھا کہ وہ خوش دل اور پرسکون تھے' پھر گھر کے افراد نے ان پر ظلم وستم ڈھائے اور انکو اذیت پہنچانے کا ارادہ کیا تو پھر وہ اپنی زوجہ سارّہ اور خادمہ ہاجرہ کے ساتھ مقدس سرزمین واپس آگئے جوان کا اس سے پہلے بھی وطن تھا' سارّہ مصر میں ستّر یا اس سے بھی زیادہ عمر کی تھیں' بانجھ تھیں' انہیں خوف ہوا کہ ان کے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلۂ نسل کہیں ختم نہ ہوجائے۔ سارّہ کو معلوم تھا کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اولاد کا بہت اشتیاق موجود ہے' اس کے لئے وہ رب تعالیٰ سے مناجات بھی کرتے رہتے ہیں' سارہ کے ذہن میں اُمید کی ایک کرن نمودار ہوئی' دل ہی دل میں کہنے لگیں: اگر ابراہیم علیہ السلام میری باندی ہاجرہ سے نکاح کرلیں تو کیسا ہو؟ یہ خیال ان کے دل میں اور مضبوط ہوا' وہ کبھی دیکھتیں جیسے ان کے سامنے بچہ ہو جو ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بیٹھا ہے اور وہ بڑے خوش باش' خوش دل اور پرسکون ہیں۔

چنانچہ عابدہ زاہدہ (سارّہ) ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئیں اور رضاو تسلیم کے انداز میں کہنے لگیں: "اللہ تعالیٰ نے مجھے تو اولاد سے محروم کیا ہے' یہ ہاجرہ ہیں' میں یہ آپ کو ھبہ کرتی ہوں' آپ اسے قبول فرما لیجئے' ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ہمیں اولاد عطا فرما دیں"۔

☆ جب سارّہ نے ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کو ھبہ کر دی اور ابراہیم علیہ السلام ان کے قریب تشریف لے گئے تو وہ اسماعیل سے حاملہ ہوئیں' جب حمل کامل ہوا تو ہاجرہ کے بطن سے نیک صالح اور تندرست لڑکا "اسماعیل" (علیہ السلام) پیدا ہوا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند "اسماعیل" کی ولادت پر بہت خوش ہوئے' اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور عرض کرنے لگے: "پروردگار! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں"۔

اسماعیل (علیہ السلام) نے عمدہ نشو ونما پائی' آپ بہت جمیل اور حلیم لڑکے تھے' ہر دیکھنے والا اس سے محبت کرتا' سارّہ بھی اس سے بہت زیادہ محبت کرتیں۔

☆ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس حلیم فرزند کے بارے میں کچھ اور ہی منظور تھا' اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کے مصاحب تھی' ایک دن سارّہ آئیں' اور اپنے خاوند ابراہیم علیہ السلام سے اپنی خواہش ذکر کرنے لگیں کہ آپ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو مجھ سے کہیں دور لے جائیں' اے اللہ کے نبی! میں پسند نہیں کرتی کہ ہاجرہ گھر میں میرے ہمراہ رہے' آپ جہاں چاہیں اسے منتقل کر دیں۔ (نہایۃ الادب: ۱۳۔۱۱۶)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنے محبوب بیٹے اور اس کی ماں کو حرم شریف لے جائیں' چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اور ہاجرہ کو مکہ مکرمہ لے چلے' جب بیت اللہ کے قریب پہنچے تو وہاں ہاجرہ اور اس کے بیٹے (اسماعیل) کو ٹھہرا دیا۔

☆ ابراہیم علیہ السلام دوبارہ بحکمِ الٰہی مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کی حفاظت کے لئے دعا کی' عرض کیا الٰہی! دونوں پر اپنی عنایات فرما اور ان کی حفاظت کا بندوبست فرما۔ ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾ (ابراہیم:۳۷)

''پروردگار! میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں' پروردگار! تا کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں' تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے' اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) پھل کھانے کو دیجئے تا کہ یہ لوگ (ان نعمتوں کا) شکر کریں''۔

☆ اب اس جگہ ہاجرہ اور اس کا بیٹا تن تنہا رہ گیا' میدان بھی ناقابلِ زراعت' نہ یہاں کھانے کو کچھ ہے' نہ پانی ہے' نہ کوئی مونس اور نہ ہی کوئی حرکت' لیکن قلبِ ہاجرہ پر سکینہ اور اطمینان کا نزول ہو گیا ہے' انوارِ ایمان سے دل روشن ہے' شاید اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کے متعلق کچھ ارادہ کیا ہے' ایسا لگتا تھا جیسے ہاجرہ کے دل میں بردوسلامتی قرار پا گئی ہو' اور وہ یوں کہہ رہی ہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ایسے وقت میں مَیں اپنی نعمت کا اس پر اور اس کے بچہ پر نزول و اتمام کروں' اللہ تعالیٰ کبھی اسے ضائع نہیں کریں گے' اور اس جگہ اللہ کی ذات ہمیں ملا کر تیسری ہے۔

☆ جب دن چڑھا اور سورج اللہ کے حکم کے مطابق یومیہ حرکت کے لئے مشرقی افق سے چلا تو حرارت میں شدّت آئی' پاس جو پانی تھا ختم ہو گیا' طفلِ جمیل ''اسماعیل'' کو پیاس لگی' ہاجرہ کو بھی پیاس لگی' چنانچہ ہاجرہ اٹھیں اور صفا و مروہ کے درمیان دائیں بائیں پانی کی تلاش میں دوڑنے لگیں' لیکن پانی نہ ملا' اپنے بیٹے کے پاس واپس لوٹیں' بیٹے کو دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں یا انگلیوں سے زمین کو کھود رہا ہے' پس اس کے قدموں کے نیچے سے پانی جاری ہو گیا۔ یہ آبِ زمزم تھا جس کا چشمہ پہلی بار پھوٹا' ہاجرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے

سجدہ ریز ہوگئیں' اس کریم و حلیم ذات کا شکر ادا کیا' اور ہاجرہ کو یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے فرزند کو یوں ہی نہیں چھوڑے رکھا' چنانچہ پھر ہاجرہ نے خود بھی آبِ زمزم نوش کیا اور اس سے سیراب ہوئیں اور اپنے بچہ کو بھی پلایا۔

☆ اس طرح بیت اللہ (خانہ کعبہ) کے قریب بابرکت جگہ میں زندگی کا آغاز ہوا' ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی' اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہونے لگے' قبیلۂ جرہم کا ایک قافلہ آیا' انہوں نے ہاجرہ اور اس کے طفل ''اسماعیل'' کو دیکھا اور ہاجرہ سے پانی پینے کی اجازت چاہی' ہاجرہ نے ان کو یہ کہتے ہوئے اجازت دے دی: اللہ تعالیٰ نے یہ پانی میرے اور میرے بیٹے کے لئے نکالا ہے' اب یہ اللہ کے لئے ہے' ساری مخلوق اسے پیئے گی۔ قبیلہ جرھم کے لوگ وہاں حرم میں ٹھہر گئے' اور وہ لوگ طفل ''اسماعیل'' اور اس کی والدہ کے پڑوسی اور اُنس کا ذریعہ بن گئے۔

(دیکھو: نہایۃ الادب ۱۳/ ۱۱۷' دلائل النبوۃ للبیھقی ۲/ ۴۷' ۴۸)

ہاجرہ کا دل سُرور اور خوشی سے بھر گیا' اللہ نے تنگ حالی کے بعد کشادہ حالی عطا کر دی۔ اسماعیل اور اس کی والدہ ہاجرہ کو بیت الحرام کے پاس چھوڑ جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا تاکہ انہیں اطمینان حاصل ہو' جب وہ بیت اللہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ یہاں تو رونقیں لگی ہیں' چہل پہل ہے' آبِ زمزم کا شیریں چشمہ جاری ہے' لوگوں کی نقل و حرکت' آنا جانا ہے' لوگ آبِ زمزم پی رہے ہیں اور پلا رہے ہیں' آپ کا شرح صدر ہوگیا' آپ کو اطمینانِ قلب حاصل ہوگیا' یقیناً یہ سب کچھ اللہ کی رحمت اور برکات کا نتیجہ ہے' جس کا اتمام اس نے اس کے فرزندِ ارجمند پر کر دیا جس کی بہت پہلے اسے خوشخبری ملی تھی' ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب فرزندِ دلپسند سے ملے۔ بیٹے پر حلم و عمل کے آثار ظاہر ہو رہے تھے' یہ وہ بیٹا ہے جس کے بارے میں اللہ کو یہ منظور تھا کہ وہ بیت اللہ کے پاس نشو و نما پائے اور یہ منظور تھا کہ ہمارے حبیب نبی سیّدنا محمد ﷺ بن عبداللہ ان کی اولاد و نسل سے پیدا ہوں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل سے مل کر بہت خوشی ہوئی' اور

انس حاصل ہوا' اسماعیل بہت جمیل اور مطمئن تھے' جب اسماعیل کچھ جوان ہوئے' ابرہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ اپنے اکلوتے محبوب بیٹے ''اسماعیل'' کو ذبح کردو' انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری رقم ۱۳۸'۸۵۹)

یقیناً انبیاء علیہم السلام کے خواب برحق ہوتے ہیں' یہ خواب دو مکرم اور حلیم نبیوں کی آزمائش تھا' رحیم و حلیم باپ اور خلیل اللہ ''ابراہیم علیہ السلام'' نے اپنا خواب اپنے فرمانبردار نیک و متقی بیٹے کے سامنے پیش کیا' ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے کہا:

﴿یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ (الصافات:۱۰۲)

''بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامرِ الٰہی) ذبح کر رہا ہوں' سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟''

بیٹے نے بھی کامل اطاعت و فرمانبرداری اور رضا و تسلیم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

﴿یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (الصافات:۱۰۲)

''وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تأمل) کیجئے' ان شاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

اللہ اکبر! یہ ایسے لمحات ہیں جو ایمان و تسلیم اور اطاعتِ خداوندی سے بھرے ہوئے ہیں' ان میں بلند صبر و ہمت اور اعلیٰ فضائل و اخلاق کے رنگ موجود ہیں' دو کریم نبی حکمِ الٰہی کی تعمیل کی ابتدا کرتے ہیں' اپنی بھرپور وسعت و طاقت کے مطابق امر الٰہی کا نفاذ شروع کرتے ہیں۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے سوا سارے مراحل طے کر لئے' بس اللہ نے اس عظیم اطاعت کو قبول فرمایا' امتحان مکمل ہو چکا تھا' امتحان میں کامیابی کے آثار نمایاں ہونے لگے' روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام عظیم ربانی بشارت کے ساتھ عظیم قربانی لے کر آئے:

﴿وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ' اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ

عَظِیمٍ ﴿ (الصافات ۱۰۴-۱۰۷)

''ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ (شاباش) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا' ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے تھے' حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان' اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دیدیا''

شیخ عبدالغنی النابلسیؒ نے اس واقعہ کو ایک طویل قصیدہ میں اشعار کے اندر ڈھالا ہے۔

وَجَـاءَ الـوحـي فـي الـرؤيـا   اليـه بـذبـح ابن له شهمٍ نبيلٍ

فـأتـكـاه ليـذبـحـه امتثـالا   لامـر الـمالك الحق الكفيل

ولـم تـقـطـع بـه السكين حتى   فـداه الـلّٰـه بـالـكبش الجليل

''ابراہیم علیہ السلام کو وحی بصورتِ خواب آئی کہ اپنے ہوشیار و عقلمند بیٹے کو ذبح کردو' چنانچہ انہوں نے حق تعالیٰ جو مالک و کفیل ہیں' کہ حکم کی تعمیل میں بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے نیچے لٹایا' ابھی چھری نے نہیں کاٹا تھا کہ اللہ نے ایک عظیم ذبیحہ اس کے عوض دیدیا''۔

یہ اللہ کے نبی اسماعیل علیہ السلام کے زمانۂ بچپن کے چند اشارات تھے' مربی ان کو مختلف انداز سے اپنے بچوں کے سامنے بیان کرسکتا ہے' بشرطیکہ قرآنی مضمون کے خلاف نہ ہو' مربی اس قصہ کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر کے بھی روایت کرسکتا ہے' مثلاً اسماعیل کے حمل اور ان کی ولادت کا قصہ بیان کیا جائے پھر اسماعیل اور ان کی والدہ کا مکہ مکرمہ میں قیام کا واقعہ بیان کرے' نیز مربی صرف خواب ابراہیمی کا قصہ بھی بیان کرسکتا ہے' اور ترغیب و تشویق اور سوال و جواب کا اسلوب و انداز اپنائے' تاکہ بچہ کے دل میں اس قصہ کا اثر پیدا ہو' قصہ بیان کرنے کے بعد اس سے حاصل شدہ سبق اور عبرت و موعظت ذکر کرے' جیسے حلم و بردباری' طاعت و فرمانبرداری' اخلاص' تکالیف پر صبر کرنا' اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا' بیٹے کا اپنے باپ کی فرمانبرداری کرنا وغیرہ' اس کے ساتھ ساتھ وہ آیات جو اس کی مؤید ہوں ذکر کرتا رہے۔

☆ اب کیا خیال ہے؟ کیا ہم ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا قصہ ایک خوبصورت قصیدہ کی صورت میں ملاحظہ کریں؟ بہت خوب' بس اب ہمیں وہ قصیدۂ جمیلہ سننے کے لئے اپنے کان متوجہ کر لینے چاہئیں' ہم اپنے عزیز بچوں کے سامنے اس قصیدہ کو پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اس کو یاد کر سکیں اور بار بار دھرا سکیں' نیز تاکہ یہ قصیدہ طاعت وصبر میں ان کے لئے شعار بن سکے۔

درج ذیل قصیدہ مجھے ایک فاضل استاذ کے ہاتھوں دستیاب ہوا' اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ جزیل عطا فرمائیں' جزاہ اللہ خیراً' وہ قصیدہ جمیلہ یہ ہے:

فاضت بالعبرة عيناه ❖ اضناه الحلم واشقاه
شيخ تتمزق مهجته ❖ تتندىٰ بالدّمع لحاه
ينتزع الخطوة مهمومًا ❖ والكونُ بنا شد مسراه
وغلامٌ جاء على كبير ❖ يتعقّب فى السير اباه
والحيرة تثقل كاهله ❖ وتبعثر فى الدّرب خطاه
ويهمّ الشيخ لغايته ❖ ويشدّ الابن بيمناه
بلغا فى السعى نهايته ❖ والشيخ يكابد بلواه
لكنّ الرؤيا لنبيٍّ ❖ صدقٌ وقرارٌ يرضاه
والمشهد يبلغ ذروته ❖ واشدّ الامرِ واقساه
إذ تمرق كلمات عَجلىٰ ❖ ويقصّ الوالد رؤياه
وامِرتُ بذبحك ياولدى ❖ فانظر فى الامر و عقباه
ويجيب الابن بلافزع ❖ افعلُ ماتؤمر ابتاه
لن اعصى لإلهى امرًا ❖ من يعصى يومًا مولاه؟
واستلّ الوالد سكينًا ❖ واستسلم ابنٌ لراده
القاه برفقٍ لجبين ❖ كى لا تتلقّى عيناه

ارأيتم قلبًا نبويًا ❖ يتقبّل امرًا يأ باه؟
أرأيتم ابنًا يتلقى ❖ امرًا بالذبح ويرضاه
وتهزّ الكونَ ضراعاتٌ ❖ ودعاءٌ يقبله اللّهُ
تتوسّل للملاء الاعلىٰ ❖ أرض و سماءٌ ومياهُ
ويقول الحقّ ورحمتُه ❖ سبقت فی الفضُل عطاياه
صدَقت الرؤيا لاتحزن ❖ يا ابراهيم فدينا ه

''ان کی آنکھیں اشکبار ہوئیں' ضبط وتحمل نے ان کو کمزور اور لاغر کر دیا' شیخ کا دل پارہ پارہ ہوتا ہے' آنسوؤں سے داڑھی بھیگ جاتی ہے۔ غمگین حالت میں قدم اٹھاتے ہیں'اور کائنات ان کے قدم بقدم چلتی ہے' بڑھاپے کے وقت فرزند عطا ہوا' جو اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا ہے' سرگردانی ان کے کندھوں کو بوجھل کر رہی ہے'اور ان کے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں' مگر شیخ اپنے اصل مقصود کے لئے فکرمند ہیں اور بیٹے کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے ہیں' دونوں چلتے ہوئے اپنے مقام کو پہنچتے ہیں' اور شیخ اس آزمائش کو جھیلتے ہیں' لیکن نبی کا خواب سچا اور قرارِ دل کا باعث ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں' یہ واقعہ اپنی انتہاء کو پہنچتا ہے اور یہ امر کتنا شدید اور سخت ہوگا' جب جلدی سے چند کلمات نکلتے ہیں اور باپ اپنے بیٹے سے بیان کرتا ہے' کہ بیٹے! مجھے تیرے ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے۔

لہٰذا تم اس بات کو اور اس کے انجام کو سوچ لو' بیٹا گھبرائے بغیر جواب دیتا ہے کہ ابا جان! جو حکم ملا ہے اس کو بجالائیے' میں اپنے معبود کے کسی حکم کی نافرمانی ہرگز نہیں کروں گا' اپنے مولیٰ کی کون نافرمانی کرتا ہے؟ باپ نے چھری نکالی اور بیٹے نے سرِ تسلیم خم کر دیا' باپ نے ان کو پیشانی کے بل نرمی سے نیچے لٹایا' تا کہ ان کی آنکھیں اس منظر کو نہ دیکھیں' کیا تم نے کسی

نبی کا دل دیکھا ہے جو کسی حکم کو قبول نہ کرتا ہو؟ کیا تم نے ایسا بیٹا دیکھا ہے جس کو ذبح کا حکم ملا ہوا اور وہ اس سے راضی ہو؟ ان کی مقبول دعائیں اور تضرعاتِ کائنات کو جھنجورنے لگیں، زمین و آسمان اور پانی نے ملاءِ اعلیٰ سے استدعا کی۔

رحمتِ خداوندی اور فضلِ خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، غم نہ کرو، ہم نے اس کا عوض دیدیا"۔

﴿فصلِ سوم﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا ذکر:

قابلِ قدر خاندانِ ابراہیمی میں سے ایک معزز شخصیت ''یوسف'' کی بھی ہے۔ یوسف کے بارے میں حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ شریف ابن شریف ابن شریف یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ (بخاری۔الانبیاء برقم ۳۳۷۴' ومسلم۔فضائل برقم ۲۳۷۸)

یہ یوسف' اللہ کے ان نبیوں میں سے ایک نبی ہیں جن کا قرآنِ کریم میں کئی بار ذکر آیا ہے' سورۂ یوسف میں ان کے بچپن کا قصہ مفصل طور پر اثر انگیز اور سحر انگیز طریقہ پر آیا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) کے گیارہ بھائی تھے۔ یوسف چودھویں کے چاند کی طرح خوبصورت تھے۔ اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت پیارے تھے' اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام دوسروں کی بہ نسبت یوسف سے زیادہ خاص اور خالص محبت فرماتے تھے' یہی محبت بھائیوں کے حسد اور یوسف اور ان کے والد سے مکر وفریب کا باعث بنی تھی' یوسف (علیہ السلام) بڑے پاک باطن' صاف دل' راست گو' محبت کرنے والے' اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں ذکر کرنے والے' اطاعت گزار اور حسین صورت اور حسین سیرت کے مالک تھے۔

ایک روز یوسف نے (بچپن میں) عجیب سا خواب دیکھا اور اس خواب کو اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے سامنے بیان کردیا' اس خواب کا حاصل یہ تھا کہ انہوں نے گیارہ ستارے اور سورج و چاند دیکھے کہ وہ اس کو سجدہ کررہے ہیں' یعقوب علیہ السلام جان گئے اور انہوں نے اس امر کا ادراک کرلیا کہ اس عظیم خواب میں اس جمیل اور صاف دل بچہ کے لئے خیر و بھلائی مضمر ہے' اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے والدین اور بھائی اس کی سلطنت کے آگے جھکیں گے' نیز حضرت یعقوب علیہ السلام اس خواب سے سمجھ گئے کہ عنقریب اللہ

تعالیٰ یوسف کو حکمت و نبوّت کی دولت سے سرفراز و ممتاز فرمائیں گے اور دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرمائیں گے، مگر حضرتِ یعقوب علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ یوسف اپنے کسی بھائی سے اس خواب کا تذکرہ نہ کردے، پھر اس کے بھائی اس سے اللہ کے عطا کردہ خصوصی فضل کے بارے میں حسد کرنے لگیں گے، حسد کے نتیجہ میں پھر وہ بھائی یوسف کو کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں، اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف کو منع کیا کہ تم اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آتا ہے:

﴿قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (یوسف:۵)

''انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا پس وہ تمہارے لئے خاص تدبیر کریں گے، بے شک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے''۔

یعقوب علیہ السلام کی اولاد آگ بگولہ ہونے لگی اور حسد کرنے لگی، یوسف ہی کو ترجیح دیتے ہیں، اسی سے زیادہ محبت کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے یوسف کے بارے میں باہم مشورہ کیا کہ اس کا کیا کیا جائے؟ اسے یا تو قتل کردیتے ہیں یا پھر کہیں دور لے جا کر کسی کنوئیں میں ڈال آتے ہیں، جب بھائیوں کا باہمی اتفاق ہوگیا تو اپنے والد کے پاس آئے اور آکر کہنے لگے:

﴿مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (یوسف:۱۱۔۱۲)

''کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں، آپ اسے کل کو ہمارے ساتھ بھیجئے کہ ذرا وہ کھائے کھیلے، اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے''۔

یعقوب علیہ السلام نے ان کے اس مطالبہ کی وجہ سے اپنے دل میں خوف محسوس

کیا' انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ یہ برادرانِ یوسف اس کے محبوب اور پیارے بیٹے یوسف' کو کوئی نقصان پہنچائیں گے' مگر حضرتِ یعقوب علیہ السلام نے اپنے اس خطرے کے احساس کا ذکر ان کے سامنے نہیں کیا' بلکہ فرمایا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں بھیڑیا اس کو نہ کھا جائے' تو انہوں نے فوراً بظاہر تسلی بخش جواب دیا کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بھیڑیا ہمارے ہوتے ہوئے اس کو کھالے' ہم تو بڑی قوت وطاقت کے مالک ہیں' اگر بالفرض ایسا حادثہ ہوتا ہے اور ہم سب وہاں موجود ہوں تو یہ ہمارے لئے بڑی ہلاکت و عاجزی کا مقام ہوگا' یعنی پھر ہمیں تو ڈوب مرنا چاہیئے' وہ برابر اصرار کرتے رہے اور مناتے رہے حتیٰ کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف کو ان کے ہمراہ بھیج دیا' ابھی آنکھوں سے اوجھل ہی ہوئے تھے کہ یوسف کے بھائی یوسف کو بُرا بھلا کہنے لگے اور اپنے قول اور عمل سے اذیت پہنچانے لگے' اور انہوں نے یوسف میں حلم و بردباری کا جو وصف دیکھا تھا اس کا مذاق اڑانے لگے' اس کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اسے کنوئیں کے اندر ڈال دیا جائے' چنانچہ انہوں نے ننھے یوسف کو کنویں میں ڈال دیا' لیکن رحمٰن و رحیم ذات نے یوسف کی طرف وحی نازل کی کہ ایک دن تو ضرور اس مصیبت سے خلاصی پائے گا جس میں تو مبتلا ہے' اور ایک دن ایسا آئے گا کہ تو اپنے بھائیوں کو ان کی بدسلوکی یاد دلائے گا' اس وقت تیری شان عظیم ہوگی' مرتبہ اونچا ہوگا اور وہ تیرے پاس محتاج ہوکر' سہمے ہوئے اور تیری بخشش کے طلبگار ہوکر آئیں گے۔ (قصص الانبیاء: ص ۲۴۹)

☆ برادرانِ یوسف اس خوفناک دن کی شام کو واپس لوٹے جس دن انہوں نے یوسف کے خلاف باہم مشورہ' حسد اور مکروفریب کیا تھا' اپنے والد کے پاس جھوٹی خبر لے کر آئے' مگر مچھ کے آنسو بہارہے تھے' یوسف کے کرتہ پر جھوٹا خون لگالیا تھا' اور دعویٰ کیا کہ بھیڑیا یوسف کو کھا گیا ہے' یہ کرتہ اس بات کا ثبوت ہے' ہم پر تو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ گیا ہے' ہم اگرچہ سچ بھی بولیں گے تو آپ کو یقین نہیں آئے گا' ہاں البتہ آپ بھی معذور ہیں۔

☆ مگر حضرتِ یعقوب علیہ السلام کو ان کی مشاورت کا علم ہوگیا' ان کی حالت ان پر پوشیدہ نہ رہی' آپ نے اس کرتہ کو پکڑا' دیکھا تو اس کرتہ پر خراش تک کا کوئی اثر ونشان نہیں

تھا' چنانچہ ان کا مذاق اڑاتے ہوئے اوران کی تحقیر کرتے ہوئے فرمایا' یہ بھیڑیا کتنا حلیم و بردبار تھا جس نے یوسف کو کھالیا' اوراس کے کرتہ کونہیں پھاڑا' پھران سے کہنے لگے:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ (یوسف:۱۸)

''بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے' سو (خیر) صبر بہتر ہے اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے''۔

اللہ تعالیٰ کی لطیف رحمت دیکھئے کہ وہ کنواں جس میں وہ یوسف کو ڈال گئے تھے اس کا پانی بہت کم تھا' یوسف اس کنوئیں میں بیٹھے انتظار کررہے تھے کہ کب اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے اوراس کو مصیبت سے نکالیں گے' حالات بدلتے ہیں' کشادہ حالی کا وقت آپہنچتا ہے' چنانچہ ایک قافلہ آیا وہ مصر جارہا تھا' انہوں نے آگے چلنے والے کو پانی کی تلاش میں بھیجا' اس نے اس کنوئیں میں اپنا ڈول ڈالا' یوسف اس ڈول کے ساتھ چمٹ گئے' وہ آدمی اس پر بہت خوش ہوا اوراس نے خوشخبری دی کہ'

﴿يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ﴾ (یوسف:۱۹)

''خوشخبری' یہ لڑکا ہے''۔

☆ قافلہ والوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اس بچہ کو غلام بنا کر مصر میں فروخت کریں گے' چنانچہ انہوں نے یوسف کو غلام سمجھ کر اپنے ساتھ رکھ لیا' اور خیال کیا کہ سامانِ تجارت میں سے ایک یہ بھی غلام ہے' اسی حال میں مصر پہنچے' اور غلاموں کے بازار میں یوسف کو فروخت کرنے کے لئے پیش کیا' حالانکہ یوسف خوددار' شریف اور آزاد تھے' بس انہوں نے یوسف کو کم قیمت پر بیچ دیا۔ اللہ عزوجل اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾ (یوسف:۲۰)

''انہوں نے اس کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا' چند درھم کے عوض' اور وہ لوگ اس کے قدردان نہیں تھے''۔

☆ عزیزِ مصر نے یوسف کو خرید لیا' وہ بڑا وزیر اور پولیس کا افسر تھا' عزیزِ مصر کو یوسف میں خیر و بھلائی کے آثار معلوم ہوئے' یوسف کو اپنے پاس بلند مرتبہ پر رکھا' اور ان کے حسنِ دین' اخلاق اور صدق و امانت سے اکتساب کیا' اور اپنی بیوی کو تاکیدی حکم دیا:

﴿اَكْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾(یوسف:۲۱)

''اس کو خاطر سے رکھنا' شاید یہ ہمارے کام آئے' یا ہم اس کو بیٹا بنالیں''

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی یوسف (علیہ السلام) کا بہت سی چیزوں سے اکرام کیا' سورۂ یوسف میں اس کا مفصّل ذکر آیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کا قصہ انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک شاندار اور عمدہ مثال ہے' اس قصہ سے ہمیں یہ اسباق حاصل ہوتے ہیں:

یوسف کا اپنے بھائیوں کے حسد اور فریب کاریوں پر صبر وضبط سے کام لینا اور مصر کے اندر غلامی اور بے وطنی کی زندگی گزارنا' اللہ تعالیٰ کا فضائل وانعامات کا انہیں تاج پہنانا۔

کنوئیں کی گہرائی میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر عظیم بھروسہ کرنا اور مطمئن ہونا۔

ولادت سے لیکر وفات تک اپنی فطرت کے مطابق حسنِ سلوک کرنا اور وفاداری کرنا' یوسف علیہ السلام کی تربیت تقویٰ کے ماحول میں ہوئی' خاندانِ یعقوبی سے حاصل ہونے والے اخلاقِ نبوی سے ان کی پرورش ہوئی' ان اعلیٰ اخلاق کا اثر خود ان کی ذات میں نظر آیا' ان کی حیاتِ مبارکہ میں اس کے ثمرات ظاہر ہوئے' حضرت یوسف علیہ السلام عمدہ نشو ونما و اعلیٰ فضیلت رکھنے والے شریف النسل پیغمبر تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں تعبیرِ خواب کا علم عطا فرمایا تھا' اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔

☆ تربیت کرنے والے اس قصہ سے مفید اور نافع مواد حاصل کر کے بچوں کی تربیت و پرورش کر سکتے ہیں' اور ان کو اعلیٰ فضیلت و مرتبت کا حامل بنا سکتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

﴾فصلِ چہارم﴿

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ذکر:

موسی بن عمران بھی اللہ تعالیٰ کے ان نبیوں میں سے ایک ہیں جن کا قرآنِ کریم میں صاف اور واضح نقشہ کھینچا گیا ہے' قرآن نے ان کی حیاتِ طفولیت کے بہت سے پہلو ذکر کیئے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی عنایات والطاف کا علم ہوتا ہے اور بہت سے دیگر فوائد و نصائح اور اسباق حاصل ہوتے ہیں۔

☆ ولادتِ موسی سے قبل مصر کا حکمران ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنا رکھا تھا اور وہ اس کی فرمانبرداری کرتے تھے' اس شخص کو ''فرعون'' کہا جاتا ہے' لوگوں میں سب سے زیادہ سنگدل اور سخت دل مشہور تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ اس کی سلطنت عنقریب ایک بچہ کے ہاتھ سے زوال کا شکار ہونے والی ہے' جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا' وہ (بچہ) لوگوں کو ظلم وستم سے خلاصی دلائے گا' فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت اس کے ہاتھ سے ہوگی۔

☆ فرعون اس خواب کی وجہ سے بے چین اور پریشان ہوگیا' خوفزدہ اور مضطرب ہوگیا' فرعون نے اپنے خواب کا ذکر نجومیوں اور معبرین کے سامنے کیا' انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں' محض پریشان کن خیالات ہیں' انہوں نے اصل حقیت کو مخفی رکھا۔

(نهاية الادب : ۱۳/ ۱۷۸)

فرعون نے اپنے وزراء اور اہلِ مملکت سے اپنے خواب کے بارے میں مشورہ کیا' جو وہ بار بار دیکھ رہا تھا جس میں یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک بچہ کے ہاتھ سے خود اس کی اور اس کی مملکت تباہ ہوگی' سب نے یہ مشورہ دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے' صرف لڑکیاں زندہ چھوڑی جائیں' فرعون نے اس پر عمل کرتے ہوئے تمام شہروں میں اپنا لشکر بھیج دیا جس کا کام یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اس کو قتل کر

دیتے' اتنے بچے بنی اسرائیل کے قتل کئے گئے کہ بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے ستر ہزار بچے قتل کروائے۔ (قصص الانبیاء، ص۔۳۱۰)

یوں بنی اسرائیل' فرعون اور اس کے کارندوں کی طرف سے سرزمینِ مصر میں عظیم ظلم وستم کا شکار ہوئے' جب اس سنگدل نے بنی اسرائیل کے ہر مذکر (لڑکے) کے قتل کردینے کا فرمان جاری کیا تو ظلم وفساد اپنی انتہاء کو پہنچ گیا' فرعون نے ان کو ذلیل خوار کرکے رکھ دیا' زمین میں سرکشی کرنے لگا۔

اللہ عزوجل اس کا ذکر فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآئَهُمۡ وَيَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَ هُمۡ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ﴾ (القصص:۴)

''فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان میں سے ایک جماعت (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا' ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا' اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا' واقعی وہ بڑا مفسد تھا''

☆ فرعون نے مکمل طور پر اس بات سے بچنے کی کوشش کی کہ کہیں ایسا بچہ پیدا نہ ہوجائے۔ حتی کہ اس نے اس کے لئے کچھ آدمی مقرر کردیئے تھے جو حاملہ عورتوں کے پاس چکر لگایا کرتے تھے' ان لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ حاملہ عورت کس وقت بچہ جنے گی' اس لئے جب بھی بنی اسرائیل کی کوئی عورت لڑکا جنتی تو اسی وقت وہ ذبح کرنے والے لوگ اس کو ذبح کردیتے۔ (قصص الانبیاء:۳۱۰)

لیکن خدا کی تقدیر اس سرکش (فرعون) کے تاک میں تھی' تقدیر بزبانِ حال کہہ رہی تھی: اے ظالم جابر بادشاہ' اپنی سلطنت کی وسعت' قوت وطاقت اور لشکر کی کثرت پر مغرور شخص' سن لے! اس عظیم ذات نے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتی' جس کے سامنے کوئی

شے حائل و مانع نہیں ہوسکتی، جس کا فیصلہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا' یہ فیصلہ کردیا ہے کہ جس بچہ سے تو بچنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے' جس کے سبب تو نے ان گنت اور بے شمار معصوم جانوں کو قتل کروادیا ہے' اس بچہ کی تربیت تیرے گھر میں ہوگی' تیرے بستر پر ہوگی' تیرے گھر میں شاہی کھانے کھائے گا اور مشروب پئیے گا' تو اس کو اپنا بیٹا بنائے گا۔ اس کی تربیت و پرورش کرے گا' تمہیں حقیقتِ حال کا بالکل علم نہ ہوگا' بالآخر تیری دنیا و آخرت اس کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگی' اس لئے کہ تو نے واضح حق کی مخالفت کی' حکمِ الٰہی کی تکذیب کی' یہ سب کچھ اس لئے ہوگا تاکہ تو بھی اور دوسری ساری مخلوق اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ آسمانوں کا رب صرف وہی ہے جو جو چاہتا ہے کرتا ہے' وہی قوی و شدید ہے' عظیم قوتوں کا مالک ہے' ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے' اس کے ارادہ اور مشیت کے سامنے کوئی شے حائل نہیں ہوسکتی۔ (قصص الانبیاء: ۳۱۰)

☆ بلا و مصیبت' ظلم و فساد' قتلِ اولاد اور استحیاءِ نساء (عورتوں کو زندہ چھوڑنا) کا خوفناک طوفان جاری تھا کہ اس دوران امِ موسیٰ حاملہ ہوئیں' ظالموں' باغیوں' فسادیوں اور سرکشوں کو اس کا علم نہ ہوا' جب وقتِ ولادت قریب آیا' امِّ موسیٰ کے ہاں نصف شب کو بیٹا پیدا ہوا' اس وقت پاس صرف ان کی بیٹی تھی' جب پیدا ہوئے تو چہرہ نور سے منور تھا' امِ موسیٰ کو بہت زیادہ خوشی تھی' مگر خوف بھی سوار تھا' انہیں موسیٰ کی زندگی کی شدید حرص و خواہش تھی' تقریباً تین ماہ اس کو دودھ پلایا' حال یہ تھا کہ فرعون اور اس کے کارندوں کا خوف و رعب سر پر سوار تھا' ایک دن امِّ موسیٰ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کا راز منکشف نہ ہوجائے' سب کو اس کا پتہ نہ چل جائے۔

اپنے بچے کے بارے میں فرعونیوں کا خوف طاری ہوا جو اس بات کے پابند تھے کہ بنی اسرائیل کی مذکر اولاد کو تلاش کر کے قتل کردیں' اللہ تعالیٰ نے امِ موسیٰ کو الہام کیا کہ ایک صندوق بناؤ' اس میں اس بچہ کو رکھ کر دریا میں ڈال دو' اللہ نے امِ موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تمہیں رنج و غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' تیرالختِ جگر دریا میں جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اس کو ضرور تیرے پاس واپس لائے گا' اور وہ اس کو نبی و پیغمبر بنائے

گا' اور دنیا و آخرت میں اس کی شان بلند ہوگی' بہر حال امِ موسیٰ نے وہی کیا جو اللہ نے ان کے دل میں ڈالا' موسی کے لئے صندوق تیار کیا اس صندوق میں موسی کو رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریا کا پانی صندوق کو لے کر چلنے لگا یہاں تک وہ صندوق دریائے نیل کے کنارے آباد قصرِ فرعون کے قریب آ پہنچا۔ موسی کی بہن مریم دور سے دیکھتی رہیں اور پیچھے پیچھے چلتی رہیں' اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچہ کے لئے فرعونی محل کی عورتیں تیار کر دیں چنانچہ فرعون کی بیٹی نے اس بچہ کو اٹھالیا اور اس سے محبت کرنے لگیں' اور اس بچہ کو شاہی محل میں لے گئیں' سب کو علم تھا کہ یہ بچہ بنی اسرائیل کا ہے' جس کے خلاف قتل کا فیصلہ ہوا ہے کیونکہ فرعون نے سارے مصر میں اس کا اعلانِ عام کر رکھا ہے۔

☆ جس وقت موسی کو فرعون کے پاس لے جایا گیا تو ان کی بہن بہت بے قرار ہوئیں' ان کا دل دہل گیا' لیکن اصل متصرف ذات اللہ رب العالمین کی ہے' وہی علیم وخبیر ہے' بڑی آسانی سے موسی فرعونی محل میں داخل ہو گئے' جو بھی دیکھتا اس کے دل میں موسی کی محبت گھر کرنے لگتی' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی تھی' فرعون کی بیوی' آسیہ نے اس طفل کو دیکھا تو اللہ نے اس کے دل میں بھی اس کی محبت جاگزیں کر دی' یہ مومن عورت تھیں' سورۃ التحریم میں ان کا ذکر آیا ہے' آسیہ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ اس بچہ کو زندہ رہنے دیا جائے' تا کہ یہ بچہ ہمارے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے' کہنے لگیں:

﴿عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ (القصص:۹)

''شاید کہ یہ بچہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں''۔

☆ بیٹا ''موسیٰ'' قتل ہونے سے بچ گیا' لیکن موسی کی ماں کا کیا حال ہوگا جسے صرف اپنے بیٹے ''موسیٰ'' ہی کی فکر لگی ہوئی ہے' جب امِ موسیٰ کو پتہ چلا کہ اس کا بیٹا بچ گیا ہے تو ان کی بے قراری اور فکر و پریشانی دور ہو گئی' فرعونی محل والوں نے اس کو بیٹا بنالیا' بیٹی نے اپنی والدہ کو خبر دی۔

☆ قصرِ فرعونی کی عورتیں پیارے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے مرضعہ (دودھ پلانے

والی) تلاش کرنے لگیں' جو مرضعہ بھی لائی جاتی بچہ اس کی چھاتی کو قبول نہ کرتا' کسی عورت کا دودھ پینا قبول نہ کرتا' اور کوئی کھانے کی چیز بھی نہیں لیتا تھا' سب حیران و پریشان ہوئے' انہوں نے غذا دینے کی ہر ممکن کوشش کرلی مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے' جو چاہتے تھے وہ نہ کرسکے' اللہ ربّ العزت اس کا ذکر فرماتے ہیں:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (القصص:۱۲)

''حرام کردیا ہم نے اوپر اس کے دودھ دائیوں کا پہلے اس سے''۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے لئے دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کردیا تھا' اور ان کو چھاتی قبول نہ کرنے کا الہام کردیا تھا' مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یہ بچہ اپنی ماں کے پاس واپس لوٹ جائے ان کی آنکھیں دیکھ کر ٹھنڈی ہوں' جب موسیٰ کی ہمشیرہ نے دیکھا کہ لوگ اس کے بھائی سے محبت کرنے لگے ہیں اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں' انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا ہے' اور وہ اب کسی دایہ کی تلاش میں ہیں' تو خود ہی آگے بڑھ کر ان سے کہنے لگیں:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْنَه' لَكُمْ وَهُمْ لَه' نٰصِحُوْنَ﴾ (القصص:۱۲)

''کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں' اور وہ (دل سے) اس کی خیر خواہی کریں''۔

سب نے اس پر اتفاق کیا' وہ بصد شوق اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ابھی تک اس کا حل انہیں معلوم نہ ہوسکا تھا۔

☆ جلدی سے عورتیں امِ موسیٰ کو فرعون کی بیوی کے پاس بُلا لائیں' ماں نے اپنی چھاتی بچہ کے قریب کی' بچہ پوری رغبت اور شوق سے دودھ پینے لگا' ان لوگوں نے اس کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے بطورِ اجرت رکھ لیا' رضاعت و کفالت پر اجرت اور دیگر نفقات و انعامات دیئے جائیں گے۔ اس طرح امِ موسیٰ اپنے بچہ کو لیکر گھر واپس لوٹیں' اللہ تعالیٰ نے دونوں کو پھر ملا دیا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ان کی والدہ کی طرف اس لئے لوٹا دیا تا کہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور فراق پر غمزدہ نہ ہوں، نیز تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ نے بطورِ الہام واپسی کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ فرعونی گھرانے کے خیال کے مطابق موسیٰ (علیہ السلام) کی مدّتِ رضاعت اور کفالت ایک مرضعہ کے ہاتھ پر پوری ہوئی، حالانکہ موسی درحقیقت اپنی ماں کے ہاتھوں میں تھے، رضاعت وکفالت کی تکمیل کے بعد وہ بچہ شاہی محل میں واپس لوٹا دیا گیا، وہاں موسی کی نشوونما اور تربیت ہوئی، جب پرورش پا کر بھری جوانی کو پہنچے اور عقلی اور جسمانی اعتبار سے کامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وحکمت، صحت وعقل اور قوت وجمال کی نعمتوں سے مالا مال فرمایا، آپ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہوئے۔

قصہ کا باقی حصہ معروف ومشہور ہے، قرآنِ کریم میں اس کا ذکر موجود ہے، تیس سے زیادہ سورتوں میں موسی علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

☆ مربی بچوں کی تربیت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ اس کو چاہئیے کہ بچوں کے دل میں رحمت وشفقت اور محبت ورأفت کے جذبات کو فروغ دے، انہیں یاد دلائے کہ اللہ نے موسی علیہ السلام پر کس طرح اپنی عنایات اور کرم نوازیاں فرمائیں، موسی کے دودھ پینے کا کیسے انتظام کیا اور اس کے لئے کس طرح اسباب پیدا فرمائے، اور کس طرح اس ذاتِ کریم نے ان کو قتل سے بچا کر ماں کے پاس واپس لوٹایا، اور اللہ نے کس طرح فرعون کی مومن بیوی کے دل میں اس بچہ کی محبت ڈال دی تھی، جو اللہ کو اپنا ربّ ماننے پر راضی ہوئیں اور فرعون کی گمراہی یا اسکے گمراہ کن پروپیگنڈوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئیں۔

☆ مربی کے لئے ممکن ہے کہ وہ بچوں کی رضاعت کے متعلق شیریں اور مفید قصے بیان کریں اور ان بچوں سے بیان کرے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے ہمارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کس طرح دودھ پلایا، نیز اس میں بھی کوئی رکاوٹ (حرج) نہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کے زمانۂ بچپن کے واقعات بچوں سے

ذکر کئے جائیں' موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا واقعہ اگر مکرّر انداز اور شوق و رغبت کے اسلوب میں بیان کردیا جائے تو بہت بہتر رہے گا' تاکہ بچے ان واقعات کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کرکے اس بات کا ادراک کرسکیں کہ اللہ تعالیٰ بچوں کی حفاظت اور ان کی نگرانی کیسے کیسے کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی بے انتہاء مہربانیاں بچوں کے ساتھ رہتی ہیں۔

فصلِ پنجم

حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے بچپن کا ذکر:

اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ اب آخری آسمانی پیغام دے کر محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا جائے۔

نبی مکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں تا کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا قبول ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کی دی ہوئی بشارت کی تصدیق و تائید ہو۔

اللہ عزّ وجلّ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر رحمتیں اور برکتیں بھیجتے ہیں، ملائکہ بھی صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور مومنین بھی حکمِ الٰہی کی تعمیل اور تکریماً وتعظیماً اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود وسلام کا تحفہ بھیجتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ج يَاأَيُّهَا الَّذِينَ
اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبرؐ پر،
اے ایمان والو! تم بھی ان پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو''

☆ آپ ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو صرف ان کی قوم اور خاص زمان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا، مگر اب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کی بعثت اپنی قوم و زمان کے لئے بھی تھی اور بعد میں آنے والی تمام اقوامِ عالم کے لئے بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

☆ اللہ جل جلالہ نے کتاب اللہ میں بہترین قصص بیان فرمائے ہیں، بعض انبیاء و

رسل کے بچپن کا بھی ذکر کیا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' یوسف علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام' یحیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام' ان کے بچپن کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ ہم اس سے پہلے بعض پیغمبروں کے بچپن کے واقعات فصول کی شکل میں ذکر کر آئے ہیں۔ تا کہ ان سے حاصل شدہ عبرتوں اور نصائح سے تمام چھوٹے بڑے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔

☆ قرآنِ کریم نے بعض پیغمبروں کے بچپن کے قصص اس لئے ذکر کئے ہیں تا کہ وہ قصص امّتِ محمدیہ کے لئے زادِ حیات اور غذائے روزگار بن سکیں' لوگ انبیاء کے بچپن کے واقعات جان کر اس کے مطابق اپنے بچوں کی تربیت و پرورش کر سکیں' اور ان بچوں کو ان سے معلوم شدہ عبرت و موعظت کی تعلیم دے سکیں' اس لئے کہ بچوں کی طفولیتِ انبیاء اور قرآنی قصص کی روشنی میں تربیت کرنا ان کی ایمانی حرارت اور ایمانی سرمایہ میں ترقی اور اضافہ کا باعث بنتا ہے' اس طرح وہ بچے انبیاء علیہم السلام کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں گے' ان سے محبت کریں گے' ان کی اقتداء اور پیروی کریں گے' یہی وجہ ہے کہ بچے نبی کریم ﷺ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں جن پر نزولِ قرآنِ کریم ہوا' جنھوں نے اپنی امت کو انبیاء علیہم السلام کے احوال و قصص بیان کئے۔

☆ نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ بچپن سے ساری امتِ اسلامیہ مکمل طور پر آگاہ ہے' قرآنِ کریم نے بعض سورتوں اور آیتوں میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے' لیکن محمد ﷺ کے زمانۂ بچپن کا صرف بلیغ اشارہ میں ذکر کیا ہے' تفصیل سے ذکر نہیں کیا' اس کے باوجود آپ ﷺ کے بچپن کا قصہ سینوں اور سفینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے' اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی طرح اس کی حفاظت کا بھی انتظام کر دیا۔

☆ مربی پر لازم ہے کہ بچوں کو سکھائے کہ حبیبِ مکرم مربیِ اعظم ﷺ کا زمانۂ بچپن ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے' آپ ﷺ کا بچپن انتہائی صاف اور درست تھا' اعلیٰ و بلند فضائل و مکارم کا حامل تھا' آپ ﷺ عہدِ طفولیت ہی میں ''صادق و امین'' کے عظیم وصف سے معروف و مشہور ہو گئے تھے' بھلا صدق و امانت کے وصف سے بڑھ کر اور کیا

وصف ہوسکتا ہے؟

☆ نیز کامیاب تربیت کنندگان کی یہ بھی ایک ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو نبی علیہ السلام کا نسب مبارک سکھائیں' بلکہ جس قدر ہوسکے نسب شریف یاد کروائیں' والد ماجد کی طرف سے نسبِ مبارک یہ ہے' محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مُرَّہ بن کعب بن بن لوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نَضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن مَعدّ بن عدنان۔

(طبقات ابن سعد: ۱/ ۵۵' السیرۃ النبویۃ: ۱/۱)

والدہ ماجدہ کی طرف سے نسب مبارک یہ ہے: آمنہ بنت وھب بن عبد مناف بن زھرہ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فِہر بن مالک بن نَضر بن کنانہ۔

☆ صحیح مسلم میں واثلہ بن الاسقعؓ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول للہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے اولادِ اسماعیل میں سے ''کنانہ'' کو چن لیا' پھر کنانہ سے ''قریش'' کو پھر قریش سے ''بنوھاشم'' کو پھر بنوھاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

امام ابوصیریؒ نے کیا خوب شعر کہا ہے:

لَمْ تَزَلْ فِیْ ضَمَائِرِ الْکَوْنِ تُخْتَا ❖ رُ لَکَ الْاُمُّھَاتُ وَالْآبَآء

☆ حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ نفیس النسب' زکی الحسب اور طیّب الاصل ہیں۔

ایک عربی شاعر آپ ﷺ کی شان میں کہتا ہے:

نَسَبٌ تحسب العُلا بُحلاہ ❖ قَلَّدتُہ نجومَھا الجوُزَاءُ

حَبّذا عِقد سؤددٍ وَفَخَارٍ ❖ انت فیہ الیتیمۃ العَصْمَاءُ

''یہ ایک ایسے بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس سے بڑھ کر معزز کوئی دوسرا خاندان نہیں' تمام خاندانوں کے سلسلے میں ان کے خانوادہ کا نام ایسا ہے جیسا کہ ستاروں کی لڑی میں جوزاء ستارہ' کتنا اچھا ہے سرداری اور فخر کا ہار' اور آپؐ اس ہار میں ایک منفرد اور یکتا موتی کی حیثیت کے حامل ہیں''۔

☆ مربی اور خاندان کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے بچپن کے تمام حالات سے واقفیت حاصل کر کے اس کی روشنی میں بچوں کی تربیت کرے، بچوں کے سامنے شیریں اور دلکش انداز میں اس کو بیان کرے کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ " آمنہ بنت وھب" نے آپ ﷺ کو اپنے پیٹ میں کیسے اٹھایا، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ دورانِ حمل کیا کیا برکتیں، خوشخبریاں اور انوارات دیکھا کرتی تھیں۔

☆ نیز اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بچوں سے حمل اور ولادت باسعادت کے متعلق بعض اقوال بھی مناسب طریقہ پر بیان کر دیئے جائیں۔

☆ کتبِ سیرت میں وارد ہے کہ آمنہ بنتِ وھب نے کامل نو ماہ رسول اللہ ﷺ کو پیٹ میں اُٹھایا، حضرتِ آمنہ ؓ کو دورانِ حمل کسی قسم کی کوئی تکلیف یا درد کی شکایت نہیں ہوئی، نہ ہی ایسی کوئی بیماری، جو آج کل کی حاملہ عورتوں کو عموماً پیش آتی ہے، سیّدہ آمنہ دوانِ حمل فرمایا کرتی تھیں: "قسم ہے خدا کی! میں نے اس سے زیادہ خفیف حمل نہیں دیکھا، اور نہ ہی اس سے زیادہ عظیم برکت کے لحاظ سے کوئی حمل دیکھا ہے میں نے وضعِ حمل تک ذرا بھی مشقت محسوس نہیں کی۔

☆ جب نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا وقت قریب آیا آمنہ کو اس کا احساس ہو گیا، پس وہ تیار ہوئیں، جب عام الفیل بارہ ربیع الاول کا دن ہوا، چاند مکّہ کے اوپر تھا، بدر بننے کے قریب تھا، چاند نے وادیِ مکہ اور بیت العتیق پر اپنی فضائی روشنی پھیلائی ہوئی تھی، اس رات آسمان صاف و روشن ہو گیا، آسمان پر ستارے جگمگانے لگے، خوشگوار اور لطیف ہوائیں وقتاً فوقتاً چلنے لگیں، ایسے پُرسکون لمحات میں دایہ "شفّاء بنت عوف" آمنہ بنتِ وھب کے قریب ہوئیں، ولادت کا انتظار کرنے لگیں، حتی کہ ولادت کا حکمِ الٰہی صادر ہوا، شفّاء نے آگے بڑھ کر بچہ کو اپنے ہاتھوں میں لیا، شفّاء نے کچھ ایسے انوارات و برکات ملاحظہ کیں۔ جو بعد میں ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کا باعث بنے، شفّاء کہتی ہیں:
"جب محمد ﷺ پیدا ہوئے، میرے ہاتھوں میں آئے تو پہلی آواز یہ نکلی، میں نے سنا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے "رَحِمَكَ رَبُّكَ" یعنی آپ کا رب آپ پر رحم کرے، یہ فرمانا تھا کہ

میرے سامنے مشرق و مغرب کے درمیان کا علاقہ روشن ہوگیا' یہاں تک کہ میں نے ملکِ شام کے بعض محلات دیکھے' پھر میں نے آپ ﷺ کو کپڑے پہنائے اور لٹا دیا' ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ مجھ پر رعب' کپکی اور اندھیرا سا چھا گیا اور طاری ہوگیا' پھر میرے دائیں جانب روشنی ہوئی' میں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا: تم اس کو کہاں لے گئے تھے'؟ کسی نے کہا مشرق کی جانب' اور کبھی واپس نہیں لوٹے گا' ان باتوں کا میرے دل پر برابر اثر رہا' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنایا تو میں لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والی تھی۔

(دلائل النبوۃ للاصفہانی: ۱/ ۱۶۹' ۱۷۰)

☆ شفاء نے شفقت و محبت سے مولودِ مبارک کو اٹھایا' اور انہیں ان کی والدہ ماجدہ کے قریب رکھ دیا' جنہیں کچھ نیند آ گئی تھی' ماں کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے' پیارے بیٹے کا چہرہ نور اور جلال و جمال سے چمک رہا تھا' آمنہ نے کتنی بار اس بات کی تمنا کی ہوگی کہ کاش اس کے والد زندہ ہوتے' اس فرزندِ جمیل کو دیکھتے جس کی پیشانی روشن اور چہرہ حسین ہے۔

☆ رات ختم ہوئی اور صبح کی روشنی ہوئی' سورج اپنی سنہری کرنیں دنیا کے اوپر چھوڑنے لگا' آج آفتاب بھی اس مولودِ مبارک کی وجہ سے بہت مسرور اور مسکرا رہا تھا جس کی ولادت باسعادت سے دنیا روشن ہوئی' ولادت کی خبر آپ ﷺ کے جدِّ امجد عبدالمطلب کو پہنچی کہ آمنہ کے ہاں ایک پاک باطن لڑکا پیدا ہوا ہے تو وہ بہت مسرور ہوئے' عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام ''محمد'' رکھا' عرب کے لوگوں میں یہ نام معروف اور مستعمل نہ تھا' سوائے چند اشخاص کے کوئی اس اسم سے موسوم نہ تھا' جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے حق میں مقدر کر دیا ہو' سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی آپ ﷺ کی بشارت دے گئے تھے۔

امام بوصیریؒ نے کیا خوب شعر کہا:

مَا مَضَتْ فَتْرَةٌ مَنَ الرّسل اِلاَّ ❖ بشّرت قومها بك الانبياء

''ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو آپ ﷺ کے بارے میں خوشخبری دی تھی''

☆ خودان کا وجود خیر البریّہ کے ظہور پر خوش ہوا‘ شاید کہ دنیا نے شیریں کلمات کے ساتھ نغمہ سرائی کی ہو‘ زمین اور اس کی تمام اطراف آپ کے نور سے روشن ہو گئے۔

تجلّی مولدُ الهادی وعمّت ❖ بشائره البواری والقصابا

واسدت للبریة بنت وهبٍ ❖ یدًا بیضاءَ طوّقتِ الرّقابا

لقد و لدته وهّاجا منیرًا ❖ کما تلد السموات الشهابا

فقام علی سماء البیت نورًا ❖ یضیءُ جبال مکة والنقابا

''ہادیِ برحق کی ولادت کا ظہور ہوا‘ آپؐ کی بشارتیں تمام دیہاتوں اور شہروں کو شامل ہیں‘ آمنہ بنتِ وھب نے مخلوق کو ایک ایسا عمدہ تحفہ دیا جس کے سارے احسان مند ہیں آمنہ آپ کو روشن چمکتا ہوا تولد کیا‘ جیسے آسمان سے شہاب نکلتے ہیں‘ آپؐ بیت اللہ کی چھت پر نور بن کر مکہ کے پہاڑوں اور وادیوں کو روشن کرتے ہوئے چمکے''۔

☆ محبوبِ کبریا محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ دراصل بچوں کے حقوق بلکہ ساری انسانیت کے حقوق کے ثبوت اور حفاظت کی ابتداء اور انسانی لغزشات کے ازالہ کا سبب ہے:

لمّا اراد اللّٰه جلّ جلاله ❖ اَنْ یخرج الدنیا من العثرات

اهداك ربُّك للوری یاسیّدی ❖ فیضًا من الخیرات والنفحات

''جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ دنیا لغزشوں سے نکلے تو اے جناب! تیرے پروردگار نے مخلوق کو خیرات وعطیات کا فیض عطا کرنے کے لئے آپ ﷺ کو بھیجا''۔

☆ آمنہ بنت وھب کے ہاں ''خیر الناس'' کی ولادت ہوئی‘ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اس امر کی خبر تھی کہ اب دنیا میں نورِ ہدایت پھیلنے کا ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت سے زمانے بھی بابرکت ہوئے‘ آپ ﷺ کی عبیر

خوشبو کی مہک سے ساری کائنات معطر ہوگئی' ربِّ رحمٰن نے آپ ﷺ کو حسنِ صفات میں کامل ومکمل بنایا' اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلامتیاں ان پر نازل فرمائے' ہمیں بھی محبتِ رسول ﷺ سے نوازے اور آپ ﷺ کے زیرِعلم ہمارا حشر ونشر فرمائے' جب آپ ﷺ کی ولادتِ شریفہ کو چند ایام گزر گئے تو آپ ﷺ کے جدِّ امجد عبدالمطلب آپ ﷺ کے لئے مرضعہ (دایہ) تلاش کرنے لگے' مکہ کے لوگ اور متمدن لوگ بادیہ نشینوں کے پاس اپنے شیر خوار بچے شیر خوارگی کے لئے بھیج دیا کرتے تھے' کیونکہ شہروں کی آب وہوا صحت کے لئے مضر ہوتی تھی اس لئے اس سے بچانے کے لئے دیہاتوں اور کھلی جگہوں میں بھیج دیدیتے تاکہ بچہ فصیح اللسان ہو' اور دیہات کی صاف شفاف ہوا بھی اسے حاصل ہو' اور ہر طرح کے نقص وعیب سے دور بھی رہے۔

☆ دیہات کی مرضعہ (دایہ) عورتیں مکہ میں چکر لگایا کرتی تھیں اور دودھ پلانے کے لئے بچے تلاش کیا کرتی تھیں' ان میں سے ایک عورت تھیں جن کا تعلق بنوسعد سے تھا' اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس پر پڑی' وہ سعیدہ (سعادتمند وخوش نصیب) بنیں' اس لئے کہ اسے نبی مکرم محبوبِ اعظم ﷺ کی حضانت (پرورش) اور رضاعت (دودھ پلانا) کا شرف واعزاز حاصل ہوا۔

☆ امرِ عجیب ہے کہ بنوسعد کا جنگل اس سال بے آب وگیاہ اور بے نبات تھا' اس کے باشندے جانوروں کے تھنوں کے سوکھ جانے اور کھیتیوں کے خشک ہونے کی شکایت کرتے تھے' جب ''محمد ﷺ'' کا حلیمہ سعدیہ کے گھر میں نزول وقیام ہوا تو وہاں خیر ہی خیر ہوگئی' بنوسعد کے گھر سرسبز وشاداب ہوگئے' بھیڑ بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے' ہر طرف سعادت وخوش نصیبی پھیل گئی۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ محمد ﷺ جس کے پاس تشریف لے جائیں وہ خوش نصیب اور بامراد نہ ہو؟

وَاذا سخَر اللّٰهُ اناسًا ❖ لِسَعيدٍ فانَّهم سُعَداء

''جب اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو کسی نیک انسان کے لئے منتخب کرتا ہے تو خود وہ لوگ بھی اس کی وجہ سے خوش قسمت ہو جاتے ہیں''۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عہدِ طفولیت ایک لطیف وشیریں اور خوشگوار عہد ہے جیسے موسمِ بہار کے پھول ہوں، میٹھی ہواؤں کے جھونکے ہوں۔

نیز حضور ﷺ کے واقعۂ رضاعت سے نفوس صیقل ہوتے ہیں اور قلوب کو جلا ملتی ہے۔

آپ ﷺ کی رضاعت کے دوران بہت سے شاندار معجزات رونما ہوئے۔ امام بوصیریؒ نے اپنے ہمزیہ اشعار میں ان کی تلخیص کی ہے:

وبدت فی رضاعه معجزات ❖ لیس فیها عن العیون خفاء

اذ اتته لیُتمه مرضعات ❖ قلن مافی الیتیم عنّا غَنَاء

فاتته من آل سعد فتاةٌ ❖ قد ابتها لفقرها الرُّضَعاء

ارضعته لبَانها فَسَقَتْها ❖ وَبنیها اَلْبَانَهُنَّ الشَّاءُ

اُخصبَ العیشُ عندها بعد مَحْلٍ ❖ اذا غدا للنبیِّ منها غذاءُ

"آپ ﷺ کی رضاعت کے دوران معجزات ظاہر ہوئے، جو کسی کی نظروں سے مخفی نہیں ہیں، جس وقت دودھ پلانے والیاں اس یتیم کے پاس آئیں تو کہنے لگیں ہمیں اس یتیم کے عوض کیا ملے گا، پھر بنو سعد کی ایک عورت آئی جس کے فقر واحتیاج کی وجہ سے دوسرے اس کو بچہ دینے سے انکار کرتے تھے، اس نے آکر آپ ﷺ کو دودھ پلایا (جس کی برکت یہ ہوئی کہ) بکریوں کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے اور دودھ سے وہ عورت بھی اور اس کے بچے بھی سیراب ہوئے، زبردست خشک سالی کے بعد ان کو زندگی کا آرام وعیش حاصل ہوا یہ صرف اس برکت کے سبب تھا کہ حلیمہ کو آپؐ کے لئے غذا اور خوراک حاصل کرنا تھی"۔

☆ حضرت حلیمہ سعدیہ طفلِ کریم "محمد ﷺ" کا واقعۂ رضاعت بیان کرتی ہیں، اس واقعہ کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے: حلیمہ اپنی قوم کی چند عورتوں کے ہمراہ ایک کمزور دُبلی دراز گوش پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ آئیں، مکہ میں درِ یتیم "محمد ﷺ" کو قبیلۂ سعد کی عورتوں

کے سامنے پیش کیا گیا' سب نے یتیم خیال کر کے لینے سے انکار کر دیا' مگر حلیمہ نے اپنے خاوند سے اس کے بارے میں مشورہ کیا تو خاوند نے کہا کہ اس بچہ کو لے لو اور دودھ پلاؤ' ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی وجہ سے خیر و برکات عطا فرما دیں' چنانچہ حلیمہ نے ان کو لے لیا اور دودھ پلانا چاہا تو ان کی چھاتی دودھ سے بھر گئی' حلیمہ نے آپ ﷺ کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی دودھ پلایا' یہاں تک کہ حلیمہؓ کی اونٹنی کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے' ان کے خاوند نے اس کا دودھ نکالا' خود بھی دودھ نوش کیا اور بیوی نے بھی پیا' دونوں اس دودھ سے سیراب ہو گئے' خیر و برکت اور حسنِ حال کے ساتھ دونوں نے رات گزاری' جب صبح کی روشنی ہوئی تو شوہر اپنی بیوی (حلیمہ) سے کہنے لگے: حلیمہ! واللہ! میں دیکھتا ہوں کہ تو نے مبارک بچہ لیا ہے' کیا تو نہیں دیکھتی کہ جب سے ہم نے یہ بچہ لیا ہے ساری رات خیر و برکت میں گزری ہے۔

☆ حلیمہ اپنے قبیلہ میں واپس لوٹیں' ہر چیز میں خیر و برکت کا اضافہ ہو گیا' بکریوں کے تھنوں میں دودھ بڑھ گیا' گھر میں خیر و برکات کی کثرت ہو گئی' تقریباً دو سال تک خیر و برکات کی یہ حالت برابر جاری رہی' حتی کہ محمد ﷺ ایک جمیل و حسین طفل کی صورت میں ابھرے' پھر حلیمہ ان کو لے کر ان کی والدہ ماجدہ ''آمنہ بنت وھب'' کے پاس لے آئیں' حلیمہ اس بچہ کو چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھیں کیونکہ وہ اس کی برکات دیکھ چکی تھیں۔

(السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۶۲' ۱۶۳' البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۵۵)

☆ سیرتِ نبوی ﷺ کی کتابوں میں حضور نبی کریم ﷺ کے بچپن کے حسین پہلو ذکر کیے گئے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ حلیمہ آپ ﷺ کو دوبارہ لے کر بھی اپنے بادیہ میں گئیں تھیں' جب اس طفلِ میمون (مبارک بچہ) کو لے کر واپس جا رہی تھیں تو ان کا دل بچہ کی محبت میں دھڑک رہا تھا' وہی طفل جس کی پہلے بھی پرورش کر چکی تھیں اور جس کو پہلے بھی دودھ پلا چکی تھیں' چشمۂ برکات پھر پورے زور سے اُبلنے اور بہنے لگا' اور ان کی خوراک اور ضروریات میں اضافہ ہونے لگا۔

شیخ یوسف النبہانی نے اپنی ایک نظم میں اس کا اظہار یوں کیا ہے:

وَارضعتہ ذات حظٍّ وافرِ ❖ حلیمةُ من غُررِ العَشائر
کانَ لدیها القوت غیرَ یاسر ❖ فاصبحتُ ایسر اھل الحاضر

''معزز قبیلہ کی خوش نصیب حلیمہ نے ان کو دودھ پلایا' حلیمہ کے پاس خوراک کی قلت وکمی تھی' لیکن دودھ پلانے کے بعد سب لوگوں سے زیادہ خوشحال وآسودہ حال ہوگئیں''۔
واقعی یہ بات ثابت ہوگئی کہ

﴿سَعِیدۃٌ قَدْسَعِدَتْ بِسَعُد﴾
''یعنی سعیدہ (حلیمہ) سعید (حضورؐ) کی وجہ سے سعادت مند ہوگئیں''

☆ حلیمہ برابر خیر وبرکات اور سعادات کا مشاہدہ کرتی رہیں' اور آپ ﷺ کی برکات اور عمدہ اچھے حالات سے بہرہ یاب ہوتی رہیں' اللہ تعالیٰ نے کیا خوب برکتیں عطا کردیں کہ حلیمہ کے مویشی بھی اب بڑھنے لگے' ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا' بلکہ حلیمہ کے مویشیوں کی قدر ومنزلت بھی بڑھ گئی' حضور ﷺ کی برکت سے حلیمہ کے مال مویشی ایسے بلند مرتبوں پر فائز ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔

لقد بلغت بالھاشمی حلیمه ❖ مقامًا علافی ذروۃ العزّوالمجد
وزادت مواشیھا واخصب ربعُھا ❖ وقد عمَّ ھذا السَّعدُ کلَّ بنی سَعُدِ

''حلیمہ' رسولِ ھاشمی ﷺ کی برکت سے عزت ومرتبت کی بلندیوں کو پہنچ گئیں' بلکہ ان کے مویشیوں میں اضافہ ہوگیا' گھر بھی ان کا خوشحال ہوگیا' اس خوش بخت نے سارے بنی سعد کو ہی خوش بخت بنادیا''۔

بنوسعد کی زمین وہ زمین ہے جس پر محمد ﷺ بچپن میں پاؤں پاؤں چلے تھے۔

آپؐ کی رضاعی بہن ''شیما بنت حلیمہ'' آپ ﷺ کو کھلاتیں بہلاتیں اور ہنساتیں تھیں' سیرتِ نبوی کی کتابوں اور انساب وتراجم کی کتب میں بہت سی روایات موجود ہیں کہ حلیمہ سعدیہ اور ان کی بیٹی شیما نبی کریم ﷺ کو حالتِ طفولیت میں اچھالتیں اور کھلاتیں تھیں' اور دعائیں کیا کرتیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ اسے عزتیں' بلندیاں عطا فرمائے' اس

کو زندگی دے' اس کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل وخوار کرے۔

☆ ابنِ حجرؒ کی ''الاصابہ'' اور بلاذریؒ کی ''انساب الاشراف'' میں یہ واقعہ ہے کہ حلیمہ بیٹے ''محمد ﷺ'' کی بہت خیال رکھا کرتیں اور ان سے بہت محبت کیا کرتیں تھیں' اور انہیں کھلاتیں' اچھالتیں اور بہلایا کرتیں تھیں' جیسے مائیں اپنے بچوں کے ساتھ کرتیں ہیں نیز حلیمہ یہ شعر کہا کرتیں:

یَارَبِّ اِذْ اَعْطَیْتَہ' فَاَبْقِہٖ ❖ وَاَعْلِـہٖ اِلَـی الْعُـلا وَرَقِّـہٖ

وَادحَضْ اباطیلَ العِدابحقّہٖ

(الاصابہ: ۸/۵۲'۵۳' انساب الاشراف: ۱/۹۵)

''پروردگار جب یہ بچہ دیا ہے تو اس کو زندگی دیجیو' اور اس کو بلندی پر بلندی عطا فرما اور اس کے دشمنوں کی بیہودہ باتوں قلع قمع کردے''

☆ علی بن برھان الدین الحلبیؒ کی ''السیرۃ الحلبیۃ'' اور احمد زینی دُحلان کی ''السیرۃ النبویۃ'' میں یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ کی رضاعی بہن ''شیما بنتِ حلیمہ'' آپ ﷺ سے بہت محبت وشفقت کیا کرتیں تھیں' بہت ان کا خیال رکھتیں تھیں' ان کو اپنی گود میں لیتیں' سینے سے لگاتی تھیں' اور جب آپ ﷺ بچہ تھے وہ ان کو اچھالتیں اور کھلاتیں تھیں' اور یہ کہتی تھیں:

ھٰـذَا اخٌ لِیْ لَمْ تَلِدْہُ اُمِّیْ ❖ وَلَیْسَ مِنْ نَسْلِ اَبِیْ وعَمِّیْ .

فَدَیْتُـہ' مِنْ مُخْوِلٍ مُعِمِّیْ ❖ فَـاَنْـمِـہ اَللّٰھُمَّ فیما تُنمی

(السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۱۲۶' السیرۃ النبویۃ)

''یہ میرا ایسا بھائی ہے' میری والدہ نے اس کو نہیں جنا' اور نہ ہی یہ میری باپ چچا کی نسل واولاد سے ہے میں نے اس کو معزز ماموؤں اور شریف چچاؤں سے چھڑایا ہے' اے اللہ! اس کی خوب نشوونما فرما''۔

☆ ''الاصابہ'' میں ہے کہ شیما' نبی کریم علیہ السلام کو حالتِ بچپن میں اچھالتیں اور بہلاتیں تھیں اور یہ اشعار گنگناتی تھیں:

يَـا رَبَّـنَـا اَبْـقِ لَـنَـا مُحَمَّدا ❖ حَتّـــىٰ اراه يـــافِـعًـا وَامُـرَدا

ثُـــمَّ اَراه سَيّـــدًا مُسَـــوّدَا ❖ واكُبـتُ اعـاديْـه معًا والحُسَّدا

وَاعُـــطِـــهِ عِـــزًّ يَـدُوُمُ اَبَـدَا

(الاصابہ:۱/۱۲۳٬۱۲۴)

''اے ہمارے رب! ہمارے لئے محمد (ﷺ) کو زندگی دیجیو' حتی کہ میں ان کو جوانی اور بے ریش (جوان) حالت میں دیکھوں' پھر میں ان کو سردار و بہادر دیکھوں' ان کے حاسدوں اور دشمنوں سبھی کو ذلیل ورسوا کیجیو' اور انہیں دائمی اور سرمدی عزت عطا فرمائیو''۔

☆ کتبِ سیرت میں حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا تو سب سے پہلا کلام جو زبانِ انور سے صادر ہوا وہ یہ تھا:

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ' وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا ' وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَاَصِيْلًا﴾

☆ طفلِ حبیب ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' حلیمہ کے پاس ہی رہے' حتّٰی کہ جب شقِ صدر کا مشہور واقعہ رونما ہوا جس کا کتب احادیث اور سیرت وطبقات کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے تو حلیمہ ان کو آمنہ کے پاس واپس لے آئیں' آپ ﷺ ابھی سنِ طفولیت گزار رہے تھے' آپ ﷺ اپنی والدہ کی طرف جھکے اور ماں کی دلی محبت سے سکون وراحت حاصل کرنے لگے' آپ ﷺ کے جدِّ امجد عبدالمطلب بھی اسی طرح آپ ﷺ سے شفقت و محبت کا سلوک فرماتے تھے جس طرح مرضعہ عورتیں شیر خوار بچہ سے محبت و شفقت کا سلوک کیا کرتی ہیں' آپ ﷺ کے جدِّ امجد عبدالمطلب اکثر اپنی اولاد اور خاندان کے لوگوں پر یہ راز ظاہر کیا کرتے اور اس محبوب و پیارے بیٹے ''محمد ﷺ'' کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''میرے بیٹے کو چھوڑ دو' اللہ کی قسم! یہ بڑی شان والا ہے''۔

☆ آنے والے وقت نے عبدالمطلب کی فراست کو ثابت کر دکھایا اور اس کی تصدیق کر دی' کیونکہ عبدالمطلب اس طفل ''محمد ﷺ'' کے ایسے عظیم احوال ملاحظہ کیا

کرتے تھے جس کی بناء پر وہ اس طرح کے تأثرات دیا کرتے تھے' عبدالمطلب آپ ﷺ کو خانۂ کعبہ کے سایہ میں بٹھایا کرتے تھے' اور آپؐ کے سر مبارک اور پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے تھے' اور آپؐ کا حد درجہ اکرام و احترام کرتے تھے' اور آپ ﷺ سے نہایت انس و محبت اور جذبۂ عطوفت سے پیش آتے''۔

☆ آپ ﷺ کے بچپن کی زندگی' آپ ﷺ کی والدہ ''آمنہ'' کے لئے خوشیوں اور برکتوں کا منبع ثابت ہوئی' وہ بچہ اپنی ماں کی حیات کا خوشبودار پھول' زندگی کی بہار' روح کی شراب اور ان کی دنیا کی بادِ نسیم ہے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ کے معطر پھولوں سے آپ کے وجود کی مہک سونگھتی تھیں' اور آپ ﷺ سے والہانہ محبت کرتی تھیں' آپ ﷺ کے بدنِ مبارک سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو نکلتی تھی جو دنیا کے ہر عطر سے زیادہ خوشگوار تھی۔

☆ جب ولدِ جمیل و حبیب ''محمد ﷺ'' چھ سال کے ہوئے' اور اپنی شفیق ماں کے زیر سایہ برکات سے لبریز ہوئے' تو حضرت آمنہ ان کو لے کر مدینہ منورہ گئیں' تاکہ اہلِ مدینہ بھی ان کی زیارت سے مشرف ہوسکیں' آمنہ کے ہمراہ امّ ایمن بھی تھیں جس نے آپ ﷺ کو گود میں لیا ہوا تھا' دو اونٹوں پر سوار ہو کر دارالنابغہ پہنچے' وہاں ایک ماہ تک قیام کیا' اور آپ ﷺ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کی قبرِ مبارک کی زیارت کی۔

حضور ﷺ (ہجرت کے بعد) اس مقام پر گزری باتوں کو یاد کرتے' جب آپ ﷺ کی بنی نجار کے گھر پر نظر پڑی تو فرمایا: ''میں انصار کی بچی انیسہ سے اس قلعہ میں کھیلا کرتا تھا' اور میں اپنے ماموؤں کے بچوں کے ساتھ پرندہ کو اڑایا کرتا تھا جو ان پر آ گرتا تھا''۔ گھر کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ وہ جگہ ہے جہاں پر میری والدہ نے مجھے ٹھہرایا' اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبرِ مبارک بنی۔ اور میں نے بنی عدی بن نجار کے کنوئیں میں اچھی تیراکی کی تھی'' بہر حال مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد یہودی لوگ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے آنے لگے' امّ ایمن کہتی ہیں' میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''یہ اس امت کے نبی ہیں' اور یہ (مدینہ) ان کا مقامِ ہجرت ہے پس

میں نے یہ ساری باتیں اس کے کلام سے یاد رکھیں"۔ (دلائل النبوۃ:۱/۲۰۴)

☆ مدینہ منورہ میں اس چھوٹے سے قافلہ نے اپنی تمام حاجات پوری کیں، پھر مکہ مکرمہ واپس لوٹ گیا، جب یہ لوگ مقامِ 'ابواء' کے قریب پہنچے ہیں تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ "آمنہ بنت وھب" کو اچانک موت کا حادثہ پیش آ گیا، چنانچہ آمنہ کی قبر اسی جگہ پر ہے، پھر امّ ایمن آپ ﷺ کو دو اونٹوں پر لے کر مکہ پہنچیں، آپ ﷺ کم سنی کی حالت ہی میں اپنی والدہ سے محروم ہو گئے، جبکہ آپ ﷺ ابھی صرف چھ سال کی بہار دیکھ سکے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے جدِّ امجد عبدالمطلب کی زیرِ کفالت تقریباً دو سال زندگی گزاری، جب آپ ﷺ کی عمرِ مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا بھی وفات پا گئے، پھر آپ کے عم (چچا) ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی، اور ان کی کفالت میں اتنی زندگی گزاری کہ آپ ﷺ سنِ رجولیت کو پہنچے، اور خدیجہؓ بنت خویلد سے نکاح ہوا، جب آپ ﷺ کی عمرِ مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ رسالت سے نوازا، اور آپ پر وحی کا نزول فرمایا، آپ ﷺ کی رسالت خاتم الرسالات اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔

☆ جب کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بچپن اور رسولِ اکرم ﷺ کے باغِ طفولیت کا شاندار اور دلچسپ تذکرہ کر رہے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ان اسماءِ کریمہ کی طرف بھی اشارہ ہو جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ذکر کیا ہے۔

بعض اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

محمد، یہ اسمِ پاک چار مقامات پر آیا ہے، احمد، عبداللہ، رسول، نبی، امّی، شاھد، مبشّر، نذیر، سراجٌ منیرٌ، رئووفٌ رحیمٌ، نذیرٌ مبینٌ، مُذکّر، عَبد، شھید، مُصدّق، نُور۔

بعض علماء نے آپ ﷺ کے قرآن و سنت میں آئے ہوئے سو اسماءِ گرامی شمار کئے ہیں۔

☆ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کے بعض اسمائے مبارکہ آئے ہیں، جُبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پانچ نام ہیں میں محمدؐ

اور احمدؐ ہوں' میں الماحی ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹائے گا' اور میں الحاشر ہوں' اس لئے کہ سارے لوگ میرے قدموں پر جمع ہوں گے' اور میں العاقب ہوں۔ نیز صحیح بخاری میں ابو موسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے چند اسمائے مبارکہ بتاتے تھے' آپؐ نے فرمایا: ''میں محمد' احمد' المقفّی' الحاشر' نَبِیُّ التَّوبة اور نَبِیُّ الرَّحْمَة ہوں''۔ (احمد: ۴/۳۹۵)

قرآنِ کریم نے نبی کریم ﷺ کے زمانۂ طفولیت کی ایک خوبصورت جھلک اور چمک پیش کی ہے' کچھ جھلک تو ''سورۃ والضّحیٰ'' میں دیکھی جا سکتی ہے' جس میں ہم رحماتِ ربانیہ کی خوشبوئیں محسوس کر سکتے ہیں' اور خدائی شفقتیں ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ کس لُطف و مودّت کے ساتھ طفلِ یتیم وحبیب کا ذکرِ خیر کیا گیا جن کی ساری تربیت اور نگہداشت خود باری تعالیٰ نے فرمائی' اسی طرح ''سورۃ الم نشرح'' وغیرہ میں اسکی کچھ روشنی دیکھی جا سکتی ہے' بہت سی قرآنی سورتیں سیرت پاک ﷺ اور ذکرِ پاک ﷺ کے اشارہ و تلمیح سے معمور ہیں' قرآنِ کریم کا ماہر قاری ہماری ان باتوں کا پوری طرح ادراک کر سکتا ہے قرآنِ پاک کا کوئی صفحہ بھی اس کے سامنے ایسا نہیں آتا جس میں سرورِ کائنات محبوبِ دوجہاں ﷺ کی حیاتِ شریفہ کا کوئی پہلو یا اس کا کوئی حصہ یا اسکی طرف کوئی اشارہ اسے نہ ملتا ہو''۔

باب رابع

(قرآنِ حکیم کی روشنی میں بچوں کی تربیت کے انواع)

فصلِ اوّل: فطرت اور تربیت کے درمیان بچپن کا مرحلہ

فصلِ دوم: بچہ اور اس کے فطری حواس کی تربیت و اصلاح

فصلِ سوم: بچہ اور اس کی روحانی، جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کی تربیت

فصلِ چہارم: بچہ اور قرآنِ پاک سے محبت و تعلق

﴿ فصلِ اوّل ﴾

فطرت اور تربیت کے درمیان بچپن کا مرحلہ:

اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی لوگوں کے دلوں میں بچوں کی محبت کا بیج بودیا ہے' ہر خاندان شروع سے ہی اپنے ماحول اور معاشرہ کے مطابق بچوں کی شخصیت کی تعمیر کا خواہشمند رہا ہے۔

☆ یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں زندگی انتہائی سادہ اور پرسکون ہوا کرتی تھی' اس میں کوئی پیچیدگی اور گنجلک نہیں ہوتی تھی' لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی میں بھی تبدیلی اور تغیر آنے لگا' ہر جگہ مختلف تربیتی نظریات وخیالات ظہور پذیر ہونے لگے' بعضے نظریات نرے غلط اور فاسد تھے اور بعض اعتقادات صحیح اور درست تھے' ذی ہوش انسان درست نظریہ معلوم کرسکتا ہے' اور فطرتِ سلیمہ سے مربوط اور ہم آہنگ تربیتی اصول وقواعد کی صحت کا ادراک کرسکتا ہے' فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾

(الروم: ۳۰)

''اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو' جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا نہیں چاہئے۔

☆ ''فطرت'' کی دو تفسیریں ہیں: بعض کہتے ہیں کہ ''فطرت'' سے مراد دینِ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ''فطرت'' سے مراد دینِ اسلام ہے۔

☆ امامِ خازنؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''فطرۃ اللہ'' سے مراد وہ میلان و وجدان ہے جو پیدائش کے وقت ہر انسان کے دل میں پیوست کردیا گیا ہے' اگرچہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے' اور اعتبار اس شرعی ایمان کا ہے جو فعل اور ارادہ سے حاصل کیا گیا ہو۔

☆ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: علماء کا کتاب وسنت میں وارد لفظ ''فطرت'' کے معنی کے بارے میں اختلاف ہے' علماء کے اس بارے چند اقوال ہیں:

قولِ اوّل: فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے' یہ قول حضرت ابوھریرہؓ اور ابنِ شھابؒ وغیرہ کا ہے' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ معنی عام مفسرین کے ہاں معروف ہے' اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بچہ کفر سے محفوظ اور اس عہدِ میثاق (وعدہ) کے مطابق خلق ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے اس وقت لیا تھا جب ان کو صلبِ آدم سے نکالا تھا' اس لئے اگر بلوغ سے قبل ہی وہ وفات پا جائیں تو جنت میں جائیں گے خواہ وہ مسلمانوں کی اولاد ہوں یا کفار کی اولاد ہوں۔

قولِ ثانی: فطرت سے مراد ابتدائی حالت جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا' یعنی مخلوق کا حیات وموت' سعادت وشقاوت کے لئے آغاز کیا۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ کلامِ عرب میں فطرت کا معنی ہے ابتدا' اور فاطر کا معنی ہوگا ابتدا کرنے والا۔

☆ فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ فطرت سے مراد وہ تخلیقی استعداد وصلاحیت ہے جس پر بچہ کی پیدائش ہوتی ہے' یعنی ہر مولود کی خلقت میں معرفتِ ربّ ودیعت کردی جاتی ہے۔

☆ ابنِ عطیہؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ فطرت کی مختلف تفسیروں میں قابل اعتماد تفسیر یہ ہے کہ فطرت درحقیت وہ فطرت وصف اور جبلی صلاحیت ہے جو بچہ کے اندر رکھی گئی ہے جس کے ذریعہ وہ مصنوعاتِ الٰہی میں امتیاز کرسکتا ہے۔ اپنے رب کی معرفت پر استدلال کرسکتا ہے۔ احکامِ خداوندی پہچان سکتا ہے' اللہ تعالیٰ پر ایمان لاسکتا ہے' اسی کا ذکر فرمانِ رسول اللہ ﷺ میں بھی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ﴾
(تفسیر القرطبی سورۃ روم: ۳۰)

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' بعدہ اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں اور نصرانی بنادیتے ہیں''۔

انسانی معاشرہ جن تجربات وتغیرات سے گزرتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مربیین کا خیال ہے کہ طفولیت کا دور انسان کے اہم مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ ہے اس لئے کہ طفولیت کا زمانہ اس اساس کے بمنزلہ ہے جس پر اسکی شخصیت جسمانی' ذہنی' دینی اور معاشرتی ہر لحاظ سے قائم ہوتی ہے۔

☆ یہ بات سب جانتے ہیں کہ لفظِ ''طفل'' کا اطلاق صرف مخلوقات پر ہوتا ہے اور یہ کہ انسان کا زمانۂ طفولیت دوسری مخلوقات کی طفولیت سے طویل ترین ہے' مطلب اس کا یہ ہے کہ طفل انسانی بوقتِ ولادت کسی دوسری مخلوق کے طفل سے زیادہ عاجز ہوتا ہے' اسی لئے اس کی تربیت واصلاح کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے اور اس کا بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

☆ اللہ عزّ وجلّ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ بچہ ایک سال کے قریب زمانی مرحلہ گزارے' اس کے بعد دوسرا بچہ اس کے والدین کے لئے پیدا ہو' انسان کے زمانۂ بچپن کی طوالت اس کی ترقی کے ساتھ مربوط ہے' اس لئے کہ زمانۂ بچپن دراصل زندگی کے مختلف امور کی تعلیم وتدریب کا نام ہے شاید انسان کا مرحلۂ طفولیت عام معمولی اور سادہ معاشرہ میں متمدن معاشروں کی بنسبت کم ہوتا ہے' اس لئے کہ وہاں بچہ اپنی حیات کے معاملہ میں بڑوں کا معتمد بن جاتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ درست تربیت کا محتاج ہوتا ہے' کیونکہ یہ بچہ کا وہ مرحلہ ہے جس میں اس کی ذہنی' جسمانی اور وجدانی نشو ونما ہوتی ہے جو کہ بچہ کی حیات کے سلسلہ میں اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

☆ بلاشبہ طفولیت کے اسرار ورموز جاننا ایک ضروری تربیتی امر ہے' اس لئے کہ خاندان میں اس تربیت کی ساری ذمہ داری والدین کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے' اسلام نے اس ذمہ داری کی تحدید وتعیین کی ہے' پہلا اثر اور نشان والدین کو قرار دیا ہے' اس لئے کہ بچہ فطرتِ الٰہیہ کے مطابق پیدا ہوتا ہے' اور تربیت کا آغاز بچپن کے ساتھ ہی بلکہ بچپن سے ہی ہو جاتا ہے۔ بہت سے مربّیین نے بچوں کے بارے میں مخصوص نظریات اور اصول کا طرز

اختیار کرنا شروع کر دیا، بعضوں نے مشرق کا راستہ اختیار کر لیا اور بعضوں نے مغربی جہت اختیار کر لی، اور اس طرح وہ صراطِ مستقیم سے دور جا پڑے، خصوصًا بعض وہ مغربی نظریات جو ہمارے ان بچوں کی حقیقتِ حال کے ساتھ بالکل ہم آہنگ اور میل نہیں کھاتے جن کے لئے قرآنی اور نبوی تربیت کا زادِ عظیم موجود ہے۔

❖❖❖

❖

﴿فصلِ دوم﴾

بچہ اور اس کے فطری حواس کی تربیت واصلاح:

☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ طفل تربیت کا اور اپنے فطری حواس کی اصلاح کا ضرورتمند ہوتا ہے' تاکہ معاشرہ میں با اخلاق اور باکردار بن سکے' اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات اور اس کے جذبات وحواس کے مابین ہم آہنگی اور جوڑ پیدا کیا ہے۔

☆ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بچہ کی جبلّی صلاحیتیں اور اس کے حواس اس کی پیدائش کے وقت سے اس کے ساتھ ہیں' البتہ ان حواس کے آثار بتمامہ واضح نہیں ہوتے' تاہم محبت ونفرت' خوف وامید وغیرہ جیسے مثبت اور منفی جذبات اور جبلّتیں اس میں موجود دیکھتے ہیں۔ یہ مختلف الجہت جبلتیں اور جذبات تدریب وتربیت کے مقتضی ہیں تاکہ ان جذبات میں توازن اور اعتدال پیدا ہو کر طفل کو فکرِ سلیم اور معتدل سلوک حاصل ہو' اور پھر وہ وسیع وعریض اجتماعی زندگی میں داخل ہونے کے قابل ہو۔

☆ لیکن ان چیزوں کی تربیت واصلاح کیسے ہو؟ تربیت وعلاج کے لئے تو اشیاء بہت زیادہ ہیں کتاب اس ساری بحث کا احاطہ نہیں کرسکتی البتہ ہم نفسِ انسانی میں موجود جبلتوں اور فطرتوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولِ حبیب ﷺ کی مرضیات و ہدایات کے مطابق ان فطری حواس و جذبات کی تہذیب وتربیت کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ اس لئے صرف بطورِ مثال اور نمونہ کے جذبۂ محبت ونفرت اور جذبۂ خوف وامید کی تربیت واصلاح عرض کی جاتی ہے۔

(۱) محبت ونفرت:

یہ بات ہر صاحبِ عقل پر واضح ہے کہ محبت ونفرت کا جذبہ بچہ کی ذات میں موجود ہے کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ اپنی ذات کو پسند کرتا ہے اور خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے

اور کبھی اس میں انانیت کا جذبہ ابھرتا نظر آتا ہے اسی طرح ہم کراہت ونفرت اس کی ذات میں موجود پاتے ہیں کبھی کبھار یہ خصلت بعض مواقع پر ظہور پذیر بھی ہوجاتی ہے یا کسی حادثہ کی صورت میں وقوع پذیر ہوتی نظر آتی ہے۔

☆ اب ہمیں چاہیئے کہ جذبۂ محبت کی حد بندی کریں اسے تعلیم دیں کہ وہ کیا چیز پسند کرے؟ کس سے وہ محبت کرے اور کیسے محبت کرے ان قواعد کے ضمن میں اس کی عمر اور ذہنی سطح کا بھی لحاظ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اس کو اچھے اخلاق یا صفائی اور طہارت سے محبت کی ترغیب دی جائے وغیرہ ہماری ذات اس کے سامنے بہترین مثال اور نمونہ کے طور پر ہوگی لہذا ہم اچھے کاموں کا عظمت اس کے فوائد اور اس پر حاصل ہونے والے ثواب کی توضیح کریں ہم محسوس طریقہ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نظافت وطہارت کی حیثیت اور اس کا فائدہ جتائیں اور ترکِ نظافت کے نقصانات ظاہر کریں اس کی صورت یہ ہو کہ اس کے سامنے گندگی کی صورتیں اور اس کے نقصانات پیش کریں یا کسی بیمار بچہ کی ہیئت پیش کریں جو نظافت اور طہارت وغیرہ کی تعلیم اور اس کا اہتمام نہ کرنے کی وجہ سے بیمار ہوگیا۔

☆ اسلام نے بچوں کے لئے محبت کے طریقے واضح طور پر بیان کئے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ہم اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے رسولِ کریم ﷺ کی محبت کا نقشہ کھینچ دیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بنی نوع انسان کو حیات بخشی وہی منعم اور وھّاب ہے اور اس ذاتِ عالی نے محض اپنی توفیق سے ہر شئے کی تخلیق کی اس انسان کو بہترین صورت وشکل میں پیدا کیا اس کی دو آنکھیں بنائیں جس سے وہ دیکھتا ہے زبان بنائی جس کے ذریعہ وہ اظہار مافی الضمیر کرتا ہے بَرّ وبحر کی ہر شے اس کے لئے مسخر اور تابع فرمان کردی ان تمام تر نعمتوں کے باوجود وہ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم بھی ہے بندوں کی رہنمائی کے لئے نبی الرحمت رسولِ مبعوث فرمائے تاکہ وہ (رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) ان بندوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئیں اور دنیا وآخرت کے سعید ومفید امور کی انکو تعلیم دیں۔

☆ اس طرح سے ہم طفل کے ذہن میں واضح نقوش اور خوبصورت خطوط قائم کر سکتے ہیں۔اور اس کے ذہن کا رخ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر مفید چیز کی محبت کی کیفیت کی طرف موڑ سکتے ہیں' پھر ہم ان اخلاقِ کریمانہ کو اسکی عملی زندگی میں بروئے کار لانے کی کوشش کریں' اس کے احوال و واقعات اور محبت کے مفہوم کے درمیان ربط و مناسبت پیدا کریں۔اس سے محبت کی جبلّت اور جذبہ میں نشو ونما ہوگی' جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ معاشرہ کا مفید فرد بن سکے گا۔

☆ بچہ کے اندر ایک خصلت وطبیعت نفرت کی بھی ہے ہمیں اس خصلت سے بھی استفادہ کرنا چاہئیے' اور اس کا رخ کسی مفید جانب کر دینا چاہئیے' لہذا یہ جائز نہیں ہوگا کہ بچہ اپنے خالق و مالک سے نفرت کرے' یا اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ یا فرشتوں سے نفرت رکھے یا لوگوں سے یا اپنی طرح کے دوسرے بچوں یا زندگی سے نفرت و کراہت رکھے۔

☆ اس طرح کی ہدایات و اصلاحات سے ہم بچوں کو راہِ صواب کی طرف لیجا سکتے ہیں' لیکن یہ بات ہمارے ذمہ ہے کہ ہم انہیں سکھائیں کہ وہ شر اور شریر' جھوٹ اور جھوٹے' تکبر اور متکبر' چوری اور چور وغیرہ امور سے کس طرح اظہارِ نفرت کرے جن کا ادراک عموماً ہر بچہ کر سکتا ہے۔

☆ نیز اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم اپنے بچہ کو شیطان کے مکر و فریب اور اس کی خباثتوں سے روشناش کرائیں' کہ شیطان سارے شر کی بنیاد ہے بلکہ وہ سراسر شر ہے' جو لوگوں کو شر اور برائی کی طرف راغب کرتا ہے' نیز بچوں کو بعض ایسے واقعات بھی بتانے میں کوئی حرج نہیں جس کا سبب شیطان بنتا ہے' جیسے والدین کی نافرمانی اور ان کو ستانا' پڑوسیوں پر ظلم وزیادتی کرنا' یا عام ضروریات کی چیزوں کا عبث اور بے کار سمجھنا جیسے مدارس' باغات وغیرہ۔

☆ یہ طریقہ ہے طفل کی ذات میں موجود محبت و نفرت کی جبلّت کی اصلاح و تہذیب اور اس کو متوازن اور معتدل بنانے کا' اس طرح وہ طفل پُر عزم اور پر اعتماد طریقہ سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔

(۲) خوف اور امید:

بچہ کی شخصیت کی تعمیر کے لئے جن اہم جبلتوں اور خصلتوں کی تہذیب و تربیت ضروری ہے ان میں سے ایک جبلّت و خصلت خوف و امید کی بھی ہے شاید یہ خصلت دوسری خصلتوں کی بہ نسبت زیادہ پُر خطر ہے' جبکہ اس کی دیکھ بھال اور اس پر توجہ نہ دی جائے' کیونکہ نفس بالطبع خوف بھی رکھتا ہے اور امید بھی' فطرت میں اس کی ترکیب و ترتیب اسی طرح ہوئی ہے۔

☆ بچہ کے اندر یہ دو خصلتیں پیدائشی طور پر موجود ہیں اور ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں مثلاً بچہ اندھیرے سے ڈرتا ہے' تنہائی سے خوفزدہ ہوتا ہے' گرنے سے ڈرتا ہے' مذاق اڑائے جانے سے خائف ہوتا ہے' اسی طرح ان اشخاص سے ڈرتا ہے جو اس سے انس و محبت نہیں رکھتے' طفل کی حیات میں ان امور کا مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ مدرسہ میں پہلی مرتبہ داخل ہوتا ہے' جہاں وہ اردگرد کے ماحول' اساتذہ یا اپنے بعض ہم عمر ساتھیوں سے ڈرتا ہے۔

☆ اسی طرح بچہ سنِ رضاعت کے دوران ماں کی گود میں سکون و آرام کا آرزومند ہوتا ہے اور اپنی رغبات کی تکمیل کا امیدوار ہوتا ہے' جیسے امن و راحت اور کھانے پینے کی رغبت و شوق' اس مدّت کے بعد اسے اپنے والد کے زیرِ آغوش شفقت و محبت کی آرزو ہوتی ہے بلکہ اپنے اردگرد کے ان لوگوں سے بھی محبت کا امیدوار ہوتا ہے جس سے اسے راحت و سکون ملتا ہے۔

بچہ پھر بڑا ہوتا ہے' اس کے ساتھ اس کی یہ دونوں جبلتیں بھی نشوونما پاتی ہیں' اب خوف و امید کی نوعیت بدل جاتی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کی جبلت اس کے جذبات و میلانات میں تحدید پیدا کر دیتی ہے۔

☆ مثال کے طور پر وہ طفل کبھی رسوائی' تکلیف' ناکامی اور استہزاء و مذاق سے ڈرتا ہے اور کبھی کامیابی و ثابت قدمی اور اپنے دوستوں میں مقام و مرتبہ حاصل ہونے اور ان پر

فوقیت لیجانے کی امید رکھتا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ بچہ کی ان دو خصلتوں کی تربیت اور تہذیب کس طرح سے کی جائے؟ تا کہ وہ اپنے معاملات میں معتدل راہ اپنانے والا ہو سکے۔

☆ اسلام نے بچوں اور ان کی جبلتوں کی اصلاح پر بہت توجہ دی ہے' اور بچوں کو درست اقدامات کی تعلیم کا اہتمام کیا ہے' اور ماں باپ کو حکم دیا ہے کہ ان امور کو اچھی طرح سے سمجھیں' اور پھر بچوں کی تہذیب و تربیت اور رہنمائی کریں تا کہ وہ جبلتوں کی گمراہیوں سے محفوظ ہو سکیں۔

☆ بناء بریں ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کو تعلیم دیں کہ انہیں کس سے ڈرنا چاہیئے؟ اور کیسے ڈرنا چاہیئے؟ مثلاً وہ جھوٹ نہ بولیں' چوری کے لئے دست درازی نہ کریں یا کسی کو تکالیف و نقصانات نہ پہنچائیں' انہیں تعلیم دی جائے کہ خوف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہونا چاہیئے' نیز ان چیزوں کا خوف ہونا چاہیئے جن سے اللہ نے ڈرایا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان سے اور نافرمانی سے خوف دلاتے ہیں نیز اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جسے ہم ایسے اسلوب کی شکل دے سکتے ہیں جو بچہ کی عمر اس کی ذہنیت اور اسکی معاشرتی زندگی کے مطابق ہو' ہم اس کے سامنے ایسے قصے بھی پیش کر سکتے ہیں جو خوف کے مفہوم کو واضح کرتے ہوں' مثلاً اس کے سامنے والدین کی نافرمانی کا قصہ بیان کیا جائے' اور اللہ نے اس نافرمان کے لئے جو عقاب و سزا رکھی ہے اس سے ڈرایا جائے تا کہ اسے ادراک ہو سکے کہ نافرمانی گناہ والا عمل ہے' اس طریقہ سے طفل کے اس اہم پہلو کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور اس کے باطن میں ایسے امور کو پیوست کر سکتے ہیں جو اس کی صلاح و سعادت کی ضامن ہیں۔

☆ بہر حال امید کے بارے میں بچہ کو یہ تعلیم دیجائے کہ وہ جھوٹی امیدیں باندھنے کا عادی نہ بنے یعنی ناممکن الحصول چیزوں کی آس و امید نہ باندھا کرے' اور محال چیزوں کی خوابیں نہ دیکھے' اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو حقیقی اقدار کی طرف متوجہ کر دیا جائے' طفل کبھی دوسرے پر رعب و اقتدار' قوت و انانیت کا امیدوار ہوتا ہے' لیکن ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کو سمجھائیں کہ یہ آرزو غلط اور ضرر رساں ہے' اور اس کی فکری توجہ اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ عادات کی طرف مبذول کی جائے' اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بچہ کو اطمینان و

سکون کے حصول کا خواہشمند بنایا جائے جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر عمل ہے' جیسے نماز کی ادائیگی' ضرورتمندوں کی مدد کرنا' سچ بولنا وغیرہ۔ بچہ اگر اس طریق کو اختیار کرے تو رفتہ رفتہ حقیقی امید اس کی طبیعت و عادت ہو جائیگی' نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نفس مضرت رساں خوف سے بچ جائے گا اور حقیقی امید سے بہرہ یاب ہوگا۔

❖ ❖ ❖

❖

فصلِ سوم

بچہ اور اس کی روحانی' جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کی تربیت:

قرآن کریم اور اسلامی مفاہیم کی روشنی میں بچوں کی تربیت کے انواع و وسائل متعدد و کثیر ہیں' جو بچہ کی اچھی تربیت اور پرورش کر کے اسے راہ اعتدال پر ڈال دیتے ہیں ۔اسلام کا دامن زندگی کی ایک بڑی بنیاد یعنی بچوں کیلئے وسائل تربیت سے بھرا ہوا ہے' اس لئے کہ بچے' اقوام کی تاریخ میں ہر جگہ ایک بڑی تعداد شمار ہوتے ہیں' ممکن ہے کہ بعض خاندانوں میں بچوں کی تعداد پچاس فی صد سے بھی زیادہ ہو' اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اطفال کیلئے تربیتی ساماں مہیا کیا ہے' اسلام اطفال کی روحانی تربیت مواعظِ حسنہ اور اخلاق فاضلہ سے کرتا ہے' اور اس کی عقلی و ذھنی صلاحیتوں کی اصلاح اسوۂ صالحۂ مفید واقعات اور اعلیٰ کردار کے ذریعہ کرتا ہے' اور اس کی جسمانی تربیت اچھی عادات اور کبھی بامقصد سزا کے ذریعہ کرتا ہے۔

☆ تربیت واصلاح کی مذکورہ تمام انواع بچہ کی ذات پر اثر انداز ہوتی ہیں' اس کو مجمع کمالات اور بہت سے فضائل کا حامل بنا دیتی ہے' لیکن یہ اسوقت ہے جب ابتداء سے اس کی تربیت پر توجہ دی گئی ہو اسی وقت بچوں کے معصوم دل اس طرف منجذب ہو سکتے ہیں اور یہ امانت جو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو عطا کی ہے' ان کے سروں پر فضیلت کا تاج رکھا جا سکتا ہے' کیا کوئی ہے جو ان کی اچھے انداز میں تربیت کر سکے؟
اب ہم بچہ کی روحانی تربیت کا مرحلہ شروع کرتے ہیں۔

(ا) روحانی تربیت:

بچوں کی روحانی تربیت کیلئے کوئی متعین قانون وضع نہیں کیا جا سکتا ہے' کیونکہ ہر علاقہ کی معاشرت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے' البتہ اسلامی روح ان میں وحدت پیدا

کرسکتی ہے‘اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے‘ وہ رسی مکارم واخلاق کی رسی ہے‘ یہ عظیم اقدار ہر معاشرہ کے اندر سرایت کی ہوئی ہے‘ جیسے سچ بولنا‘ ایثار وقربانی‘ ترجیح دینا‘ پریشان حال کی مدد کرنا‘ یہ وہ امور ہیں جو سب کے نزدیک فضیلت کے کام ہیں‘ ایسا ممکن نہیں کہ کوئی معاشرہ ایک کا تو اقرار کرے اور دوسرے کا انکار‘ اس لئے بچہ کی روحانی تربیت کا آغاز اسی اہم نقطہ سے ہوتا ہے اس لئے کہ بچہ کی ذات میں واضح اور مؤثر انداز میں اچھے عمل کو قبول کرنے کی وسیع گنجائش موجود ہوتی ہے‘ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کے لئے وعظ ونصیحت کا طریقہ سب سے زیادہ مؤثر اور کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

جب تک بچہ موعظت کا فائدہ محسوس کرتا رہتا ہے اور اس کے لئے یہ صورت مفید ثابت ہورہی ہوتی ہے اس وقت تک اس میں وعظ ونصیحت کو قبول کرنے کی صلاحیت اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ موجود رہتا ہے‘ معلوم ہوا کہ موثر وعظ کبھی بچہ کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کردیتا ہے‘ بچہ کے ذہن پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے‘ خصوصاً جب اس کے سامنے کوئی صحیح نمونہ بھی موجود ہو جیسے ماں باپ یا قریب کے رشتہ دار‘ تو ایسی صورت میں وعظ نصیحت کی صورت بچہ کیلئے بہت زیادہ مؤثر اور اثر انداز ہوتی ہے۔

☆ بچہ کبھی کذب بیانی یا چور بازاری سے کام لیتا ہے یا پالتو جانوروں کو اذیت دیتا ہے‘ اور کبھی گھر کی کچھ چیزیں توڑ دیتا ہے‘ تو عین اس وقت ماں باپ کو کذب بیانی اور چوری سے کام نہیں لینا چاہئیے اور کسی کو بھی اذیت نہیں پہنچانی چاہیے‘ ایسے موقع پر کیا اقدامات کئے جانے چاہیے؟۔

☆ ایسے موقعوں پر تربیت بطریق موعظت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے‘ کیسی موعظمت؟ طفل کے رویہ اور کردار کے معاملہ میں عمدہ‘ بامقصد اور مؤثر موعظت جو اسے راہِ صواب کی طرف لے جائے اور اعلیٰ اخلاق وکردار کا خوگر بنادے‘ موعظت کے ذریعے مکارم اخلاق کی تاکید کرنا اور اس کو اس کا عادی بنانا طفل کے طور طریقوں کو مہذب بناتا ہے اور راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔

☆ بامقصد موعظت کی اعلیٰ مثال وہ ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے‘ یعنی

لقمان علیہ السلام کے مواعظ‘ جو سورۃ لقمان میں مذکور ہیں‘ اہم لقمانی مواعظ میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا‘ والدین کی فرمانبرداری کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا‘ نمازوں کی پابندی کرنا‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا‘ صبر‘ تواضع اور آواز کو پست کرنا‘ یہ لقمانی مواعظ بچہ کیلئے نہایت مفید ہیں‘ اور اس میں کئی قسم کے اعلیٰ اخلاق استوار کرتے ہیں‘ خصوصاً اس وقت جب طفل کی قیادت و رہنمائی کے لئے کوئی موجود ہو جو ان مواعظ کی تلقین کرے‘ بار بار اس کے سامنے دھرائے‘ یہاں تک یہ عمدہ خصائل اس کی طبیعت و فطرت بن جائیں۔

☆ قرآن کریم نے طفل کی روحانی تربیت کا نقشہ کھینچ دیا ہے‘ قرآن کریم کی کثیر آیات میں روحانی تربیت و اصلاح کی ایسی بہت سی صورتیں موجود ہیں جو ان لوگوں کی مشکلات کو قابو کرتی ہیں جو روحانی تربیت کو بے کار کام سمجھتے ہیں۔

(۲) عقلی تربیت:

عقلی تربیت کا بچہ پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اس سلسلہ میں اسوۂ حسنہ کا وجود اس پہلو کے نمایاں آثار میں سے ہے جو طفل کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے وہ بچہ پھر اس کا مقلد اور اس کے طریق کا متبع بن جاتا ہے‘ تقلید کی محبت بچہ کی ذات میں موجود ہے لہٰذا اگر اس کے سامنے نمونہ‘ صالح اور اچھا ہوگا تو طفل کی ذات پر اسکے اثرات پڑیں گے‘ اور اس کے باطن میں پوشیدہ صلاحیتیں متحرک اور اجاگر ہوں گی‘ اور وہ غیر ارادی طور پر اس نمونہ کی تقلید و پیروی کرتا جائے گا‘ بلکہ تقلید کی یہ خصلت اس کی نمایاں صفات میں سے بن جائے گی۔

☆ کیا اچھا ہوگا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کو بچوں کیلئے اسوہ اور نمونہ بنائیں‘ ان بچوں کے سامنے ان کی سیرت کو صرف انوکھی اور تعجب خیز چیز کے طور پر پیش نہ کیا جائے‘ بلکہ اس لئے پیش کیا جائے تاکہ وہ خود بھی اس طرزِ عمل کو اختیار کریں‘ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے سامنے نبی علیہ السلام کی طفولیت کے بعض خوبصورت پہلو رکھے جائیں‘ تاکہ ان کو بروئے کار لا کر زندگی مفید سے مفید تر ہو سکے۔

☆ پاکیزہ اور صالح نمونہ اطفال کی تربیت کا عظیم وسیلہ وذریعہ ہے' طفل کے خاندان اور والدین میں اسوۂ صالحہ کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ بچپن سے ہی اسے درست سمت اور معتدل راستے پر ڈال دیں۔

☆ جب طفل اپنے والد کو جھوٹ بولتے دیکھتا ہے اور جھوٹ کی برائی معلوم کرتا ہے تو ناممکن ہے' کہ وہ سچائی کو سیکھے' اس کا والد جھوٹ میں اس کا نمونہ ہوتا ہے' اور جب اس کا والد اس پر سختی کرتا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ شفقت ومہربانی کا درس لے اور جس وقت وہ دیکھتا ہے کہ اس کی ماں اس کے والد کے سامنے جھوٹ بولتی ہے یا دھوکہ دیتی ہے یا اس کے بھائی یا بہن سے فریب کاری کرتی ہے' یا خود والد ایسا کرتا ہے تو ایسی صورت میں طفل کبھی بھی نیک راہ روش اختیار نہیں کرے گا۔

جب بچہ دیکھتا ہے کہ اس کی والدہ آوارہ ہے' عزت کی اسے کوئی پرواہ نہیں تو یقیناً وہ کبھی بھی اچھے کام کے لئے تیار نہیں ہوگا' اور اچھے اخلاق نہیں سیکھے گا ظاہر ہے اچھے اخلاق کہاں سے سیکھے گا اصل نمونہ بھی معدوم و ناپید ہے' بسا اوقات وہ اسی حال میں پرورش پاتا ہے کہ اس کے جذبات ضعیف' احساسات مریض اور فکر مضطرب و بے چین ہوتی ہے' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ ناکام ونامراد ہوجاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نیک خاندان ہی وہ بنیاد ہے جو بچہ کے لئے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کو دیکھ کر طفل پرورش پاتا ہے اور شروع ہی سے اچھی پرورش کی جائے تو وہ شاندار روایت قائم کرسکتا ہے' مفید قصوں کے ذریعہ بھی عقلی تربیت پر بہت بڑا اثر مرتب ہوتا ہے اس سے طفل کی ذہنی ترقی مدرکات واحواس میں وسعت اور مختلف علوم و معرفت کا حصول ہوتا ہے۔

☆ قصوں میں سحرانگیزی اور دل کشی ہوتی ہے' بچوں کے اذہان پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے' ان قصوں سے معرفت' محبت اور پیش آمدہ واقعات سے متاثر ہونے کا جذبہ ان میں ابھرتا ہے' قصوں کی یہ سحرانگیزی اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانیت قدیم ہے' لہذا جب تک اس دنیا میں حیات موجود ہے قصوں کی دلکشی' سحرانگیزی اور اثرانگیزی باقی رہے گی۔

☆ اسلام سمجھتا ہے کہ بچہ کا قصوں کے سننے کی طرف رجحان و میلان ہے اور یہ قصے بچوں کے ذہنوں پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں اس لئے اہلِ علم و فضل نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے تاکہ یہ بچوں کی ذہنی تربیت کا نفع بخش ذریعہ اور ان کے طور طریق کی اصلاح کا وسیلہ بن سکے۔

☆ جب قرآنِ عظیم کے واقعات' مضامین اور اس کے ارشادات ہمارے لئے سحر انگیز اور اثر انگیز ہیں تو بچے جنہیں قصے اور واقعات سننے کا بہت شوق ہوتا ہے وہ کیسے متاثر نہ ہوں گے؟۔

☆ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ قرآنِ کریم نے تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں قصوں اور واقعات سے بہت حد تک کام لیا ہے اور انہیں استعمال کیا ہے' چنانچہ بچوں کے افادہ کی خاطر اس کی روحانی' عقلی حتی کہ جسمانی تربیت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے' قرآنی قصص جس طرح بچوں کے لئے مفید ہیں اسی طرح بڑے لوگوں کے لئے بھی ان کی عمر' رنگ اور شخصیت کے اختلاف کے مطابق مفید ہیں۔

☆ یہ امر کس قدر خوبصورت ہے کہ ہم بچوں کی عقلی و ذہنی تربیت ایسے نوع بنوع قصّوں کے ساتھ کریں جو ان بچوں کے دل و دماغ کے اندر اچھے اور عمدہ نقوش پیوست کر دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم ایسے بامقصد اور مفید قصّوں کو کام میں لائیں جس سے بچوں کی تربیت ہو جو اصل مقصود ہے' اور وہ قصّے بچوں کے لئے دلچسپ بھی ہوں اور ان میں ان کی عمر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ قصّے ایسے ہوں جو ان کی ذہنی سطح کے مناسب ہوں کہ با آسانی ان کو قبول کر کے اس کے مطابق خود کو وہ ڈھال سکیں۔

بچوں کے لئے کچھ لکھنا یا ان کے افادہ کے لئے قصّے تحریر کرنا یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لئے خداداد صلاحیت درکار ہوتی ہے جو کہ ہر انسان کو عطا نہیں کی جاتی اور اس کے علاوہ اس فن میں تجربہ بھی چاہئیے ہوتا ہے جو اس صلاحیت میں مددگار اور راہِ ثواب کی جانب اس کو متوجہ کرتا ہے' فنِ طفولیت کے ماہرین اس وقت قلیل تعداد میں ہیں لیکن اس

کے باوجود اسلامی تاریخ فنِ طفولیت کی دولت سے بھری پڑی ہے' بچوں کے افادہ کے لئے کسی نے اس سے خاطر خواہ کام نہیں لیا' تاہم اگر باصلاحیت حضرات بچوں کے لئے مفید امور منظرِ عام پر لے آئیں تو اس سے وہ بچے بامراد اور کامیاب ہو سکتے ہیں اور قرآن کی روشنی میں اپنے اعمال کو سنوار سکتے ہیں۔

(۳) جسمانی تربیت:

اطفال کی تربیتی انواع میں سے ایک اسکی جسمانی تربیت بھی ہے' اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کی عادت کے ذریعہ تربیت کر سکتے ہیں' عادت ڈالنا بچون کی رہنمائی میں ایک عمدہ طریقہ ہے' خصوصاً جب ہم ان بچوں پر اچھی عادات کو قبول کرنے کا اثر ڈالیں اور انہیں اچھی عادات کی تعلیم دیں۔ عادت ایک خداداد صلاحیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر فردِ بشر کے اندر رکھی ہے۔

لہٰذا اس خداداد چیز (عادت) سے دیگر طرق کی طرح ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے' سب سے پہلے اس کے برے اخلاق تدریجاً دور کئے جائیں۔ اور ایسی عادات جو اسلامی آداب کے بھی خلاف ہو اور اخلاقی پہلو کے بھی خلاف ہوں انہیں خاص طور پر دور کرنے کی کوشش کی جائے جیسے جھوٹ بولنا' دھوکہ فریب دینا اور مذاق اڑانا وغیرہ' جب اسکی بری عادتوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر دوسرا قدم اٹھایا جائے یعنی اس میں ایسے اچھے اخلاق اور طور طریقے پیدا کئے جائیں جو اس کے لئے اسکی معاشرتی زندگی میں مفید ثابت ہوں' جیسے دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنا' دوسروں کی مدد کرنا' اسی طرح باطنی اخلاق جیسے سچ بولنا' وفاداری' محبت' ایثار و قربانی وغیرہ۔

رفتہ رفتہ یہ چیزیں طفل کی حیات میں ایک نیک کردار کی طرح ہو جائیں گی اور وہ ان کی پیروی کرنے لگے گا۔

☆ اگر کوئی مربی سوال کرے کہ تربیت اولاد کے مذکورہ طریقے اگر کارگر اور نفع بخش ثابت نہ ہوں یعنی ان کو اخلاق حسنہ کا عادی بنانا' ان کے سامنے اچھا اسوہ اور نمونہ پیش کرنا

اور انہیں وعظ و نصیحت کرنا' ان میں سے کوئی طریقہ تربیت بھی نفع بخش ثابت نہ ہو تو پھر ہم کیا کریں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں کہ جب ان میں سے کوئی طریقہ فائدہ مند ثابت نہ ہو رہا ہو تو پھر ایک ہی قطعی علاج ہے جس میں امور کو اسکی درست جگہ میں رکھنے کا خیال رکھا گیا ہو' ممکن ہے کہ ایسی صورت میں درست علاج اسکی سزا کے ذریعہ تربیت ہو' تربیت کے سلسلے میں بعض یورپین خیالات تو ایسے ہیں جو سزا سے نفرت دلاتے ہیں بلکہ زبان پر اس کا ذکر تک پسند نہیں کرتے' بعض نے تو اس قدر تشدد کیا کہ انہوں نے کہا کہ تربیت اولاد کے معاملہ میں یہ امر ضروری ہے کہ سزا کا اشارہ تک بھی نہ کیا جائے۔

☆ سرزنش اور سزا کا طریقہ تربیت ہر بچہ کے لئے بالکل نہیں ہے' کیونکہ بعض بچے وعظ و نصیحت یا عادات کی تبدیلی کے ذریعہ بھی تربیت و اصلاح حاصل کر لیتے ہیں یعنی تربیت کے یہ طریقے ان کے لئے فائدہ بخش ثابت ہو جاتے ہیں لیکن تربیت اولاد کے سلسلہ میں کچھ ایسی عقوبات بھی ہوتی ہیں جن میں شفقت اور ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے' اگرچہ نرم اندازِ تربیت بچوں کی اصلاح کے لئے مفید و کامیاب ہے لیکن اس میں اس پہلو کا بھی خیال رکھا جانا چاہیئے کہ کہیں اس نرمی اور مہربانی والے طرز تربیت سے کوئی نقصان یا ضرب پیدا نہ ہو' لہٰذا ان کی تربیت کے معاملہ میں احتیاط اور ہوشیاری لازمی ہے' اس لئے کہ بچے اپنی بہتری اور نفع کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اور بعض اوقات اسی بامقصد عقوبت کا استعمال اسی احتیاط اور دوراندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

☆ اولاد کو اسکی غلطی سے درگزر کر دینا بھی مفید سرزنش ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اسے غلطی اور اس کا نقصان بتا دیا جائے' اس لئے کہ یہ معافی ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوگی' اور وہ اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ اس سے ان کے قلوب صاف شفاف میدان کی طرف کھنچیں گے' کیونکہ جب عفو و درگزر کا معاملہ بدنی سزا پر غالب ہوگا۔ تو یہ تربیت میں کامیابی کا عنوان ہوگا اور اس کی ضمانت ہوگی۔

☆ ابوالحسن علی محمد القابسی نے بھی اس عمدہ اصول کو اخذ کرتے ہوئے معلّمین اور مربیین کو بچوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے' جب بڑوں کی غلطیوں سے درگزر

کرنا پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دی ہے تو بچوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور ان کے ساتھ نرمی برتنا ان کی کم عمری کی وجہ سے بطریقِ اولیٰ ضروری ہوگا' کیوں کہ بچے کم عمری' اعمال کی قلت' عقول کی تنگی اور قلتِ مدارک کی وجہ سے اس کے زیادہ مستحق ہیں' معلّم کے لئے ضروری ہے کہ وہ گناہ کے مرتکب اطفال کے ساتھ نرمی و ہمدردی کا معاملہ کرے' جیسا کہ وہ معلم کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مربی کا ان کے ساتھ حُسنِ سلوک و اہتمام یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے والا ہو۔

☆ ابوالحسن قابسی کی اس تربیتی نصیحت کا دارومدار اس حدیثِ نبویؐ اور سیرتِ رسول محبوب ﷺ پر ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف اپنے مہربان بندوں پر مہربانی کرتا ہے''۔

بچے بھی اس تاکیدی حکم میں داخل ہیں' قابسی کا خیال یہ ہے کہ نرم برتاؤ ہی بچوں کی بہترین تدبیر اور نفع بخش تربیت ہے' ان کی یہ گہری نظر بالکل درست اور بچوں کے نفوس و معاملات کے مناسب ہے' اس لئے کہ بچہ اپنے کسی معاملہ کا اختیار نہیں رکھتا' اسی لئے نابالغ بچوں کو مکلّف نہیں بنایا گیا' اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے' یعنی بچہ کی عقل کی ناپختگی۔

☆ جب بھی بچہ کوئی غلطی کرے تو ضروری ہے کہ ہم اس کی تربیت کریں اور اسے مناسب طور وطریق بتائیں سب سے پہلا راستہ افہام وتنبیہ کا ہوتا ہے' اس لئے کہ بچہ جو کچھ بھی ہو وہ عاقل اور قوّتِ ادراک اور اسباب و علل کی معرفت کے سبب حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے' اگرچہ حدِّ کمال تک پہنچنے سے پہلے پہلے تک اس کا بالکلیہ ادراک ناقص و قاصر ہی رہتا ہے۔

☆ بچوں کے معاملات میں نرمی کرنا' انہیں جسمانی و زبانی سزا نہ دینا اور افہام و تفہیم کے اسباب اور طرز اختیار کرنا شاید یہ ایسے تربیتی طریقے اور تدبیریں ہیں جو بچوں کے اندر نیک اعمال کے جذبات کو پیدا کرتے ہیں پھر چھڑی کی ضرورت انہیں نہیں ہوتی' پھر یہ تربیتی ریاضت ان میں اچھے ثمرات ظاہر کرتی ہے' اور اس کے بالمقابل مربیین کا ہمیشہ سختی کرنا اور اس کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا بسا اوقات بچوں میں بدمزاجی اور اکھڑ پن کو پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات بچے اس قابلِ نفرت عادت کے عادی ہو جاتے ہیں اور اس

سے مانوس ہو جاتے ہیں' اس کا بُرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر وہ بچے مربّیین کے سامنے جری اور دلیر ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے ان کی ہیبت اور رعب ختم ہو جاتا ہے' جیسا کہ عالم و فقیہ سحنون نے معلّمین کو وصیت کی ہے کہ بچوں کو خوش کلامی اور مدح وتعریف کے ذریعہ ہی ادب سکھاؤ' بچے ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہیں شدت اور مار پٹائی کے ذریعہ ادب و آداب سکھائے جائیں۔

☆ بچوں کو سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہ لینا بھی رفق ونرمی کا ہی حصہ ہے' اگرچہ طفل اس کا سزاوار ہو' بچوں کو بار بار متنبہ کیا جائے گا' جب بار بار متنبہ کرنے کے باوجود وہ کچھ اثر نہ لیں اور ایک نہ سنیں تو پھر سزا کے ان ذرائع وطرق کو استعمال کیا جاسکتا ہے جن کا دینِ اسلام میں ذکر کیا گیا ہے' اور مفید و مؤثر تربیتی اسلوب اختیار کیا جائے' اذیت ناک اور ضرر رساں ذرائع اختیار نہیں کیئے جائیں گے' یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ بچوں کو کھانے پینے سے محروم رکھنا ایک معروف ومشہور سزا ہے' اس سزا کا بچوں کے ذہنوں پر شدید اثر پڑتا ہے' کھیلنا اور کھانا یہی تو ان کی زندگی کی خواہش ہوتی ہے جب تک وہ کھانا کھا کر سیر نہ ہو جائیں وہ بھوک سے بیتاب رہیں گے' ظاہر ہے جب کھانے سے وہ سیر ہوں گے تو کھیلیں گے بھی ضرور' بچوں کو کھانے اور کھیل کود سے محروم رکھنا یہ ایک معیوب سزا ہے' کھانے سے محرومی زیادہ سخت قابلِ عیب سزا ہے' کیونکہ یہ سزا بچوں کی صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہے' اور اس سے اس کی فطری قوتیں دب جاتی ہیں' اجاگر نہیں ہوتیں' چنانچہ ایسے طفل کی نشو ونما حرص وطمع پر ہوتی ہے' بسا اوقات اس کی یہ حرص اسے چوری تک پہنچا دیتی ہے اور وہ اپنی اس حاجت اور حرص کو پورا کرنے کی خاطر چوری کرنے لگتا ہے' جس سے اس کو محروم رکھا گیا تھا۔

☆ معلوم ہوا کہ اطفال کی تربیتِ نفس وتہذیبِ اخلاق' ان کے معاملہ میں صبر و ہمت سے کام لینا اور انہیں غیر مضر سزا دینا ہی اصل اساس و بنیاد ہے جس کا ثمرہ تہذیب وصلاح ہے۔

❖❖❖

﴿فصلِ چہارم﴾

بچہ اور قرآنِ پاک سے محبت و تعلق:

قرآنِ کریم کے مضامین بچوں کے ذہن نشین اور جان گزیں کرنے کا معاملہ بہت اہم ہے' اس لئے کہ بچوں کا قرآن سے صحیح تعلق اور وابستگی ان کے ذہنوں میں اسلامی عقائد کو راسخ کرتی ہے' جیسے تمام معاملات میں بچوں کو قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے اور اس سے رہنمائی لینے کی تعلیم دینا ان میں فکرِ سلیم کی بنیاد پیدا کرتا ہے جس کی مدد سے وہ بچے پھر حق و باطل' خیر و شر اور کفر و ایمان میں امتیاز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم ہمیشہ سے اسلامی عقائد کا منبع اور سرچشمہ رہا ہے اور رہے گا' اگر مربی نے بچوں کے دلوں کو قرآنِ پاک سے جوڑ دیا ہو' ہر وقت اسی کے معانی و مضامین کے ذریعہ ان کی تربیت' پرورش و پرداخت کی ہو تو پھر وہ بچے قرآنِ کریم سے محبت کریں گے' اس کے ساتھ ان کا تمسک اور تعلق مزید بڑھے گا' اور بچوں کے دلوں میں قرآنِ پاک کی محبت ڈالنے کا کام بالکل ابتدائی مرحلہ میں شروع ہو جاتا ہے' دانشمند مربی کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ وہ اس اہم کام کی طرف بھرپور توجہ دے اور مقدور بھر کوشش صرف کرے۔

ابنِ سینا کہتے ہیں کہ جب بچہ تلقین کے قابل ہو جائے' اور بات سن کر یاد رکھنے کا اہل ہو جائے تو اسے قرآن کی تعلیم شروع کرادی جائے' حروفِ تہجی کی اس کے سامنے صورت و شکل لائی جائے' اور اسے دین کی باتیں سکھائی سمجھائی جائیں۔

امام سیوطیؒ تو اس امر کی تاکید کرتے ہیں کہ اطفال کی تربیت قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہئے' وہ فرماتے ہیں کہ بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم دینا دینِ اسلام کا ایک اصول ہے' تاکہ ان کی پرورش فطرت کے مطابق ہو اور ان کے قلوب میں سب سے پہلے حکمت کے انوار جائیں اس سے پہلے کہ نفسانی خواہشات اس پر قابض ہوں اور

ضلالت و معصیت سے ان کے دل سیاہ ہو جائیں۔

☆ امام سیوطیؒ سے پہلے ابنِ خلدونؒ نے اس جانب توجہ دلائی اور اطفال کی قرآنی محبت کے مطابق تربیت کے مسئلہ کو پرزور انداز میں بیان کیا ہے' چنانچہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں کہ والدین کا بچوں کو قرآن کی تعلیم دینا دینِ اسلام کا ایک شعار ہے اہلِ ملت نے اسی پر عمل کیا ہے اور اپنے اپنے علاقوں میں اسی کو رواج دیا ہے' کیونکہ قرآنی آیات اور متونِ احادیث کے سبب بچوں کے قلوب میں ابتداء ہی میں ایمان اور عقائد راسخ ہو جاتے ہیں' قرآنِ کریم ہی تعلیم کی بنیاد ہے جس پر بعد میں حاصل ہونے والی صلاحیتیں مبنی ہوئی ہیں' علماء و حفاظ نے اسی بنیاد کو اختیار کیا اور آگے رواج دیا ہے' چنانچہ انہوں نے چھوٹے بچوں کو حفظِ قرآن اور محبتِ قرآن کی تاکید کی ہے۔ شیخ عبداللہ سراج الدین نے مربی اور سرپرست کو طریقہ بتایا ہے کہ وہ بچوں کی قرآنِ کریم کی محبت کے مطابق کیسے تربیت کر سکتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے سرپرستوں کو چاہئے کہ بچپن سے ہی انہیں قراان کی تعلیم دیں تاکہ ان میں ابتداء ہی سے اعتقاد پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے اور یہ قرآن اس کا کلام ہے' اسی طرح قرآن کی روح ان کے دلوں میں سرایت کرے گی اور اس کا نور ان کے ذہنوں اور مدارک و حواس میں نفوذ کرے گا' اور اس طرح وہ بچے بچپن ہی سے عقائد سیکھ جائیں گے اور ان کی نشو و نما قرآن کی محبت' اس سے تعلق' اس کے احکامات کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب کے ساتھ ہو گی' پھر وہ بڑے ہو کر قرآنی اخلاق اور قرآنی طریقہ کو اپنائیں گے' اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔ اصحابِ رسول اللہ ﷺ اپنے بچوں کی تربیت قرآن کریم کی محبت اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کے مطابق کیا کرتے تھے' یعنی انہیں قرآن کی محبت سکھاتے اور قرآن پڑھنے کا کہتے تھے۔

ایک مرتبہ ابنِ عباسؓ نے کسی آدمی سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث کا تحفہ نہ دوں جس کی وجہ سے تو خوش ہو؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں' ضرور ایسا تحفہ عنایت ہو' ابن عباسؓ نے فرمایا یہ سورت پڑھو:

﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ....﴾ (الملک:۱)

اور یہ سورت اپنے گھر والوں کو بھی سکھادو اسی طرح اپنی تمام اولاد اپنے گھر کے بچوں اور اپنے ہمسائے کے بچوں کو سکھادو کیونکہ یہ سورۃ ملک عذاب سے نجات دلانے والی ہے اور یہ سورت مجادلہ ہے یعنی قیامت کے دن پڑھنے والے کے لئے پروردگار کے سامنے جھگڑے گی اور مطالبہ کرے گی کہ اس شخص کو عذابِ جہنم سے نجات عطا کردو۔اس کی برکت سے قاری عذابِ قبر سے نجات پائے گا' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لودوتُ انها فیْ قلبِ کُلّ اِنسانٍ مِنْ اُمّتی﴾

(دیکھو سورۃ ملک تفسیر ابن کثیر)

''یعنی میری خواہش ہے کہ یہ سورت میری امت کے ہر فرد کے دل میں ہو''۔

☆ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جو عبادلۂ اربعہ اور علماءِ صحابہؓ میں سے تھے آپ بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم کا حکم دیا کرتے تھے آپؓ فرماتے ہیں: قرآنِ پاک کو لازم پکڑو' لہذا قرآنِ سیکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ' اس کے متعلق تم سے باز پرس ہوگی' اور اس کا تمہیں بدلہ ملے گا' صاحبِ عقل کے لئے یہی قرآن واعظ ہونے کے لئے کافی ہے''۔

(فضائل القرآن لابی عبید بن سلام:ص۔۵۳)

☆ مربی پر لازم ہے کہ وہ بچوں کے سامنے قرآنِ پاک کی کثرت سے تلاوت کیا کرے' کیونکہ جب بچے اپنے ماں باپ کو قرآنِ کریم پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ہم شریک ہوں گے' ہوسکتا ہے کہ وہ ان کو دیکھ کر قرآن حفظ کرنے لگیں' اس لئے کہ بہت سے چھوٹے بچے صرف سن کر سورۃ فاتحہ اور چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرلیا کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے والد جہری نمازوں میں ایسی سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں تو وہ اثر لیتے ہوئے انہیں یاد کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں' بالآخر ایسے عمدہ اخلاق کی بنیاد پر بچوں کی کتاب اللہ سے محبت و تعلق اس کی تلاوت و سماعت اور اس کے حفظ پر پرورش ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بچوں کے دلوں میں قرآنِ کریم کی محبت پیدا کرنے پر بھر پور توجہ دیا کرتے اس کے مضامین کے ساتھ ان کا ربط و تعلق پیدا کیا کرتے اور اس کے لئے مناسب وقت اختیار کیا کرتے تھے' سیدنا انس بن مالکؓ جب تکمیلِ قرآن فرماتے تو اپنے اہل واولاد کو جمع فرما کر ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد: ۷/۱۷۲)
اس سے یہ ہوگا کہ ان کے سامنے قرآنِ پاک کی عظمت و جمال کا نقشہ آئے گا۔

☆ حبر الامّت اور بحر الامت حضرت عبداللہ عباسؓ فخر فرمایا کرتے کہ انہوں نے عہدِ رسالت میں بچپن ہی کی حالت میں محکم آیتیں پڑھ لی تھیں' اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت میری عمر دس سال کی تھی اور اس وقت میں محکم آیتیں پڑھ چکا تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بچوں کو قرآن کی تعلیم دینا اور ان کے دلوں میں اس کی تلاوت کی محبت پیدا کرنا اصل میں نبوی طریقہ تربیت ہے' نبی کریم علیہ السلام نے خود صحابہ کرامؓ کی اولاد واطفال کی اسی طرح تربیت فرمائی ہے۔ اس کے بعد اسی نہج پر خلفاءِ راشدینؓ صحابہ کرامؓ سلفِ صالحین' علماءِ مسلمین اور قرآنِ کریم سے محبت رکھنے والے آج تک چلتے رہے ہیں' جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ملکوں میں قرآن سے محبت رکھنے والے بہت سے حضرات بچوں کے لئے تحفیظِ قرآن کریم کے عالمی مقابلوں کا اہتمام کرتے ہیں' یہ طریقہ بہت خوبصورت اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے' اور بعض اسلامی ملکوں میں کچھ ایسے ذمہ داران ہوتے ہیں جو حفظِ قرآن پر کثیر اموال اور عالمی اسناد کی صورت میں صلہ بھی دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے جو بچوں اور عامۃ المسلمین کی بہتری کے لئے کوئی بھی عملِ خیر بجالائے۔

☆ مربی کو یہ بات بھی جاننی چاہئے کہ اطفال کا قرآنِ کریم پڑھنا لوگوں سے بلا و مصیبت کے دور ہونے کا بھی سبب ہے' اس لئے اسے چاہئے کہ بچوں کو قرآنِ کریم سکھانے' اور شب و روز اس کی تلاوت کے ذریعہ ان کے دلوں میں قرآن کی محبت پیدا کرنے میں جلدی کرے' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ایک قوم پر

طے شدہ فیصلہ کے مطابق عذاب بھیجنے کو ہوں گے پھر اس قوم کا کوئی بچہ مکتب میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کو سنیں گے اور اس قوم سے چالیس سال تک عذاب اٹھالیں گے''۔ (تفسیر الرازی:۱/۱۷۸)

علمائے سلف نے یہی نبوی راستہ اختیار کیا' اس لئے وہ اپنے بچوں کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں قرآن کی تعلیم دیتے ہیں

قاضی عیسی بن مسکین اپنی بیٹیوں اور پوتیوں کو قرآنِ کریم پڑھایا کرتے تھے' قاضی عیاضؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد وہ اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں کو قرآن کی تعلیم اور علم کے لئے بلایا کرتے تھے' یہی حال فاتحِ صقلیہ اسد بن الفرات کا تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی اسماء کو علم کا ایک بڑا حصہ سکھایا تھا۔

☆ قرآنِ کریم کی تعلیم کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنِ کریم کے قصص و احکام اور ارشادات کی تعلیم کے دوران ان کی محبت وعظمت بھی ان کے ذہن نشین اور قلوب میں جاگزیں کرائی جائے' اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح یہ امور براہِ راست ان پر اثر کریں گے' اور بہت سے پوشیدہ مقاصد ان کے سامنے کھلیں گے' اور اس صورت میں بچہ قرآن کے مطالب سمجھنے کے قابل ہو جائے گا' نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ قرآنِ کریم سے محبت کرے گا اور کثرت سے اس کی تلاوت کرے گا۔

☆ بچہ قرآنِ کریم کو پڑھے تو مربی کو چاہیئے کہ اس بات کا اہتمام کرے کہ اسے معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھتا ہے' وہ مربی کوشش کرے کہ ان آیات کے معانی اور اس کی وضاحت مختصر طور پر اسے بتائے' تاکہ اس بچہ کا دل ودماغ کھلے' بچپن میں جب اس نے معانی ومطالب سمجھیں ہوں گے' معلوم ہوں گے' تو جوانی اور عمر رسیدی کے وقت بھی یاد رہیں گے' جیسا کہ ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سورۃ النساء کے بارے میں پوچھو' کیونکہ میں نے بچپن کی حالت میں اسے پڑھا تھا۔

☆ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق اکبرؓ اپنے بھانجے عروہ بن الزبیرؓ کو قرآنِ کریم کی بعض آیات کی تشریح بتایا کرتی تھیں' ابنِ کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں

حضرت عائشہؓ کے بارے میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ جب ان کے بھانجے عروہ بن الزبیرؓ نے ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا:

﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ﴾ (یوسف:۱۱۰)

''یہاں تک کہ جب رسل مایوس ہونے لگے''۔

عروہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یہ ''کُذِّبُوا'' ہے یا ''کُذِبُوا'' ہے یعنی رسولوں کی تکذیب کی گئی یا ان سے کذب کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کُذِبُوا ہے یعنی ان کی تکذیب کی جانے لگی گی' میں نے پوچھا پیغمبروں کو تو یقین ہو گیا تھا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے تو پھر ان کے گمان کرنے کے کیا معنی ہیں؟ فرمانے لگیں: ہاں بالکل ایسا ہی ہے کہ انہیں اس کا یقین ہو گیا تھا' میں نے پوچھا پھر: ﴿وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا﴾ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ معاذ اللہ! پیغمبر اپنے رب کے ساتھ ایسا گمان بھی نہیں کر سکتے' میں نے آیت کا مطلب پوچھا تو فرمایا: اس سے مراد ان پیغمبروں کے متبعین ہیں جنہوں نے ان کی تصدیق کی تھی پھر بلا ومصیبت ان پر ایک مدّتِ مدید تک رہی اور نصرتِ الٰہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو پیغمبر قوم کے مکذبین سے مایوس ہونے لگے اور خیال کرنے لگے کہ کہیں ان کے اتباع (متبعین) ان کی تکذیب نہ کرنے لگیں اس وقت اللہ کی مدد آ پہنچی۔

☆ اس خوبصورت طریقہ سے مربی بچہ کی مؤثر تربیت کر سکتا ہے' آیاتِ قرآنی اور ان کے مفاہیم کو اس ننھے کے دل کی بہار بنا دے' قرآنِ کریم نفسِ انسانی پر بالعموم بہت بڑی تاثیر رکھتا ہے' قرآن انسانی نفوس کو اپنے ریاض وحیاض (باغوں اور چشموں) کی طرف کھینچتا ہے اور اپنے شیریں بیاں اور چشمۂ بلاغت کے ذریعہ دلوں کو متاثر کرتا ہے' دل جتنا زیادہ صاف ہو گا قرآنِ کریم اتنا زیادہ اثر کرے گا۔ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ بچہ کا دل بڑوں کی نسبت زیادہ صاف ہوتا ہے اس کی فطرت زیادہ شفاف رہتی ہے اس لئے مربی اس کے دل میں محبتِ قرآنی کا بیج اس طریقہ پر بو سکتا ہے کہ جو طریقہ اس کی عمر اور رجحانات کے مناسب ہو' چنانچہ وہ ابتداء میں ایسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کی محبت اس کے دل میں ڈال دے جس کو اس کا حافظہ محفوظ رکھ سکتا ہو' اگر ایک سورت وہ یاد نہ کر سکے۔ تو

مربی اسے دوسری سورت کی ترغیب دے اور اسے اس سورت کی خصوصیات اور فضائل بتائے جو اس کے حفظ کرنے میں مددگار ثابت ہوں اور حوصلہ افزائی کا باعث ہوں' جب یہ سارے امور مکمل ہوں گے تو بچہ بہت سی سورتیں یاد کرلے گا' قرآن سے محبت کریگا اس سے متاثر ہوگا اور اس کے سارے اخلاق قرآن کے مطابق بن جائیں گے' ہماری شاندار تاریخ میں ایسے بچوں کی عظیم مثالیں موجود ہیں جنہوں نے دس سال سے بھی کم عمر میں قرآنِ کریم مکمل حفظ کرلیا' جیسے امام شافعیؒ سہل بن عبداللہ تُستریؒ اور ابنِ سینا وغیرہ۔

☆ عصرِ حاضر میں بھی ہم ایسے بہت سے بچوں کو دیکھتے اور ان کے بارے میں سنتے ہیں کہ انہوں نے قرآنِ کریم کم عمری میں حفظ کرلیا' اس کا زیادہ تر مشاہدہ ان عالمی مقابلوں میں ہوتا ہے جس کا ہر سال مکہ مکرمہ میں انعقاد کیا جاتا ہے' اس کے علاوہ بھی دیگر اسلامی و عربی ممالک میں یہ منظر دیکھا جاتا ہے' جب طفل اس طرح کے مقابلے دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے' تو وہ ضرور قرآنِ پاک سے محبت کرنے لگتا ہے' اور اگر مربی توجہ دے اسے ترغیب دے' اس کی ہمت افزائی کرے اور اس کے لئے مفید و معین وسائل و ذرائع فراہم کرے تو وہ طفل محبت کے علاوہ اسے حفظ بھی کرنا شروع کردیتا ہے' جیسے کیسٹوں میں ریکارڈ شدہ قرآن اور دیگر ریکارڈنگ کے آلات کے ذریعہ قرآن سننا' اس سے بچوں میں حفظِ قرآن کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

❖❖❖

❖

﴿باب خامس﴾

(بچوں کی اخلاقی تربیت، قرآن کی روشنی میں)

فصلِ اوّل: بچہ اور قرآنی اخلاق

فصلِ دوم: بچہ اور اس کی اللہ ورسول ؐ کے معاملہ میں اخلاقی تربیت

فصلِ سوم: بچہ اور اس کی مسلمانوں کے معاملہ میں اخلاقی تربیت

فصلِ چہارم: بچہ اور اس کی کھانے پینے کے معاملہ میں اخلاقی تربیت

فصلِ پنجم: بچہ اور اس کی طہارت ونظافت کے سلسلہ میں اخلاقی تربیت

فصلِ ششم: بچہ اور اس کی سونے کے متعلق اخلاقی تربیت

فصلِ ہفتم: بچہ اور قرآنی تربیت کے مختلف آداب

﴿ فصلِ اوّل ﴾

بچہ اور قرآنی اخلاق:

☆ قرآنِ کریم کے بیان کردہ آداب تربیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے بچہ کی تہذیب و اصلاح کے لئے ایک عظیم حصہ مختص کر دیا ہے قرآنِ کریم نے انسان کو اس کی زندگی کے تمام مراحل اور اہم موقعوں میں اخلاق و آداب کا دستور فراہم کیا ہے' اور اس کے ہر اہم پہلو پر توجہ دی ہے اور اس کے متعلق رہنمائی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی:

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۖ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ....اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ (لقمان:۱۳-۱۹)

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے............ بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے''۔

یہ بھی انہی عظیم اور مبارک اخلاقی ہدایات میں سے ایک ہے جس کے مطابق ہم اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں فصلِ سابق میں اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔

☆ سورۃ لقمان کی یہ آیاتِ مبارکہ انسان کے رفیعانہ و کریمانہ کامل اخلاقی دستور پر مشتمل ہیں اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں ان آیات کی ابتداء ایسے اعلیٰ خلق اور اہم و ضروری عقیدہ سے ہو رہی ہے جسے ہر بچہ کے دل میں پیوست ہونا چاہئے' یعنی اللہ تعالیٰ کا حق' کیونکہ اللہ کے حقوق تمام حقوق سے عظیم و برتر ہیں اور ہر خیر کی یہ کنجی ہے' یہ ابتدائی آیات اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے اور شرک جیسے عظیم و کبیر گناہ سے اجتناب

کرنے کا حکم دیے رہی ہیں شرک ایسا عظیم گناہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائیں گے، شرک کے علاوہ جو گناہ وہ چاہیں گے معاف کردیں گے۔

☆ اس کے بعد کی آیات کریمہ بچوں کو اپنے تمام حالات کا جائزہ لینے کے لئے دعوتِ فکر دیتی ہیں، یعنی یہ آیاتِ مبارکہ بچوں کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مشقتوں اور تکالیف پر صبر وضبط سے کام لینے، تکبر نہ کرنے، لوگوں کو حقیر نہ جاننے تواضع و عاجزی اختیار کرنے اور لوگوں سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کے وقت آداب ملحوظ رکھنے کی ترغیب ودعوت دیتی ہیں۔

اس طرح قرآنِ کریم چند آیات میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی آداب واخلاق کا ایک دستورِ کامل پیش کرتا ہے، آخر کار بچے اپنی زندگی اس حال میں گزارتے ہیں کہ درست اور غلط طریق ان کے سامنے واضح ہوتا ہے۔ زندگی کا مقصد پہچاننے کی وجہ سے وہ ضائع نہیں ہوتے، ورنہ وہ بچے دستورِ حیات اور نظامِ زندگی کے بغیر ضائع ہوسکتے ہیں کیونکہ نظامِ حیات اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے اخلاق کو سدھارتا ہے۔

☆ جس طرح قرآنِ کریم نے اچھے اخلاق اپنانے اور برے اخلاق ترک کرنے پر توجہ دلائی اور رہنمائی کی ہے اسی طرح سنتِ مطہرہ نے بھی اس کا اہتمام کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’بے شک اللہ تعالیٰ کریم ہیں اعلیٰ اخلاق اور کرم نوازی کو پسند کرتے ہیں اور برے اخلاق کو ناپسند کرتے ہیں‘‘۔ (رواہ الطبرانی والبیہقی۔ فیض القدیر: ۲/۲۹۵)

☆ قرآن کے بتائے ہوئے اخلاقِ عظیمہ ایسے ثابت اور مستقل ہیں کہ ان میں کبھی بھی تغیر وتبدل پیدا نہیں ہوسکتا، یعنی یہ امر محال ہے کہ کبھی کسی دن جھوٹ بولنا (مثلاً) اچھے کاموں میں سے شمار ہونے لگے اور سچ بولنا برے کاموں میں سے یا بیہودہ گوئی شمار ہونے لگے، ایسا ناممکن ہے، جس چیز کو قرآن نے مذموم قرار دے دیا وہ چیز تا قیامت مذموم ہی رہے گی اور جس چیز کو ممدوح قرار دے دیا وہ چیز بھی ہمیشہ کے لئے قابلِ تعریف اور ممدوح ہی رہے گی۔

☆ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ نے جتنے بھی اخلاق بتائے ہیں وہ انسان کی بہتری اور

نفع ہی کے لئے ہیں' اور وہ حجت و دلیل سے مؤید ہے' اس لئے کہ قرآنی تربیت سے بچہ کی شان بلند ہوگی لیکن یہ اس وقت ہے جب حقیقی زندگی کو اس میں ڈھالا جائے اور اس کے مطابق بنایا جائے۔ ذیل میں ہم کچھ ایسے اہداف بیان کرتے ہیں جن کے ساتھ بچوں کے نفوس ضرور مزیّن ہونے چاہئیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا' اس کے حکم کی پابندی اور اس کے اوامر و نواہی کی معرفت حاصل کرنا۔

☆ اچھی اور مفید عادات کا کسب کرنا اور طفل کو اس کے نتائج و ثمرات بتانا۔

☆ بچوں کے دل میں خیر و فضیلت (اچھے کاموں) کا جذبہ پیوست کرنا اور شر و برائی کا عنصر نکالنا۔

☆ بچوں کی فطری اور جبلّتی قوّتوں کی درست طریقہ پر تہذیب و اصلاح کرنا۔

☆ بچوں کے اندر اچھے اور عمدہ جذبات و رجحانات کو پروان چڑھانا۔

☆ ان اہداف کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے جب بچوں کو بچپن ہی سے ان امور کی تعلیم دی جائے اور دلنشین کرایا جائے۔ یہ صورت والدین اور مربیین کے لئے آسان ہے' ماہرینِ نفسیات اور ماہرینِ فنِ تربیت کا اس امر پر تقریباً اتفاق پایا جاتا ہے کہ بچہ کی شخصیت اور اس کے انفعالی اور طبعی رجحانات اوائلِ عمر ہی میں مقرر ہو جاتے ہیں اس لئے بچوں کے اس ابتدائی زمانہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے یعنی ان کو اس عمر میں ہی اعلیٰ عمدہ اخلاق اور خیر و فضیلت کے کاموں کی طرف توجہ دلانی چاہیئے اور ان کے دل و دماغ میں اچھے مضامین بٹھانے چاہئیں اس لئے کہ اس کا بڑی عمر میں پہنچنے کے بعد بڑا اثر رہتا ہے۔

☆ علماءِ مسلمین نے اس کی طرف بہت پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا' امام ماوردیؒ بچوں کے زمانۂ طفولیت کی اہمیت اور اس میں ان کو اخلاق و آداب کی تعلیم دینے کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''باپ کے ذمہ جو تادیب ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پہلے بنیادی آداب سکھائے تاکہ وہ ان سے مانوس ہو جائیں اور ان کے مطابق ان کی پرورش ہو' جب بڑا ہوگا تو ان آداب کو آسانی کے ساتھ قبول کر لے گا' کیونکہ بچپن میں ان سے مانوس

واقف ہو چکا تھا' اس لئے کہ بچہ کی بچپن میں جس چیز پر پرورش ہوتی ہے وہ اسی کا عادی ہو جاتا ہے' اگر بچپن میں تربیت سے غفلت رہی تو پھر بڑی عمر میں اس کی تادیب وتربیت دشوار ہو جاتی ہے''۔ (ادب الدنیا والدین: ۲۲۸)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قَدْ يَنْفَعُ الْاِصْلَاحُ وَالتَّهْ ❖ ذِيْبُ فِيْ عَهْدِ الصِّغَرِ

وَالنَّشْءُ اِنْ اَهْمَلْتَهُ ❖ طِفْلًا تَعَثَّرَ فِي الْكِبَرِ

''تربیت واصلاح بچپن کے زمانہ میں نفع بخش ہوتی ہے' اگر بچپن میں تربیت سے غفلت و کوتاہی برتی جائے تو وہ طفل بڑا ہو کر ناکام ونامراد ہو جاتا ہے''۔

☆ علماء نے یہ بات تاکید کے ساتھ بیان کی ہے کہ بچہ بالطبع پابندی اور تقلید کو پسند نہیں کرتا وہ تو ہر قید و بندش سے آزاد رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور حریت وآزادی کا دلدادہ ہوتا ہے' مسکویہ نے اپنی کتاب ''تہذیب الاخلاق'' میں اس جانب توجہ دلائی ہے اور طفل کی تہذیب وتادیب کے لازم ہونے کا عندیہ دیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ طفل کے افعال اپنی ابتدائی پرورش میں عموماً قبیح ہوتے ہیں' سارے افعال قبیح ہوتے ہیں یا اکثر وبیشتر' پھر وہ برابر طور طریقے اور تجربات سے گزرتا ہے اور یکے بعد دیگرے اس کے حالات بدلتے ہیں۔ جب باپ یا مربی طفل کی تہذیب واصلاح کے سلسلہ میں تربیتی عمل کے نتائج کا ادراک کرنے لگے تو اسے چاہیئے کہ تربیت واصلاح کی مشقت کو برداشت کرے اور اس میں اچھے اخلاق پیدا کرنے کے معاملہ میں ہمت نہ ہارے' اخلاق سنوارنے میں خوب محنت وکوشش صرف کرے' برے اخلاق کو اچھے اخلاق سے بدلنے کا بھرپور مجاہدہ کرے۔ ظاہر ہے اس کے لئے تدریب وتربیت' جہد ومجاہدہ اور صبر وہمت اور پیروکاری کی ضرورت ہے۔

☆ قرآنی اخلاق کیا ہیں جن کے مطابق بچہ کی تربیت کی جائے' اور والد یا مربی یا خاندان کی اس سلسلہ میں کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے ان شاء اللہ۔

فصلِ دوم

بچہ اور اس کی اللہ و رسولؐ کے معاملہ میں اخلاقی تربیت:

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کے معاملہ میں بچہ کے اخلاق سے مراد اس کے وہ آداب ہیں جسے ہر انسان بجالاتا ہے۔

پہلے ان اخلاق و آداب کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے:

☆ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق عظیم اخلاق میں سے ہے اور انسان پر سب سے بڑا واجب حق ہے' باپ اور مربی پر لازم ہے کہ اس اہم پہلو پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے اپنی اولاد و اطفال کی تربیت کا آغاز کریں' بچوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق استوار کریں' اللہ تعالیٰ ہی فضل و احسان کا مالک ہے' وہی خالق و مالک' منعم و رزّاق اور مضبوط طاقت والا ہے اور وہی محبت و عبادت کا مستحق ہے۔

☆ ہمیں چاہیئے کہ بچوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ معاملہ کی تعلیم دیں' اس کے متعلق چند اہم نقاط ذکر کئے جاتے ہیں:

ا۔ فطرت کو بیدار کرنا:

علماء کے فطرت کے معنی کے متعلق اقوال متعدد ہیں: بعض کہتے ہیں کہ فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے' بعض کی رائے یہ ہے کہ فطرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اقرار ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ فطرت سے مراد ایمان ہے' قرآنِ حکیم میں ان تمام معانی کے مطابق فطرت کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ........﴾ (الروم:۳۰)

اس آیتِ مبارکہ میں ''فطرت'' سے مراد دینِ اسلام ہے۔

☆ حدیثِ نبوی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بناڈالتے ہیں..........'' (بخاری:۲/۱۲۵)

اس طرح کے مضمون کے ذریعہ بچوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کیا جاسکتا ہے' فطرت کے مفہوم میں صرف اقرار باللہ اور ایمان باللہ داخل نہیں ہیں بلکہ فطرت طبعاً خیر کی طرف مائل ہوتی ہے' خیر کو پسند کرتی ہے اور شر سے نفرت کرتی ہے' ایسی صورتِ حال میں بچوں کی ذہن سازی اور اس کے دل میں یہ حسین مفہوم بڑی آسانی سے مرکوز ہوسکتا ہے' بچوں کو تاکید کے ساتھ بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا' ہمیں رزق عطا فرمایا اور ہمیں بے حد و عد نعمتیں اور فضیلتیں بخشیں۔

☆ بچہ بلاشبہ اپنی فطرت کے سبب ان تمام صفاتِ محمودہ کو قبول کرے گا' اور باپ ایسے وقت میں ان معانی کو اس کے دل میں مرکوز اور اس کی زندگی سے مربوط کرسکے گا۔

باشعور مربی اور ہوشمند باپ کو چاہئے کہ مناسب اوقات اور خوشگوار مواقع سے فائدہ اٹھائے ہوئے بچوں کو ایسے امور کی تعلیم دیں جو ان کے لئے مفید ہوں اور ان کا ربِّ کریم کے ساتھ ربط و تعلق کو مضبوط کرتے ہوں۔ اخلاقِ جمیلہ کا ایسا منظر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں دیکھا جاسکتا ہے' ایک دن ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم ردیف تھے حضور ﷺ نے ان کو کچھ آداب سکھائے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ پر حسنِ توکّل' مراقبہ اور اس کے حقوق واخلاق سے تھا' حضورِ اکرم ﷺ نے ابنِ عباسؓ سے فرمایا اے لڑکے! کیا میں تمہیں چند ایسے کلمات نہ سکھادوں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تجھے نفع دیں؟ ابنِ عباسؓ نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور بتایئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حقوق کی حفاظت کر' اللہ تیری حفاظت کریں گے' اللہ کے حقوق کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سامنے پائے گا' آسودہ حالی میں اسے یاد رکھ' وہ تمہیں سخت حالی میں یاد رکھے گا' اور جب تو سوال کرنا چاہے تو (صرف) اللہ سے سوال کر' اور جب مدد چاہے تو صرف اللہ سے مدد مانگ' جو کچھ بھی ہونا اس پر قلم خشک ہوگیا ہے (وہ ہوکر رہے

گا)۔اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نفع پہنچانا چاہے اور اللہ نے تیرے مقدر میں اسے نہیں لکھا ہے تو وہ تجھے نفع نہیں پہنچا سکے گی اور اگر تجھے نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ نے وہ نقصان تیری تقدیر میں نہیں لکھا ہے تو وہ ایسا نہیں کر سکے گی"۔ (مسند امام احمد: ۱/ ۳۰۷)

یہ ہے وہ اخلاق کا تربیتی اسلوب جس کے ذریعہ بچہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار ہوتا ہے اور اللہ کے سوا باقی تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں' پھر وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے اور اسی ذات سے ڈرتا ہے' اور اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا ہے' اور جلوتوں کے علاوہ خلوتوں میں بھی اس کے حقوق کا پاس رکھتا ہے' اور اسی کی راہ پر کامل استقامت وقوت کے ساتھ چلتا ہے' اور ہر حال میں خواہ حالت شدت کی ہو یا رخوت کی اسی ذاتِ کبریائی کا خوف دل میں لئے رکھتا ہے۔

☆ نیز باپ اور مربی کو چاہئیے کہ بچوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ومصنوعات کی جانب متوجہ کرے' بچوں کو برجوں والے آسمان' روشن جگمگاتے ستاروں' خوبصورت زمین و پانی' سورج' چاند اور پہاڑوں کی طرف متوجہ کرکے پوچھے یہ سب کچھ کس نے پیدا کیا؟ اور اس خوبصورت کائنات کا نظم ونسق کرنے والا کون ہے؟ پھر ان کے دلوں میں اس کے درست جوابات ڈالے۔

☆ بسا اوقات بعض ذہین بچے اپنے والدین یا معلمین سے سوال بھی کرتے ہیں' وہ کبھی پوچھتے ہیں کہ کائنات کا خالق وموجد کون ہے؟ اور کبھی ان کا سوال اشیاء کی طبیعت و حقیقت کے متعلق ہوتا ہے' یہ چیز اس ہئیت وشکل میں کیوں بنائی گئی ہے؟ تو والدین وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان سب کا خالق اللہ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں یہ صفات اور شکلیں عطا فرمائی ہیں۔

☆ باپ کے لئے یہ بات نامناسب ہے کہ وہ اسکو ناسمجھ سمجھتے ہوئے یا یہ سمجھتے ہوئے کہ ابھی یہ اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا' اس کے سوالات کو مہمل نہ جانے اور ان سے غفلت نہ برتے۔ اس لئے کہ بچہ کی عمر کا ابتدائی مرحلہ ایسا ہوتا ہے' جس میں اس کی فطرت اپنے خالق کی شناخت کے لئے بیدار ہوتی ہے۔

۲۔ ہر حال میں اللہ کے خوف کا احساس رکھنا:

اللہ تعالیٰ کے حق میں بچوں کی اخلاقی تربیت کے متعلق یہ ایک اہم نقطہ ہے' اور یہ اسلامی تربیت کا ایک اہم پہلو ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی معیت کا ہر لمحہ احساس اور اس کا انسان کے تمام اعمال کے احاطہ پر قادر ہونے کا اعتقاد ہی دراصل حقیقی اخلاقی تربیت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

☆ قرآنِ کریم اور اسلامی تعلیمات تربیتِ اولاد کے معاملہ میں مراقبۂ خداوندی اور خوفِ خداوندی کی جانب کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہیں اور اس پر بہت زور دیتے ہیں' تاکہ وہ بچہ اپنی دنیا و آخرت اور خاندان و معاشرہ کا نفع بخش فرد بن سکے۔

☆ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیاتِ کریمہ میں ایسے ہی معانی و مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ صلے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق:۱۶)

''ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں' اور ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں''۔

لھذا بچوں کو اس کی تعلیم دی جائے کہ دل میں جو خطرات و خیالات گزرتے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اللہ کا علم انہیں بھی اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ پروردگارِ عالم فرماتے ہیں:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ (الحدید:۴)

''جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وسیع علم کی وجہ سے انسان کے ساتھ ہے وہ

چاہے کہیں پر بھی ہو ہر شے اس کے احاطۂ علم میں ہے۔

☆ احادیثِ نبویؐ سے بھی طفل کی تربیت کے لئے ایسے بہت سے خوبصورت طرز کا علم ہوتا ہے جس سے تعلق مع اللہ کی بہترین صورتیں سامنے آتی ہیں اور جس سے وہ طفل صغر سنی ہی کی حالت میں بہترین اور پسندیدہ فرد بن جاتا ہے۔

☆ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں حضرت علی بن ابی طالبؓ صرف دس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے' اور اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل کی اور باطل کو پھینک دیا' اور دنیا کے بلند ترین انسان بنے۔

ذیل میں کم عمر مجاہد صحابہؓ کے اسماءِ گرامی دیئے جاتے ہیں جنہوں نے دورِ نبوت میں چھوٹی عمر میں ہی اعلیٰ فضیلتیں حاصل کیں۔ اسامہ بن زیدؓ اسید بن ظہیرؓ براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ اور بہت سے صحابہؓ جنہوں نے غزوہ احد کے موقع پر کفار کے خلاف جہاد میں شرکت کی اجازت کے لئے اپنی جانیں حضور نبی مربی ﷺ کے سامنے پیش کی تھیں' اگرچہ وہ اس موقع پر بہت پرامید تھے کہ انہیں اجازت مرحمت ہو جائے گی مگر حضور ﷺ نے ان کی کم عمری اور سنِ طفولیت کے قریب ہونے کی بناء پر انہیں اجازت عطا نہیں فرمائی تھی اور ان کو واپس بھیج دیا تھا۔

☆ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَاالنَّاسُ وَالْحِجَارَةُ............﴾ (التحریم:۶)

''اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں''۔

جب آپ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی تو ایک جوان جس کے دل پر تلاوتِ نبوی ﷺ نے اپنا اثر دکھا دیا تھا گرتا ہوا آتا ہے' رسول اللہ ﷺ اپنا دستِ اقدس اس کے سینہ پر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اے جوان! کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پس وہ یہ کلمہ کہتا

ہے حضور ﷺ اسے جنّت کی خوشخبری سناتے ہیں' پھر تقریباً سات سال کی عمر کے بچے رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور وہ بھی بڑوں کے ساتھ حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہیں حضور ﷺ اپنا دستِ اقدس بڑھاتے ہیں اور ان سب کو بیعت فرماتے ہیں۔ (المستدرک: ۲/۳۵۱)

☆ اس موقع پر ہم اس کیفیت کو ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ان چھوٹے بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف کس طرح ڈالا جائے جو آگے چل کر اللہ عزوجل کے راستہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کا سبب بن جائے۔ پاکیزہ جذبات کے یہ مبارک انواع ایسے ہیں کہ ان میں والدین کے لئے تربیت کے مطالب موجود ہیں جنہیں وہ اپنے بچوں کے دلوں میں ڈال سکتے ہیں اور ان کے مطابق ان کی تربیت کر سکتے ہیں تاکہ ان بچوں کے دلوں کا اور ان کی روحوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق پیدا ہو جائے۔

☆ بچوں میں ایسے پاکیزہ جذبات ابھارنے کے دیگر عوامل میں سے ایک اہم عامل یہ ہے کہ ان میں اللہ و رسول ﷺ کی طرف رجوع کا احساس بیدار کیا جائے' بچے ان جذبات کی طرف فطرۃً مائل ہوتے ہیں یقینی چیزوں میں رغبت رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں' تاکہ انہیں زندگی کی حقیقت اور اس کی قدر و قیمت معلوم ہو' کامیاب والد اور مربی وہی ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں بچوں کی تربیت میں مسلسل لگا رہتا ہے' اور ان میں خدا تعالیٰ کے خوف کا احساس پیدا کرتا رہتا ہے' اور اللہ کے سامنے (ایک دن) جوابدہی اور تمام ذمہ داریوں کا احساس بیدار کرتا رہتا ہے' اور یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے' سنِ تمیز کی ابتداء ہی میں اس کا حصول ممکن ہے' اس لئے کہ طفل کے لئے صورتِ مجردہ اور اس کے معانی کا فہم و ادراک ممکن ہوتا ہے۔

☆ باپ بچوں کے ساتھ تذکیر و تفہیم کا اسلوب اختیار کرے' بچوں کو ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی نگرانی کر رہے ہیں اور اس کے تمام اقوال و افعال سے واقف ہیں۔ اس کے لئے متنوع صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں' مثلاً بچہ سچ بولے تو اس کی حوصلہ افزائی کرے اور اس پر جو اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے اس کی ترغیب دے' جب بچہ کو کمرہ وغیرہ

میں اکیلا چھوڑے یا افرادِ خانہ سے دور کسی جگہ میں تنہا چھوڑے تو اسے یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نگرانی کررہے ہیں' مثلاً یوں کہے کہ مجھے پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمام حالات میں دیکھتا ہے؟ وہ یقیناً بالطبع جواب دے گا کہ ہاں ضرور وہ دیکھتا ہے' تو اس موقع پر باپ اسے نصیحت کرے کہ جب وہ ہر وقت اور ہر حال میں دیکھتا ہے تو تجھے کوئی ایسا کام جس سے وہ (اللہ تعالیٰ) ناراض ہوتے ہوں نہیں کرنا چاہیئے۔

☆ باپ بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں ترغیب و ترھیب کا انداز بھی اختیار کرسکتا ہے۔ تاکہ بچوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف دونوں پروان چڑھیں اور اس طرح اس کی زندگی خوف اور امید کے درمیان گزرے۔

☆ لائقِ ذکر امر یہ ہے کہ بچوں کو اگر اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ دلایا جائے اور عذاب کا ذکر کثرت سے کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں خوف ہی کا دباؤ رہتا ہے اور اس کا اثر پھر کافی بعد تک رہتا ہے' اس لئے باپ اور مربی کو چاہئے کہ کامل توجہ ترغیب کے اسلوب پر مرکوز رکھے' اور اس کے دل کو رجاو امید سے وابستہ رکھے' کیونکہ ایک تو طفل کو اس کی زیادہ ضرورت ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اس کی طرف زیادہ راغب ہے۔

☆ ترغیب وترھیب کے سلسلہ میں باپ یا مربی چاہے تو وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں جنت کا وصف یا جہنم کا ذکر ہے بیان کردے' کیونکہ قرآنی آیات میں ان کے لئے عبرتوں اور نصیحتوں کے سامانِ وافر موجود ہیں' اور پھر آیات کے سادہ اور مختصر طور پر معانی و مطالب بھی واضح کردے' نیز اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی بافائدہ اور مناسب واقعات اور مفید مواعظ جوڑ دے اور ملادے' خصوصاً اس وقت جب بچہ ہر قسم کے لہو ولعب وغیرہ سے فارغ الذھن ہو' بچوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلانا اور انہیں نفع بخش ترغیب وترھیب دینا ایسے امور ہیں کہ ان سے بچوں کے اندر زبردست اور شفاف وجمیل قسم کی حساسیت پیدا ہوتی ہے جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرآنی آیات کا سماع کرتا ہے تو اس کے ذھن میں خشیتِ خداوندی کا استحضار پیدا ہوجاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس صنف کے لوگوں کا ذکر قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا
تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ﴾
(الانفال:۲)

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں' اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں' اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''۔

☆ اس اخلاقی اور تربیتی میدان میں باپ کو اپنے طفل کے لئے اسوہ اور نمونہ بننا چاہئیے' لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی کتاب ''قرآنِ پاک'' پُرسوز لہجہ میں پڑھے' اور دورانِ تلاوت اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اپنے دل میں احساس لائے' اس کا بچہ پر عظیم اثر ہوگا' اگر باپ قرآنِ کریم کی تلاوت خوش الحانی آہ و بکاء اور خشوع کے ساتھ کرے تو بھی بہت بہتر ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرآن درد و غم کے ساتھ نازل ہوا ہے' لہٰذا جب اس کی تلاوت کرو تو رویا کرو' اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت ہی بنا لیا کرو''۔
(ابنِ ماجہ' رقم: ۱۳۳۷)

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے (جو کہ حبر الامت اور بحر العلم ہیں) آپ فرماتے ہیں قرآن پڑھو اور س کے ذریعے اپنے دلوں کو حرکت دو'' (یعنی تلاوت قرآن کریم کے وقت حزن و بکاء اور خشوع کا اظہار کیا کرو)۔

☆ واضح بات ہے کہ جب طفل اپنے مربی کو قرآن سے متاثر ہوتے دیکھے گا تو وہ خود بھی بہت زیادہ اس سے متاثر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مربی سے خشیت کا سبب پوچھے نیز وہ طفل اس مشاہدہ سے جان لے گا کہ میرا مربی جس امر کی وجہ سے آہ و بکاء میں مبتلا ہے وہ یقیناً کوئی عظیم و جلیل امر ہوگا' اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس طفل کے صاف اور معصوم

دل میں بھی خشوع کے آثار پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے' اور ان کی نقشہ سازی ہو جائے گی' اور پھر خوف وخشوع کے یہ آثار اس کے جوان ہونے تک اس کی قوت متخیلہ میں موجود رہیں گے' جب وہ کامل جوان ہوگا تو ایمان کی حقیقی حلاوت وشیرینی اور خشوع وخضوع کی لذت سے متلذذ ہوگا' اور مراقبہ الٰہی کے ثمرات سے مکمل طور پر آشنا ہوگا' بالآخر وہ راہِ مستقیم پر گامزن رکھنے والی تربیت سلیمہ کے فوائد سے بھرپور مستفید ہوگا۔

(۳) نعمتوں سے روشناس کرانا:

اللہ تعالیٰ کی ظاہری وباطنی نعمتوں سے بچوں کو روشناس کرانا بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کی اخلاقی تربیت کا حصہ ہے انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں' فضیلتوں اور متنوع پاکیزہ چیزوں سے بھی روشناس کرانا چاہیے تاکہ طفل کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں پر شکر گزاری کی کوتاہی کا احساس پیدا ہو اور اس کے ساتھ اس کے دل میں اللہ عزوجل کی عظمت وبڑائی بھی بیٹھ جائے'

☆ انسانی نفس اپنے محسن اور کرم نواز کی طرف طبعاً مائل ہوتا ہے اس سے محبت کرتا ہے' اور اپنے اندر احساس شناسی اور وجوبِ شکر کا احساس لئے ہوتا ہے۔

ایک شاعر نے اس امر کی طرف بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا' وہ کہتا ہے:

اَحۡسِنۡ اِلَی النَّاسِ تَسۡتَعۡبِدۡ قُلُوۡبَهُمۡ ❖ فَطَالَمَا اسۡتَعۡبَدَ الۡاِنۡسَانَ اِحۡسَانُ

''لوگوں پر احسان کر اس سے تو ان کے دلوں کو غلام بنالے گا' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احسان انسان کو غلام بنالیتا ہے''۔

☆ جب لوگوں پر احسان کا یہ حال ہے تو لوگوں کے خالق ومالک کے احسانات کا کیا حال ہوگا جس نے ساری کائنات کو اس کے نفع اور تعاون کے لئے مسخر کر دیا ہے۔

☆ انسان جب دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے انعامات اور نعمتوں سے نوازا ہے تو یقیناً حقوق اللہ میں تقصیر وکوتاہی کے سبب اللہ سے حیا کرے گا۔ اسے شرم کا احساس ہوگا' اب انسانی طبیعت سے باپ اور دیگر مربیین فائدہ اٹھا سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے بچہ پر

جوانعامات واحسانات ہوئے ہیں انہیں بیان کرے‘اسی طرح اللہ جل شانہ نے بچہ کی خاطر کھانے‘ پینے‘سواری‘لباس اور رہائش کے انتظامات فرمادیئے ہیں‘اور دیکھنے سننے کی قوتیں اور دیگر حواس عطا کردیئے ہیں‘ان کا اس کے سامنے ذکر کرے‘اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور انعامات کا اس کے سامنے ذکر کیا جائے گا تو وہ یقیناً ان نعمتوں کے فوائد سوچے گا‘وہ ضرور سوچے گا کہ واقعی اگر مجھے ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت حاصل نہ ہوتی تو مجھے بڑی صعوبت ودشواری کا سامنا کرنا پڑتا اور بدنصیبی کی زندگی بسر کرتا‘یہ بھی ممکن ہے کہ ہم بچہ کی توجہ کھانے پینے کی عدم دستیابی اور اس سے برآمد شدہ نتائج یعنی بھوک وہلاکت وغیرہ کی جانب بھی مبذول کرائیں‘مربی بچہ کی تربیت کے لئے بہت سے شاندار مواقع پاسکتا ہے‘مثلاً اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے ربط وتعلق قائم کرے‘اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات وانعامات پر شکر کے جذبہ کو فروغ دے‘اور اسے ایک عالم کا یہ قول یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ دراصل اس کا اپنے بندوں ہی پر فضل واحسان ہے‘جس کا شکر ادا کرنے کے لئے بندے اس کی حمد کرتے ہیں اور اس میں جو حکمت ومصلحت ہے وہ بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے جس کی وجہ سے وہ ذات لائقِ حمد وشکر ہے۔

☆ چونکہ بچہ کا ذہن اپنے اردگرد کے ماحول سے مربوط ومتعلق ہوتا ہے جس میں وہ زندگی بسر کرتا ہے۔اس لئے وہ دین سے متعلقہ امور کا صحیح ادراک محض ان کے معانی سے نہیں کرپاتا‘اس کے لئے مربی کو چاہئے کہ بچہ کی توجہ اردگرد کے وسیع ماحول کی طرف مبذول کرائے‘جب وہ آسمان وزمین‘درختوں پہاڑوں اور پھولوں جیسے قدرتی مناظر دیکھے گا تو اسے ان قدرتی امور کے حسن و جمال کا ادراک ہوگا اور اسے خوشگوار آثار کا احساس ہوگا جس کا اس پر اثر یہ ہوگا کہ پھر وہ اللہ رب العالمین کا مزید شکر ادا کرے گا جس نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد اسے قرآنِ حکیم کی چند آیات سنائی جائیں‘مثلاً فرمانِ خداوندی ہے:

﴿يَاۤاَيُّهَاالنَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ (فاطر:۳)

''اے لوگو! اللہ کے تم پر جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو' کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہو''

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَه' ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (لقمان:۲۰)

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں' اور اس نے اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کر رکھی ہیں''۔

نیز فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (القصص:۷۳)

''اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے دن اور رات کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو' اور تا کہ (دن میں) اس کی روزی تلاش کرو' اور تا کہ تم شکر کرو''۔

اسی طرح کی دیگر کثیر آیاتِ قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات اور عطیات کا ذکر ہو ان کا بچوں کے سامنے ذکر کیا جائے اور ساتھ ساتھ ان آیات کی تشریح بھی کی جائے مگر اس تشریح میں بچوں کی عمر کا بھی لحاظ رکھا جائے اور وہ تشریح مختصر مگر پر مغز قسم کی ہو' قرآنی آیات میں بچوں کے لئے جو زیادہ اہم نعمتیں مذکور ہوں انہیں اختیار جا سکتا ہے' اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کی وضاحت کی جائے' بچوں کے ابوّت کی نعمت اور ماں کی شفقت واضح کی جا سکتی ہے اسی طرح مثلاً بصارت کی ن

جا سکتی ہے' اس سے یہ ہوگا کہ بچہ کو بصارت کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوگی اور اس کے نتائج سے واقفیت ہوگی' اس طرح سے اس کو ان نعمتوں کے شکر بجالانے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کرنے پر متوجہ کیا جاسکتا ہے' اسی طرح بچوں کو ایسے دوسرے پہلوؤں پر توجہ دلائی جاسکتی ہے' جو ان کی عمر اور ذہنی سطح کے مناسب ہوں' اور ان پہلوؤں کے ساتھ اخلاقی پہلوؤں پر بھی توجہ ضروری ہوگی' دونوں کو مربوط شکل میں پیش کیا جائے گا۔

۴۔ نماز اور اس کی اہمیت:

یہ امر مسلم ہے کہ بچوں کو اسلام کے پانچوں ارکان کی تعلیم دی جائے گی اور تمام ارکانِ اسلام کی اہمیت وفضیلت کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ اور اس کے اخلاقی پہلوؤں پر زور دیا جائے گا' نماز بھی اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔

☆ نماز اسلام کا رکنِ ثانی ہے' یہ اسلام کا ستون ہے بلکہ ایک یہ ایسا دینی شعبہ ہے کہ جو انسان پر اس وقت تک لازم رہتا ہے جب تک وہ باحیات اور مکلّف ہے' نماز سے انسان کا تعلق اپنے خالق و مالک سے مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر لوگوں کو اس کی پابندی کا حکم دیا ہے' قرآنِ کریم میں بصیغۂ امر اس کی محافظت کا حکمِ ربّانی آیا ہے' ارشاد ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (البقرہ:۲۳۸)

" ت کرو سب نمازوں کی (عمومًا) اور درمیان والی نماز کی ے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے"۔

ے اللہ تعالیٰ نے اس کی ادائیگی میں تھاون اور غفلت

م عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾
(الماعون:۴'۵)

''ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کر دیتے ہیں)''۔

☆ احادیثِ مبارکہ میں بھی ترکِ صلوٰۃ یا اس کی ادائیگی میں سستی کرنے پر وعید آئی ہے' چنانچہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ (مجمع الزوائد:۱/۳۰۰)

''جس شخص نے نماز قصداً ترک کی اس کے اعمال ضائع ہو گئے''۔

☆ ہمیں چاہئے کہ بچوں کی اخلاقی اصلاح' ان کے نفوس کی تہذیب اور طبیعتوں کو صیقل کرنے کے لئے انہیں نماز کے عظیم فوائد و ثمرات بھی بتائیں' یہ امر اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست تعلق اور مناجات کا ذریعہ ہے' اس تعلق سے ان کے دلوں میں اللہ کی خشیت و رہبت واقع ہوگی' اور اللہ تعالیٰ کا دلوں میں مکمل دھیان و خیال پیدا ہوگا۔

☆ نماز سے ایک مسلمان کو جو ثمرات و فوائد اور اخلاق و آداب حاصل ہوتے ہیں اور اس سے نفوس کی جو اصلاح و تربیت ہوتی ہے اس کی بھی مربی اور باپ بچوں کے سامنے وضاحت کرے' مربی یہ آیتِ قرآنی انتہائی عاجزانہ آواز میں تلاوت کرے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو جانتے ہیں''۔

نیز اس آیت کی اگر وضاحت کر دے تو کوئی حرج نہیں یا اس آیت کی تشریح کے لئے کوئی معتمد تفسیر لے کر اس کے سامنے پڑھ دی جائے تو بھی ٹھیک ہے' اور ایسا طریقہ اختیار کرے کہ وہ معانی آسانی سے اس کی سمجھ میں آ سکیں اور اس کے دل و دماغ میں بیٹھ جائیں' مثلاً تفسیر قرطبی سے اس آیتِ مبارکہ کی تشریح پڑھے' نماز' نمازی کے سارے بدن کو مشغول رکھتی ہے' جب وہ عبادت گاہ میں آتا ہے اور اپنے رب کے سامنے اظہارِ

عجز وانکساری کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دیکھ رہے ہیں اور اس کے حال پر مطلع ہیں تو اس سے اس کا نفس صالح اور عاجز ہوجاتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا خیال چھائے رہتا ہے اور اس کے جوارح و اعضاء پر اس کی ہیبت کے آثار نمایاں رہتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی: ۱۳/ ۲۴۸)

☆ مربی جب بچہ کو نماز کے ثمرات اور اس کے فوائد بتائے تو اس کے ساتھ اسے یہ بھی بتلائے کہ جن معاصی اور گناہوں کا انسان ارتکاب کرتا ہے نماز سے وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اس کی تشریح میں اسے رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی سنائے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اپنے مابین کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے“۔ (ترمذی رقم: ۲۱۴)

☆ مربی دلچسپ تربیتی انداز میں بچوں کو بتائے کہ نماز سے انسان کو نظم وضبط کی اہمیت اور اس کا حسن و جمال معلوم ہوتا ہے اور وقت کی قدر، اس کا احترام اور اس سے بھرپور استفادہ کی تدریب و تربیت حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی تمام مواقع پر اس کے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

☆ مربی بچہ کا ہاتھ پکڑے اور اسے نماز کی تعلیم دے پہلے اسے وضو اور طہارت سکھائے اور اس کے روحانی پہلو پر بھی اس کی رہنمائی کرے۔ مثلاً وضو کے محاسن کے سلسلہ میں رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی اسے سنائے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان جب وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ اس کی آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں سے خارج ہوجاتے ہیں پھر وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ اس کی مغفرت کردی گئی ہوتی ہے“۔ (مسند: ۵/ ۲۵۳)

☆ جس طرح مربی بچہ کو وضو اور طہارت کی تعلیم عملی اور نظری طور پر دے گا اسی طرح اسے نماز کی بھی تعلیم دے گا اور اس کی تربیت و تدریب کرے گا کہ وہ اس نماز کو مکمل طور پر اچھے طریقہ سے ادا کرے اس کے لئے اسے متعدد اسالیب اختیار کرنے پڑیں گے ایک اسلوب یہ ہے کہ اسے بطریق مشاہدہ و تقلید تعلیم دے اور یہ طریقہ بچپن کی عمر میں ہوتا ہے کیونکہ بچے جب اپنے والدین اور گھر کے بڑے افراد کو نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو ان کی

تقلید واتباع کرتے ہیں' پھر انہیں یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ نمازی کو نماز پڑھتے دیکھیں' اس طرح وہ نماز کے اعمال مثلاً تکبیر' رکوع اور قیام وسجدہ سے روشناس ہو جاتے ہیں۔

☆ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بچے اپنے ماں باپ یا بھائی وغیرہ کی اتباع اور نقالی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں' پس وہ ان کے پہلو میں کھڑے ہو جائیں گے اور قیام' رکوع سجدہ وغیرہ اعمال میں ان کی تقلید کریں گے' خواہ اس کی حقیقت کا انہیں ادراک نہ بھی ہو' ان شعائر کو ادا کرتے وقت بچہ عموماً بہت خوش ہوتا ہے اور شیخی بگھار رہا ہوتا ہے' کیونکہ بڑوں کے حرکات وسکنات کی نقالی اس کے لئے ممکن ہوتی ہے' یقیناً جب بچہ ایک دن میں کئی بار اس کا مشاہدہ کرے گا تو اس سے نماز کا عمل اس کے لئے سہل ہو جائے گا۔ اور پھر وہ آئندہ زندگی میں پوری رغبت' محبت اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔

☆ جب بچہ اپنی عمر کے ساتویں سال کو پہنچتا ہے تو نماز کے فعلی اوامر اور پانچوں فرائض کی ادائیگی کی ابتداء ہو جاتی ہے اور باپ یا مربی بچہ کو نماز کی ترغیب اور اس کی ادائیگی پر دوام کی ہدایت دینا شروع کر دیتا ہے' اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی کی بجا آوری کرتا ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰہٰ:۱۳۲)

''اور اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے''۔

نماز ایسی چیز ہے کہ مربی اور باپ کو اس کے لئے بڑی بلند ہمتی اور صبر وضبط کی ضرورت پڑتی ہے' جب تک کہ بچہ اپنی رغبت وشوق سے نماز ادا نہ کرنے لگ جائے' رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ ہم بچوں کو نماز کا حکم کیسے اور کب دیں' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز سکھاؤ اور دس برس کی عمر ہونے پر مارو''۔ (المستدرک:۱/۲۵۸)

☆ بچوں کو نماز کی تعلیم دینا باپ اور ولی الامر کی ذمہ داری ہے' اور واجبات میں سے ہے' صرف مستحب امر نہیں ہے'' المغنی ''میں ابن قدامہ المقدسی نے بعض علماء

سے یہ بات نقل کی ہے بچہ کے سرپرست پر یہ بات واجب ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے طہارت اور نماز کی تعلیم دے اور اس کا حکم دے۔ (المغنی:۱/۶۴۷)

اس لئے مربی اور باپ کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اس اخلاقی پہلو کو بھی سمجھے اور اس سلسلہ میں اپنی شرعی ذمہ داریوں کو پہچانے، خصوصاً نماز کے معاملہ میں بچوں کو سست اور کاہل نہ ہونے دے۔

☆ نماز کے امور کی تعلیم دینے کے سلسلہ میں باپ پر لازم ہے کہ وہ بچہ کو طہارت، سترِ عورت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرنے کی تعلیم دے، نیز یہ کہ وہ ان امور کی متابعت کرے غفلت نہ برتے، اور ہر بات کئی کئی بار بتائے، ترغیب کے مختلف ذرائع استعمال کرے، مثلاً اسے نماز کی ادائیگی پر کوئی ہدیہ وتحفہ دینا یا حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا وغیرہ، تاکہ بچہ جب جوان ہو جائے اور بچپن سے سنِ بلوغ اور عمرِ تمیز کو پہنچے تو خصوصاً نماز کے معاملہ میں غفلت نہ برتے اور اس کو معمولی امر خیال نہ کرے، کیونکہ سنِ تمیز کے بعد بچوں کی اصلاح وتہذیب اور ان کی تربیت کافی دشوار ہو جاتی ہے۔

☆ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے بہت سے وصایا اور نصائح موجود ہیں، مثلاً سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ جو عالمِ کبیر تھے انھوں نے والدین اور مربیین کو بڑی مفید نصیحت کی ہے، بچوں کو نماز کی محافظت اور پابندی کروانے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اپنے بیٹوں کو نماز کی پابندی کراؤ اور ان کو خیر کے کاموں کا عادی بناؤ، کیونکہ خیر عادت ہے''۔

☆ کبھی لہو ولعب یا کسل مندی کی وجہ سے بچہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں کوتاہی کر جاتا ہے اس موقع پر باپ کے ذمہ ہے کہ وہ اسے اچھے انداز میں وعظ ونصیحت کرے اور اسے سمجھائے، اور اسے اس کا اخلاقی پہلو بھی بتائے، اور اس وقت تک اسے مکمل طور پر فرائض کی ادائیگی کی ترغیب دیتا رہے جب تک کہ وہ بچہ رشد وہدایت کی طرف واپس نہ آجائے اور پھر سے فرائض وسنن کو مسلسل کرنے نہ لگ جائے، اگر فہمائش کے باوجود وہ بچہ بات نہ مانے تو اسے بعض ایسی سزائیں دے جو اسے راہِ غلط سے ہٹا کر راہِ صواب پر لے آئے، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ سزا اسے نماز سے متنفر نہ کرے اور اس کو سرکشی

سے روک دے' یہ اسی صورت ممکن ہے کہ جب ضربِ شدید سے اجتناب کیا جائے۔

☆ بچوں کو نماز کی ترغیب دینے کے ساتھ ان کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں' اس لئے کہ جب وہ نماز با جماعت ادا کرے گا تو اس کا دوسرے نمازیوں سے بھی میل جول ہوگا' نیز اس سے باپ کے لئے ممکن ہو سکے گا کہ وہ اس کے سامنے نماز با جماعت ادا کرنے کے محاسن وفوائد بیان کر سکے' نیز احادیث میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا جو اجر وثواب ستائیس درجہ کی صورت میں بیان ہوا ہے اس کا بھی اس کے سامنے ذکر ہو سکے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کی ایمانی وصف کے ساتھ تعریف کی ہے' فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنۡ ءَامَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ (التوبہ:۱۸)

''اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں''۔

نماز کی تعلیم کے دوران مربی اس کے سامنے اس آیت کا معنی بھی واضح کرے نیز یہ بیان کرے کہ مسجدیں ایمان اور فرض نمازوں کی ادائیگی سے آباد ہوا کرتی ہیں' اور اس کی فضیلت بیان کرے۔

☆ رسولِ کریم ﷺ مسجد میں حسنؓ یا حسینؓ کو اٹھائے ہوئے تشریف لایا کرتے تھے۔ (المستدرک:۳/۱٦۵'۱٦٦)

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ کے نواسے آپ ﷺ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو نماز طویل کرنا پڑتی۔

☆ ابو مالک الاشعریؓ مسجد نبوی ﷺ میں صفوں کی ترتیب کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مردوں کو بچوں سے آگے اور بچوں کو ان کے پیچھے کر دیتے اور عورتوں کو

بچوں کی صف سے پیچھے کرتے۔ (مسند امام احمد: ۵/۳۴۴)

یعنی مسجدِ نبوی ﷺ میں بچوں کے لئے ایک متعین جگہ تھی' شاید اس کی وجہ ان بچوں کو نماز باجماعت کا عادی بنانا ہوگا۔ بچوں کے نمازِ باجماعت میں حاضر ہونے کے سلسلہ میں ایک اہم نقطہ کی طرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز کو زیادہ طویل نہ کیا جائے تاکہ بچے مسجد میں نماز پڑھنے سے متنفر نہ ہو جائیں بلکہ وہ مسجد ہی سے فرار ہو جائیں گے۔

اگر امامِ مسجد نماز طویل پڑھائے جس سے سب کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہو اور سنّتِ نبوی ﷺ کی بھی مخالفت ہوتی ہو تو مربی اور باپ پر واجب ہے کہ وہ اسے متنبہ کرے اور اس کی راہِ اعتدال کی طرف رہنمائی کرے' اور اسے سنّتِ مطہرہ اور طریقۂ نبوی ﷺ اختیار کرنے کی ترغیب دے' نیز اسے حبیبِ اعظم اور مربی اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ ذی شان یاد کرائے' آپ ﷺ نے فرمایا: 'لوگو! بعضے تم میں سے نفرت دلانے والے ہیں' جو بھی لوگوں کا امام بنے اسے اختصار کے ساتھ امامت کرنی چاہئیے' کیونکہ اس کے پیچھے ضعیف' کمزور' بوڑھے اور حاجتمند ہوتے ہیں''۔ (بخاری فی الصلوٰۃ: ۱/۱۸۰)

سننِ ابن ماجہ کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''نماز میں تخفیف کرو' کمزور لوگوں کا خیال رکھو اس لئے کہ نمازیوں میں بوڑھے' بچے' بیمار' مسافر اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ' رقم: ۹۸۷)

☆ اس موقع پر ایک اور اہم پہلو ہے جس سے بچوں کے ساتھ بڑوں کو بھی جماعت میں حاضر ہونے کی ترغیب مل سکتی ہے' اور میں نے خود اسے محسوس کیا ہے' اور اس پہلو کا ان کے نفوس پر نہایت پاکیزہ اور عمدہ اثر پڑتا ہے' وہ یہ ہے کہ مربی خوش الحان امام کا انتخاب کرے' کیونکہ خوش آوازی کا اثر نفوس اور قلوب میں نفوذ کرے گا' اور خوش الحانی سے اس کے اندر خشوع اور قرآنی ذوق پیدا ہوگا' جب امام خوش قرأت اور خوش الحان ہوگا تو مربی یا باپ اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کی کوشش کرے گا' اور بچہ کا جمالِ صوت اور حسنِ ادا کے ساتھ ربط و تعلق پیدا ہوگا' اس سے بچہ نماز باجماعت سے مالوف و مانوس اور اس کا عادی

ہو جائے گا' مسجد میں رغبت وشوق سے آئے جائے گا' اور نمازِ باجماعت کے ساتھ اس کا دل مربوط ہو جائے گا' اس کے علاوہ اس کا اپنے ہم عمر نمازی بچوں کے ساتھ میل جول بھی پیدا ہوگا' اور بعض مفید مشاغل سے واقفیت حاصل ہوگی جیسے قرآنِ کریم کا حفظ کرنا اور بعض مفید ونافع کتابوں کا پڑھنا وغیرہ۔

☆ بچوں کی حقوق اللہ کے معاملہ میں اخلاقی اصلاح کے سلسلہ میں ایک یہ بھی ہے کہ بچوں کا نمازِ جمعہ کے ساتھ بھی ربط وتعلق پیدا کیا جائے اور انہیں اس کا عادی بنایا جائے' اگرچہ بعض علماء وفقہاء اسے غیر واجب کہتے ہیں لیکن بچوں کو اس کا عادی بنانا تو ممنوع نہیں ہے' لہذا باپ کے ذمہ ہے کہ وہ انہیں نمازِ جمعہ میں لانے کے لئے تشویق وترغیب کا اسلوب اختیار کرے نیز آثار واحادیث میں نمازِ جمعہ اور یومِ جمعہ کے جو فضائل آئے ہیں ان سے بھی انہیں آگاہ کرے' جمعہ کا دن ایک مقدس دن ہے' جمعہ کا دن ہفتہ بھر کے تمام دنوں سے افضل ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ یوم جمعہ کی فضیلت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''بہترین وہ دن جس میں سورج طلوع ہو' جمعہ کا دن ہے' اسی دن خلقِ آدمؑ ہوا' اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے اور اسی روز اس سے نکالے گئے''۔ (مسلم رقم: ۱۷' افضل یوم الجمعۃ: ۲/۵۸۵)

☆ باپ کی یہ دور اندیشی ہوگی کہ وہ بچوں کو نمازِ جمعہ میں لانے کے لئے سب سے اچھی اور خوبصورت مسجد کا انتخاب کرے' نیز ایسے خطیب کا چناؤ کرے جو قرآن وسنت کا بڑا عالم ہو اور اس میں خشوع' رقت اور خشیت سب سے زیادہ ہو' اس لئے کہ خطبۂ جمعہ کا بچوں کے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے' خصوصًا جب انہیں خطبہ کا کچھ حصہ سمجھ میں آجائے' بسا اوقات خطیب کے جذبات' آواز کے لہجہ اور راست گوئی کا نمازیوں پر اثر پڑتا ہے اور ان نمازیوں میں ذکی الحس اور سریع الفہم بچے بھی ہوتے ہیں وہ بھی خطیب کی حرکات سے متأثر ہوتے ہیں' پس وہ بچے اس کی پیروی کریں گے اور ایک وقت میں وہ بھی خطیب بنیں گے۔

☆ نیز اتمامِ فائدہ کی خاطر دور اندیش باپ کو چاہیئے کہ بچوں کی توجہ خطبہ کے محاسن اور اس کے اہم نقاط کی طرف مبذول کرے' بچوں سے پوچھ سکتا ہے کہ بتاؤ خطبہ کا موضوع

کیا تھا؟ اور آپ نے اس سے کیا فوائد حاصل کیئے؟ علاوہ ازیں ان کو خطبہ کے آداب بھی بتلائے' جیسے خطبہ توجہ اور خاموشی سے سننا وغیرہ' اس طرح بچوں کی اللہ تعالیٰ کے حق میں اخلاقی تربیت کا اصل مقصود حاصل ہو جائے گا۔

☆ بچوں کی اللہ تعالیٰ کے حق میں اخلاقی تربیت کے بارے میں یہاں چند اہم نقاط ہیں جن سے باپ یا مربی استفادہ کر کے ان کو بچوں کے دلوں میں ڈال سکتے ہیں' جیسے سچ بولنا' صبر و برداشت اور اجر و ثواب وغیرہ' یہ تمام چیزیں ان کے دل و دماغ میں راسخ کرے تاکہ اللہ کے حکم سے وہ بچے کل کلاں نیک و صالح انسان بن سکیں۔

☆ اب بچہ کی اللہ تعالیٰ کے حق میں اخلاقی تربیت کا مرحلہ اختتام پذیر ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں اس کی اخلاقی اصلاح و تہذیب کا آغاز ہوتا ہے' بچوں سے انبیاء و مرسلین کا مقام و مرتبہ کیسے بیان کیا جائے؟ وہ اس کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟۔

☆ رسولِ کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کے متعلق بچوں کے اخلاق کی اصلاح کے لئے چند اہم امور کی ضرورت ہوتی ہے' باپ اور مربی انہیں بیان کرتے وقت انسانوں میں انبیاء و مرسلین کے مقامِ عالی کی توضیح کر سکتے ہیں' پھر ان اہم نقاط کے ذکر کے دوران ان پر ایمان لانے کی کیفیت کی تشریح بھی کر سکتے ہیں۔

وہ چند اہم نقاط درج ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا مقام:

بچہ کی اخلاقی تربیت کا عظیم جزو یہ ہے کہ اسے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور دیگر انبیاء و رسل علیہم السلام کی محبت سے جوڑ دیا جائے' باپ اور مربی پر لازم ہے کہ اس کے سامنے حیاتِ انبیاء کے اہم پہلو اجاگر کرے' اور ان کی محبت ان کے نفوس میں جاگزیں کر دے۔

☆ انہیں یہ بات بتائے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوقات میں برگزیدہ ترین ہیں' وہ اللہ کے اولیاء اور اس کے مخصوص و منتخب بندے ہیں'

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں صرف انہی کو چنا اور پسند کیا اور ان کو اپنا پیغمبر بنایا' ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (الحج:۷۵)

''اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور اسی طرح آدمیوں میں سے' تحقیق اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے''۔

انبیاء ورسل علیہم السلام کی محبت اللہ عزوجل کے قرب کا عظیم ترین ذریعہ ہے' باپ کو چاہیئے کہ بچوں کے دلوں میں انبیاء کی محبت جمادے اور بعض مواقع سے فائدہ اٹھائے' چنانچہ اسے چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات' فضائل اور مراتب کو بیان کرے اس سے بچوں کے قلوب ان کی محبت سے سرشار ہوں گے۔

☆ سب سے پہلے باپ یا مربی اپنے بچوں کو قرآنِ کریم میں مذکور سیرتِ رسولِ کریم ﷺ اور سیرتِ انبیاء علیہم السلام کا تعارف کرائے' اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ بچے انبیاء ورسل علیہم السلام کی شخصیت اور ان کے اہم کاموں سے روشناس ہوں گے اور انہیں اس بات کا بھی علم ہو جائے گا کہ انبیاء اخلاق' کمالات اور جمالات میں سب لوگوں سے زیادہ کامل تھے' مربی کو چاہیئے کہ بچوں کو انبیاء اور ان کی قوموں کے قصص و واقعات بھی بتائے' کیسے انہوں نے مشقتیں اور تکالیف جھیلیں' مربی ایسا دلچسپ اور پرکشش اندازِ بیاں اختیار کرے جو ان کی عمر کے بھی مناسب ہو' ہر نبی ورسول کے خصائص بیان کرے' مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شخصیت سے صفتِ کرم وسخاوت معلوم ہوتی ہے' حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت سے اطاعت وفرمانبرداری کا وصف معلوم ہوتا ہے اور حضرتِ نوح علیہ السلام کی شخصیت سے صبر وتحمل کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

☆ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے بچہ کے نفیس اخلاق پایۂ تکمیل کو پہنچیں گے' مربی

اور باپ سیرتِ رسولِ کریم ﷺ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اور بڑے اہتمام کے ساتھ کرے اس لئے کہ سیرتِ نبویہ اور دعوتِ محمدیہ کے احوال وواقعات سے معرفت کی حاجت دوسرے تمام واقعات وحالات سے زیادہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ ان کی اقتداء اتباع اور اطاعت کے مکلّف ہیں اور یہ مقصد اس وقت تک ناتمام رہے گا جبتک کہ رسولِ کریم ﷺ کی سیرتِ شریفہ اور احوالِ لطیفہ کا مطالعہ اور اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے۔

☆ ایک بچہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جانے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ افضل الرسل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین انسان ہیں۔ آپ ﷺ کی شریعت کامل ترین شریعت ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا' آپ ﷺ مومنوں پر بہت مہربان ہیں۔

☆ آپ ﷺ کی بعثت تمام جہانوں کے لئے باعثِ رحمت اور ساری انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان تھی' اسی لئے آپ ﷺ کی محبت' آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے ساتھ ادب وآداب کا معاملہ ان اہم ترین امور میں سے ہے جن کا مربی کو خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہئے اور اس کا فریضہ ہے کہ وہ ان امور کو بچہ کے نفوس میں پیوست کردے۔

۲۔ رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت واقتداء:

☆ رسولِ اکرم ﷺ کے اوامر کی اتباع اور آپ ﷺ کے نہج وطریق کی اقتداء درحقیقت آپ ﷺ سے محبت کا ہی ثمرہ اور نتیجہ ہے' رسولِ محبوب ﷺ ہی اکمل البشر اور اسوۂ کامل ہیں' عارفین آپ ﷺ ہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں' محبین آپ ﷺ ہی کے چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے ہیں' آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے' فرمانِ ربّ ذوالجلال والاکرام ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران:۳۲)

''آپ فرمادیں کہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرو''۔

نیز فرمایا:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)

آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع باعثِ نجات اور مخالفت، موجبِ ہلاکت ہے۔ فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب:۲۱)

''تم لوگوں کے لئے (یعنی ایسے شخص کے لئے) جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا''۔

☆ رسولِ کریم ﷺ کی اتباع و اطاعت سے بچوں کو بہت سے اہم فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن یہ تبھی ہو سکتا ہے جب مربی درست طریقہ اور سادہ انداز میں اس کی تعلیم بھی دے، مثلاً عبادت بجالانے لگے تو بچہ سے کہے کہ رسولِ کریم ﷺ اس طرح کیا کرتے تھے، اور جو کوئی خلافِ سنت کام سرزد ہو تو بچوں کو اس پر متنبّہ کرے، نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے ان افعال کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کر دیں گے اور اچھے کاموں کو اختیار کریں گے اور برے کاموں سے پرہیز کریں گے، اور ان کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہی اسوۂ حسنہ اور نمونۂ طیبہ بنے گی۔

☆ یہاں ایک اور اہم پہلو ہے جس سے خود مربی کو بھی آگاہ ہونا چاہئے اور بچوں کو بھی اس سے آگاہ کرنا چاہئے، وہ اہم پہلو یہ ہے کہ بعض بچے کچھ بیہودہ قسم کے لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کو پسند کرتے ہیں جیسے فلموں کے اداکار، فن کار اور دوسرے رقّاص وغیرہ، وہ بچے کسی وقت ان کی نقالی کرتے ہیں اور کبھی ایسے کپڑے پہن لیتے ہیں جن میں ان کی تصویریں بنی ہوتی ہیں، ایسے موقع پر ان کو متنبہ کرنا اور انہیں اس نا قابلِ تقلید نمونہ کے نقصانات بتانا ضروری ہے، کیونکہ اس سے بچوں کے دلوں میں رسولِ کریم ﷺ کی

محبت کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں ناپسندیدہ عادات راہ پانے لگتی ہیں اوران کے قلوب سے صحیح نمونہ لاشے ہونا شروع ہو جاتا ہے' بالآخر وہ مسلم سوسائٹی کے غیر صالح افراد بن کر ابھرتے ہیں۔

☆ اس لئے مربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچہ کی درست رہنمائی کرے اور اسے راہِ ہدایت پر چلائے' جو چیز اس کے لئے مفید ہو اس سے محبت اور جو غیر مفید اور مضر ہو اس سے نفرت دلائے' تمام بُرے امور کی قباحت اور ان سے گھن دلائے' جب بھی اس کا پیر پھسلنے لگے تو اس کا ہاتھ تھام لے' ہر لمحہ اسے اچھے کاموں میں لگائے رکھے تاکہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی تربیتِ حقّہ بارآور ثابت ہو۔

❖❖❖
❖

﴿فصلِ سوم﴾

بچہ اور اس کی مسلمانوں کے معاملہ میں اخلاقی تربیت:

یہ فصل انتہائی اہم اور اس باب کی روح وریحان ہے' اس فصل سے بچہ ایسے حقیقی اخلاق سے روشناس ہوگا جو دونوں جہانوں کی سعادتوں کے حصول کا موجب ہوتے ہیں۔

☆ اخلاق دراصل لوگوں کے ساتھ حسنِ معاملگی کا نام ہے' بچہ کی عملی زندگی میں کامیابی کا مدار مربی کی حسنِ تربیت پر ہے' جب بچہ کی اخلاقی تربیت ہوئی ہو تو وہ ہر ایک سے عمدہ اخلاق کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے جس سے اس کی زندگی کامیاب و بامراد بنتی ہے' والدین کا طرزِ عمل علماء کے طرزِ عمل سے مختلف ہوتا ہے' نیز والدین کا معاملہ دوستوں' رشتہ داروں' اور بھائی بہن وغیرہ کے سلوک سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔

☆ مسلمانوں کے متعلق دلچسپ اخلاق اور اخلاقی تربیت کے مرحلہ میں والدین' اساتذہ' بھائیوں' عزیز واقارب اور معاشرہ کے دیگر طبقات کا ذکر ہوگا' اس کے بعد درست اور معتدل تربیت کی طرف اشارہ کیا جائے گا جس کی راہ پر خود مربی کو بھی چلنا چاہئیے اور بچہ کو بھی اس راہِ معتدل کے قریب کرنا چاہئیے' تاکہ وہ معاشرہ کا مفید فرد بن سکے۔

☆ پہلے مسلمانوں کے متعلق عمومی اخلاق پر روشنی ڈالی جائے گی پھر دوسرے طبقات کا ذکر ہوگا' اور ہم کچھ تفصیل اور وضاحت سے اسے بیان کریں گے تاکہ بچے زمانۂ حاضر کے اور زمانۂ ماضی کے مسلمانوں کی زندگیوں سے استفادہ کرسکیں اور اپنے نفع ونقصان کو پہچان سکیں۔

اوّلاً بچوں کی اس کے والدین کے معاملہ میں اخلاقی تربیت کا ذکر کیا جاتا ہے' پھر بھائیوں کا' پھر عزیز واقارب' پھر دوست واحباب' اس کے بعد معلمین وعلماء کا ذکر ہوگا۔

ا۔ بچہ کی والدین کے معاملہ میں اخلاقی تربیت:

قرآنِ کریم میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جو بچہ کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی طرف دعوت دیتی ہیں، ماں باپ اس کے وجود کا سبب ہیں، والدین وہ ہستیاں ہیں جو اپنے بچوں کی خیر و فلاح کے لئے ہر ممکن اقدام کرتی ہیں، کتنی ہی طویل راتیں ان کی اس حال میں گزرتی ہیں کہ وہ بچوں کی بیماری کی وجہ سے ساری رات بیدار رہتے ہیں، اس کے درد کو اپنا درد اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف خیال کرتے ہیں، ان کی آنکھیں بچوں کی راحت وسعادت سے ہی ٹھنڈی ہوتی ہیں، اگر بچہ کو کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش یہ کانٹا ہمیں چبھ جاتا، اسی لئے والدین کا بچوں پر اتنا عظیم حق ہے کہ وہ لاکھ کوشش کرلیں والدین کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتے۔

حبیبِ مصطفیٰ ﷺ نے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی لڑکا اپنے والد کا بدلہ نہیں چکا سکتا، الّا یہ کہ اسے غلام پائے، پھر خرید کر آزاد کردے۔

(مسلم، رقم: ۲۵، کتاب العتق)

یہ درحقیقت تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے، (یعنی بدلہ دینا ناممکن ہے) کیونکہ بیٹا کہاں، کب اور کیسے اپنے باپ کو مملوکیت کی حالت میں پاکر اسے خرید کر آزاد کرے گا۔ تاریخ نے اپنے ان گنت صفحات میں اس طرح کا کوئی واقعہ ریکارڈ نہیں کیا۔

☆ بیٹا اپنے والد کے احسانات کے بدلہ میں جس قدر بھی خدمات بجالائے اور قربانیاں پیش کرے وہ والد کے احسانات وقربانیوں کا بدلہ نہیں چکا سکتا، اسی طرح بیٹی اپنی والدہ کے احسانات اور قربانیوں کے بدلہ میں جس قدر بھی خدمات اور قربانیاں پیش کردے اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔

☆ میں اس پر ایک مثال بیان کرتا ہوں جو اکثر لوگوں کی زندگی کا حصہ بن گئی ہے اور اسے آج کے دور میں محسوس کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ والد یا والدہ بڑھاپے کے وقت اگر بیمار ہوجائیں اور اولاد کو ان کی خدمت کرنی پڑے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ والدین کی

خدمت سے تنگ آجاتے ہیں اور اکتانے لگتے ہیں اور کبھی ان کے کثرتِ سوال سے آگ بگولہ ہو جاتے ہیں' جب والدین میں سے کوئی عمر رسیدہ ہو جاتا ہے اور عمر کے آخری حصہ کو پہنچ جاتا ہے تو وہ بالکل چھوٹے بچہ کے مانند ہو جاتا ہے' پھر وہ ہر چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے' یہ ہی وہ موقع ہوتا ہے جس میں والدین کے ساتھ اس کے حسنِ سلوک' ان کے معاملہ میں رفق و نرمی اختیار کرنے اور انتہائی لطف و ادب کے ساتھ ان کی باتوں کے جواب دینے کا پتہ چلتا ہے' والدین نے تو اس بچہ کی پرورش اس لئے کی تھی تا کہ وہ رفتہ رفتہ بڑا ہو' جبکہ بعض اولاد ان کی اس لئے خدمت کرتی ہے کہ ان کی تمنا ہوتی ہے کہ کب یہ فوت ہوں اور ہماری جان خدمت سے چھوٹے۔ بعض اولاد ماں باپ کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیتی ہے اور والدین کو ناقابلِ توجہ سمجھتی ہے' جب وہ خود چھوٹا تھا اور رحم و شفقت کا محتاج تھا تو کیا اس کے والدین نے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا؟ اس کے ساتھ رحم و شفقت کا سلوک نہیں کیا تھا؟۔

☆ معلوم ہوا کہ والدین کا حق عظیم سے عظیم تر ہے' سیّدنا معاذ بن جَبَلؓ سے حقوقِ والدین کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تو اپنے مال اور اھل و عیال کو چھوڑ دے تو بھی تو ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا''۔ (کتاب الورع للامام احمد: ۱۰۵' ۱۰۶)

☆ اسی لئے قرآنِ حکیم میں والدین کے حقوق کی پاسداری کا حکمِ خداوندی آیا ہے' ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا........﴾ (النساء: ۳۶)

''اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو' اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا صلے﴾ (العنکبوت: ۸)

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے''

☆ بہت سی آیاتِ کریمات میں بچہ کی اخلاقی تربیت اور اپنے والدین سے محبت اور ان کے مرتبہ شناسی کا ذکر ہے' علاوہ ازیں ایک اور فرمانِ ربّ العالمین ہے جس میں اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام ادوار' خصوصاً کبرسنی کے وقت اولاد کو اطاعتِ والدین اور ان کے ساتھ نیک سلوکی کا حکم دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء:۲۳'۲۴)

''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو' اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو' اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں' سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا' اور نہ ان کو جھڑکنا' اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا' اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا' اور یوں دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے' جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے''۔

☆ حقوقِ والدین کی عظمت واہمیت کی وجہ سے ان کی نافرمانی اور ایذا رسانی پر سخت وعید آئی ہے' کیونکہ والدین کی نافرمانی جنت سے محرومی کا سبب ہے' نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے' والدین کا نافرمان' دیوث اور مردوں کے مشابہ بننے والی عورتیں''۔ (مستدرک حاکم: ۷۲/۱)

☆ اسی لئے مربی اور باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچہ کا ہاتھ تھامے اور اسے وہم و خیالات اور والدین کی نافرمانی جیسے اندھیروں سے باہر نکالے' اور اس کی اچھی اخلاقی تربیت کرے' اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور مرضیات و نامرضیات کے اسباب سے واقف کرے اور والدین کی فرمانبرداری کے معاملہ میں اس کی معاونت کرے تاکہ وہ رضائے الٰہی کو حاصل کر سکے۔

☆ باپ اور مربی کا بچہ کی تربیت کے سلسلہ میں ہوشیار اور دانش مند ہونا ضروری ہے' لہٰذا اسے چاہئیے کہ وہ بچہ کا مشقت آمیز کاموں کے ذریعہ امتحان نہ لے اور نہ ہی اس کو ایسے امور پر سزا دے جنہیں وہ بجالانا بھول گیا ہو یا نادانستہ طور پر اس میں کوتاہی کا مرتکب ہو گیا ہو' بلکہ اسے چاہئیے کہ وہ اس کی راہنمائی کرے' تعلیم دے' وعظ و نصیحت کرے اور صبر و ہمت سے کام لیتا رہے' یہاں تک کہ والدین کی اطاعت کے معاملہ میں اس کی صحیح اخلاقی تربیت کا حصول ممکن ہو جائے۔

☆ بعض علمائے سلف بھی بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اسی نہج کو اختیار کرتے تھے اور ان کو نرمی اور محبت کے انداز میں اطاعتِ والدین کی طرف لاتے تھے' اس کے لئے علم' تجربہ اور دانشمندی کی ضرورت ہوتی ہے' امام وصابیؒ' ابو اللیثؒ سے نقل کرتے ہیں کہ بعض سلفِ صالحین کا اپنی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت اور ان کو نافرمانی سے بچانے کا طرز اور معاملہ بڑا عجیب ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے' اس ڈر سے کہ کہیں یہ نافرمانی کر کے مستوجبِ عذاب نہ ہو جائے' خارجہ بن مصعب (بچہ کے) والد کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچہ کی لطیف پیرایہ میں رہنمائی کرے اور شفقت و محبت کے طریقہ سے اس کو اطاعت کی جانب لے آئے' چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ باپ اس کو عطیات دے اور اتنا اچھا سلوک کرے کہ وہ اس کی فرمانبرداری کرنے لگ جائے۔

☆ سلفِ صالحین کے ایسے خوبصورت طرز ہائے تربیت واقعۃً ان کی دانشمندی پر دلالت کرتے ہیں' وہ دنیا کی حدود سے بھی آگے کی سوچتے تھے' اپنی اولاد کے ساتھ شفقت و محبت کے سلسلہ میں بھی ان کی اخروی نجات کو ہی مقدم رکھتے تھے' یعنی جس حکم کی تعمیل ان

کی طاقت سے باہر ہوتی اس کا انہیں پابند نہیں بناتے تھے۔ ہر حکم سے پہلے دیکھ لیتے کہ کیا اس حکم کی بجا آوری اس کے بس میں ہے یا نہیں؟ کہیں میں اس کو موردِ ہلاکت میں نہ ڈال دوں' والد اپنی اولاد کی اطاعتِ والدین کے سلسلہ میں جس قدر معاونت اور مجاہدہ کرتا ہے اسی قدر اس کی اولاد آئندہ وقت میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ کرتی ہے۔

☆ دانشمند باپ عملی تطبیق (صورت) کے ذریعہ اپنی اولاد کی فرمانبرداری کو حاصل کرسکتا ہے' پس جو باپ اپنی اولاد کے سامنے اپنے والدین کا احترام کرتا ہے' ان کے ہاتھوں کو اور سر کو چومتا ہے وہ اصل میں اپنے بچوں کو اس عمل کی تعلیم اور اس کی عملی تدریب کروا رہا ہے' رفتہ رفتہ یہ مظاہرِ محبت والفت ان بچوں کے نفوس میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

☆ باپ کے ذمہ یہ بھی ہے کہ وہ بچوں کے دل میں خشیتِ خداوندی کو زندہ کرے' اس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کو حقوقِ والدین سے روشناس کرایا جائے اور رضائے والدین کی فکر پیدا کی جائے' کیونکہ والدین کی رضامندی میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ خشیتِ الٰہیہ کے ساتھ ساتھ باپ کو چاہئے کہ والدین کی فرمانبرداری پر جو اجرِ کریم ملتا ہے اور عنداللہ جو رفعت وعظمت حاصل ہوتی ہے اس کا بھی بچوں کے سامنے اظہار کرے' والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' ان کی خدمت بجالانے اور ان کی اطاعت وفرمانبرادری کے صلہ میں وہ جنت حاصل ہوتی ہے جس کے متعلق قرآنِ کریم میں آیا ہے کہ:

﴿تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾

''اس کے ماتحت نہریں جاری ہیں''۔

☆ مربی اور باپ کے لئے یہ امر بھی مستحسن ہے کہ وہ اولاد کو وہ سخت مشقتیں اور تکلیفیں یاد دلائے جو ان کے والدین ان کے زمانۂ بچپن میں جھیلا کرتے تھے' اور کس قدر ان کا خیال رکھا کرتے تھے جب وہ رونے اور چیخنے کے سوا کچھ بھی نہ جانتا تھا اور زمانۂ رضاعت کی تکالیف' رات کی تاریکیوں میں اس کی بیداری' ماں کا اسے دودھ پلانا اور صاف کرنا' بیماری کی صورت میں ہسپتال اسے لے جانا' ان سب باتوں کا بھی اس کے

سامنے تذکرہ کرے، تمیز دار بچوں پر اس کا بہت اثر پڑتا ہے، اس سے وہ حقوقِ والدین کی عظمت واہمیت کو سمجھیں گے، ان میں والدین کی تعظیم اور ان کے اکرام کا داعیہ پیدا ہوگا، اور ان کے وجدان میں والدین کی فرمانبرداری اور ان کی مرضیات کی خواہش کا اخلاقی احساس فروغ پائے گا۔

☆ والدین کے معاملہ میں اس کی اخلاقی تربیت کے سلسلہ میں جو امور مستحسن ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باپ اور مربی کچھ ایسے مفید اور خوبصورت قصے اور واقعات بھی منتخب کرے جن میں والدین کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا ذکر کیا گیا ہو، کیونکہ بچہ اس سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ مربی بعض خوبصورت واقعات کو متنوع اسلوب اور آوازوں کی نقالی کے ذریعہ حسین بنا سکتا ہے، اس سے بچہ اس قصہ کی اہمیت کو سمجھے گا اور اس پر توجہ دے گا، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ میرِ قصہ ایسے بچہ کو بنائے جو اپنے والدین کا فرمانبردار ہو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں نیکی کی محبت اور والدین کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا، مربی اس مرحلہ میں کہیں ماں کے حقوق کو نہ بھلا بیٹھے، بچہ کو اس طرف بھی متوجہ کرے، ماں کا مقام وہ مقام ہے جو بعض اوقات باپ کے مقام و مرتبہ پر بھی فائق ہو جایا کرتا ہے، اس لئے اسے ماں کے احترام کا بھی امر کرے، اور اس کا بھی حکم دے کہ وہ ہر صبح کو اپنی ماں کے ہاتھ اور سر کو چوما کرے، خصوصاً مدرسہ جاتے وقت، اسے اس بات کا پابند کرے کہ تو نے اپنی والدہ کی نافرمانی نہیں کرنی، انہیں کبھی جھڑکنا نہیں ہے، تمہاری آواز بھی ان کی آواز سے زیادہ بلند نہ ہونے پائے، کیونکہ اکثر بچے اپنی ماں سے اس قدر نہیں ڈرتے جتنے وہ اپنے والد سے ڈرا کرتے ہیں، بسا اوقات ایسے حال میں ماں کی فرمان برداری اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے، پھر ان کی نافرمانی وقوع پذیر ہونا شروع ہو جاتی ہے، اور بچوں کی نظر میں ان کی قدر و منزلت کم ہونے لگتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ بچہ کو بچپن ہی سے اس بری عادت سے بچایا جائے اور اسے اس امر پر خبردار کیا جائے، اور والدہ کو بھی چاہئے کہ بچہ کی ایسی نامناسب حرکات کے ازالہ کے لئے اپنے خاوند سے واضح انداز میں تذکرہ کرے، اس سے بچہ کے دل میں ماں باپ کا رعب پیدا ہوگا۔

۲۔ بھائیوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا:

ایک کامیاب باپ اور مربی وہ ہے جو اپنے بچوں کی تربیت کے معاملے میں ان کے ساتھ حسن تعامل، اور محبت و الفت کا برتاؤ کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد لیتے ہوئے تربیت کی طرف توجہ دے۔ یہ اس وقت ہوگا جب ایک گھر اور خاندان کے تمام بچوں کے ساتھ عدل و مساوات اور محبت کا برتاؤ اور ان کے آپس میں ربط، محبت والفت کی حوصلہ افزائی ہو۔

☆ خاندان ایک مختصر سوسائٹی ہے جس میں بچے پروان چڑھتے ہیں اور پھر اس سے نکل کر ایک بڑی سوسائٹی میں شامل ہوتے ہیں، جس میں مختلف رنگ ڈھنگ کے لوگ ہوتے ہیں، ہر ایک کی عادات، مشاغل اور سرگرمیاں مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ بچے اس معاشرے میں شامل ہوکر اپنی عادات واخلاق کو بچانے میں اگر کامیاب ہوتے ہیں تو یہ اس کی تربیت کرنے والے کی کامیاب تربیت کی نشانی ہے۔

☆ والد پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ بچوں کے درمیان مساوات و برابری سے کام لے اور حسد پیدا نہ ہونے دے۔ اس لئے کہ حسد ایک بری صفت، خطرناک بیماری اور شر کا مجموعہ ہے۔ حسد اور رشک یہ دو ایسی صفات ہیں کہ ہر انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ انسان کی طبیعت سے اس کو مکمل ختم کرنا تو ممکن نہیں ہے۔ البتہ اسلامی طرزِ تربیت اپنا کر اور قرآن کریم کے بیان کردہ تربیت کے اصولوں پر بچے کی تربیت کر کے اس کی حدت و تیزی میں کمی کی جاسکتی ہے۔

☆ عملی زندگی میں بچوں کے اندر حسد پیدا ہونے اور بڑھنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ والدین کی محبت ایک بچے سے دوسرے کی بنسبت جب زیادہ ہوتی ہے تو اس دوسرے بچے کے اندر حسد کی تخم ریزی ہوتی ہے، اور وہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک دوسرے بہن، بھائیوں پر غصہ کرنے لگتا ہے، حتی کہ بسا اوقات تو ان کو نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور کبھی والدین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے خود کو نقصان بھی

پہنچاتا ہے۔ اسی وجہ سے تربیت کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ تربیت کے اس گوشے سے ہرگز غافل نہ ہو۔ اور بچوں کو یہ بھی باور کرائے کہ ان کی محبت تمام بچوں کے ساتھ برابر ہے اور کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔

☆ بچہ سب سے پہلے ہمدردی، مہربانی اور شفقت چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس کی دلچسپی کھیل سے ہوتی ہے۔ جب اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ گھر والوں کی محبت اس کے مقابلے میں دوسروں کے ساتھ زیادہ ہوگئی ہے تو وہ غضبناک ہوجاتا ہے اور اس کے اندر مقابلے کا جذبہ جوش مارنے لگتا ہے۔ اس وقت اس مشکل کو حل کرنے کے سلسلے میں اس کے والد کی دانشمندی کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ تمام بچوں کے ساتھ برابر شفقت و محبت کرکے اس کے دل سے احساس کمتری کو دور کرنے کی ضرورت ہوگی۔ دوسرے نمبر پر اس کے دل سے غصہ اور تقابل کے جذبے کو نکال کر اس کو سابقہ سیرت اور طبعی زندگی کی طرف لانا ہوگا۔

☆ بچوں کے اندر پانچ سال کی عمر کے اندر غصے کا جذبہ برقرار رہتا ہے اس لئے کہ اس عمر میں بچہ ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس عمر سے جب بڑھ جائے تو تھوڑی سی سمجھ اور بہن بھائیوں کے ساتھ محبت اور صلۂ رحمی کا جذبہ قدرے پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جب اچھے برے میں تمیز کرنے کی عمر میں داخل ہوجائے تو والد اور مربی کو چاہیے وہ مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور، بہن بہائیوں کے ساتھ محبت کرنے کی طرف ترغیب دے اور بھائیوں کے ساتھ ادب سے پیش آنے اور بڑے بھائی یا بڑی بہن کا احترام کرنے کی تعلیم دے، سلام کرنے کی بھی تعلیم دے نیز اسے اس لئے کہ سلام آپس میں محبت پیدا کرنے اور جنت میں داخل کرانے کا باعث ہے۔ سلام کی فضیلت کے متعلق آپ ﷺ کے فرمان بھی پڑھ پڑھ کر اسکو سنائے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''ایمان کے بغیر تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے' اور ایمان آپس کی محبت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ کیا ایسی چیز تمہیں نہ بتاؤں جس پر عمل کرکے تم آپس میں محبت پیدا کرسکو؟ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا رواج دو''۔ اگر تربیت کرنے والا اپنے بچے کو سلام اور اچھی باتوں کی تعلیم دینے

کا زیادہ خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بچے کو چغلی اور غیبت کرنے سے بچائے۔ بہت سے بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ ماں باپ کے سامنے ایک دوسرے کی مذمت اور شکایت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں تا کہ والدین سے اس کو سزا دلوا سکیں۔ اگر اس چغلی کی اس وقت حوصلہ شکنی نہ کی گئی تو چغلخوری کی رغبت پیدا ہو سکتی ہے' اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ تو ایسے موقع پر والد ڈانڈا بھی استعمال کر سکتا ہے تا کہ بچوں کی اصلاح ہو سکے۔ اور بچے سے کسی کی چغلی اور غیبت ہرگز نہ سنے' اور غیبت کی برائی اور اس کے خطرات خوب واضح کر کے بیان کرے۔ اس بری اور قبیح عادت کی قرآن میں بیان کردہ سزاء سے بچوں کو متعارف کرائے اور اس عادت کو چھوڑنے کا یہ قرآنی حکم ان کو سنائے۔

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحجرات:۱۲)

"اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے' کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے' اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

اس قبیح اور بری عادت اور غلط طریقے پر بہت زجر کیا گیا ہے۔ اس آیت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ جو غیبت اور چغلی کی برائی اور مذمت کے متعلق ہیں پڑھ کر سنائے اور چغلی کرنے والوں کے انجامِ بد سے بھی بچوں کو روشناس کرائے۔

چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

(لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ)

"چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا"

اس کے بعد بھی بچہ اگر بہن بھائیوں کی غیبت کرے یا برے الفاظ سے ان کا نام لے تو اس کو ڈانٹے' اور جن کی غیبت کی ہے ان سے معذرت کرائے اور اپنی غلطی پر بچوں سے اظہارِ افسوس کرائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی کی دعا کرائے۔ اس طرح کرنے سے چغلی و غیبت سے بچوں کو خلاصی مل سکتی ہے۔ غلطی کرنے کے بعد معذرت کرنے کی حوصلہ افزائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جرم کرنے کے بعد عذر کرنے سے دلوں پر تہہ بتہہ جمے ہوئے بغض و کینہ میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اس طرح خود مربی کے لئے ضروری ہے کہ ان چیزوں سے خود کو بچا کر بچوں کے لئے نمونہ بنے۔ اور غیبت' چغلی اور لوگوں کی مذمت کرنے سے گریز کرے۔ تاکہ اس کے ذریعے اپنے بچوں کے دلوں سے چغلی و غیبت کی جڑوں کو کاٹ ڈالے۔

تربیت کرنے والے پر یہ بھی لازم ہے کہ زیادہ دیر تک ان کو ایک جگہ اکھٹے نہ رکھے' بلکہ مفید مشغلوں میں مصروف کر کے ایک دوسرے سے جدا رکھے اور بعض کو رشتے داروں کی ملاقات کے لئے بھی بھیج دے' دوسروں کو ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لئے بازار کی طرف بھیج دے۔ اس سے ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرنے کا شوق پیدا ہو گا اور آپس کے اختلافات بھی ختم ہوں گے۔ حضرت عمرؓ اپنی اولاد کی تربیت کے لئے آسان اور مفید طریقوں سے کام لیتے تھے۔ اور ان سے فرماتے: ''جب صبح ہو جائے تو متفرق ہو جاؤ۔ ایک گھر میں جمع نہ ہو۔ مجھے تمہارے آپس میں اختلاف کا اندیشہ ہے''۔ یہ ہے حضرت عمرؓ کی دانشمندی اور تفقہ اور بچوں کی نفسیات پہچاننے کی مہارت۔ اسی بنا پر ہمیشہ ایک جگہ جمع ہونے سے منع فرمایا کرتے اور متفرق رہنے کا حکم دیتے۔ اس لئے کہ جدا جدا رہنا آپس کے جھگڑوں اور بغضوں کو مٹا دیتا ہے' اور اس جگہ کو آپس کی محبت آ گھیر لیتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم آج کل اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اس مفید و نافع وصیت پر عمل پیرا ہوں۔ تاکہ ہم اپنے بچوں کو اختلاف و مشاجرت سے دور ایک پاکیزہ زندگی دے سکیں۔

۳۔ رشتے داروں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا:

ایک مربی کی اپنے بچے کی بہترین اور افضل ترین تربیت یہ ہے کہ انہیں رشتہ داروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کی تربیت دے۔ خصوصاً اس زمانے میں اس کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھ گئی ہے کہ آج کل اکثر بچے اپنے خاندان کے بڑوں کی تعظیم نہیں کرتے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ کن کن لوگوں کے ساتھ رشتہ داری ہے؟ اور صلہ رحمی کا تعلق کن کن کے ساتھ کرنا چاہیے؟ رشتے داروں کے بہت سارے حقوق ہیں: من جملہ ان حقوق کے صلۂ رحمی کا حق بھی ہے، صلۂ رحمی اور حسنِ سلوک کے لحاظ سے تمام رشتے دار بہن بھائیوں کی طرح ہیں۔

اور تربیت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ بچے کے اندر اعلیٰ اخلاقی اقدار کی آبیاری کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی اور حسن سلوک کرنے کی ترغیب دے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاتَّقُو اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ (النساء:۱)

''اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ (النحل:۹۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں''

قرآن نے جس طرح رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کو ایذاء پہنچانے سے منع کیا ہے، اسی طرح سنتِ رسول ﷺ میں بھی یہی احکامات موجود ہیں۔ چنانچہ اقرباء کے ساتھ قطع رحمی اور بدتمیزی کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَدْ خُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ﴾ (الحدیث)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''

(مسلم کتاب البر:۴/۹۷)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں: رحم عرش سے معلق ہے اور کہتا ہے'' جس نے مجھ سے تعلق رکھا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق رکھیں گے اور جو مجھے قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس قطع کریں گے۔

چنانچہ مربی اگر انہی آیات و حدیث میں صلۂ رحمی کے فضائل اور قطع رحمی کی وعیدیں پڑھ کر اس کو سنائے گا تو بچوں میں بھی سے صلۂ رحمی کا جذبہ بیدار ہوگا اور قطع رحمی کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ اس طرح اس کے اچھے اخلاق و کردار میں روز افزوں ترقی ہوتی رہے گی اور بڑے ہو کر قطع رحمی کی بری خصلت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ نیز رشتہ داروں کے ساتھ محبت میں بھی اضافہ ہوگا۔

اخلاق و کردار کے اس گوشے میں مزید اضافہ کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ ملاقات کرانے کے لئے ایک مناسب وقت مقرر کرے اور اس وقت میں ملاقات کرائے۔ خاص طور پر بچے کی دادی' نانی' نانا' چچا اور پھوپی وغیرہ کے ساتھ وقتاً فوقتاً ملاقات کرانے کا بھی اہتمام کرے۔ اور اس ملاقات کے لئے پہلے اس کے دل و دماغ میں شوق پیدا کرے اور ان ملاقاتوں کے فضائل اس کے سامنے بیان کرے کہ رشتے دار کی زیارت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا اجر و ثواب ہے؟ اور خود رشتہ داروں کے ہاں اس کا کتنا بڑا اثر ہوگا؟۔

البتہ اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ اس ملاقات کے معاملے میں بچے کو مجبور نہ کیا جائے تا کہ اس کے دل میں نفرت و سختی پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ بچوں کے نفسیات میں ہے کہ وہ بار بار ایک کام کو کر کے اکتا جاتے ہیں۔ ہاں نرم لہجے میں اس کو ترغیب دے اور اس کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے مناسب وقت میں صلہ رحمی کرنے' اور رشتے داروں کے ساتھ ملاقات کرنے کے فوائد سنا کر ملاقات کی طرف مائل کرے۔ مثلاً کسی

تفریحی مقام' باغات اور تفریحی پارکوں میں اکٹھے جانے کا اہتمام کرے' عصر حاضر میں ماں باپ کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ بسا اوقات تو بچوں سے بھی توجہ ہٹ جاتی ہے اور انہیں بھی وقت نہیں دے پاتے۔ جس کی وجہ سے رشتے داروں کے ساتھ صلۂ رحمی میں کمی آتی ہے۔ اس وجہ سے بچوں کی تربیت کا اہتمام کرنے والوں کے لئے لازمی ہے' کہ طرفین کے اوقات کی رعایت کرتے ہوئے ملاقات کے لئے مناسب وقت کا انتظام کریں۔ مثلاً دو ہفتے میں ایک ملاقات ہو' یا کم از کم مہینے میں ایک ملاقات ضرور ہو۔ کیوں کہ ملاقات کے اس دورانیے میں خاندان کے بچے ایک دوسرے سے متعارف ہوں گے۔ جو باہم دیگر اچھے ماحول میں وقت گذاریں گے' بڑی عمر میں جا کر اسے یاد کریں گے۔ اور بچپن کی اچھی یادوں کا تذکرہ کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رشتے داروں کے ساتھ یہ ملاقات صرف خشک ملاقات نہ ہو' بلکہ اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق بچوں کے سامنے رشتے داروں کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا بھی اہتمام ہو۔ اس سے صلۂ رحمی و تعلقات میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔ اور فائدۂ عام بھی۔ اور بچوں میں اچھے اخلاق و کردار' رشتے داروں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا نیک جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔ اس سے صلۂ رحمی کا عظیم فائدہ حاصل ہوگا اور اس بچے کو اور ابتداء پیدائش سے اس کی تربیت کی طرف توجہ دینے والے مربیوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی عظیم سعادت بھی نصیب ہوگی۔

۴۔ ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا:

انسان معاشرے کا ایک لازمی جزو ہے جس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوا جا سکتا۔ اور معاشرت کی عمارت کا ایک اینٹ ہے چنانچہ دوستوں' ساتھیوں' ہم عصروں اور ہم جولیوں سے بچے کا متاثر ہونا لازمی امر ہے' چاہے مرد ہو یا عورت' چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور واضح بات ہے کہ بچوں کا رہنا سہنا اپنے دوستوں ساتھیوں اور ہمنشینوں کے ساتھ ہی ہوگا۔ جن کا اثر بھی اس پر ضرور ہوگا۔ چنانچہ اگر دوست اچھے ہوئے تو بچے پر بھی اچھا اثر پڑیگا اور اگر

برے دوست ہوں گے تو وہ بچہ بھی انہی کی طرح عادات واخلاق اپنائے گا۔ حضرت امام غزالیؒ ''احیاء علوم'' میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچے کی اعلیٰ اخلاقی تربیت اور عظیم کردار وسیرت کا اکتساب نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے ہی ممکن ہے۔ اور اخلاق کی خرابی' غلط اور خراب لوگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور امام غزالیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسانی طبیعت پوشیدہ طور پر دوسروں کی طبیعت سے خیالات وعادات اور اخلاق اپنے اندر جذب کرتی ہے۔

اس سے امام غزالیؒ کی نفس سے واقفیت اور بچوں کی نفسیات میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ وہ بچوں کو عیاش لڑکوں کے ساتھ مخالطت سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بچوں کو تعیش پسند اور تفریح کے دلدادہ بچوں کی صحبت سے بچایا جائے۔

امام غزالی کے اس قول کی تائید دوسرے علماء وفقہاء کے اقوال سے بھی ہوتی ہے' کہ بچے دوسروں سے مثبت اور منفی دونوں طرح متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم حربیؒ فرماتے ہیں: ابتداءً بچوں میں اخلاقی خرابی بچوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علامہ ابن جوزیؒ بھی دوسروں سے بچوں کے متاثر ہونے کے بارے فرماتے ہیں: ''بچوں کو شریف' صالح لوگوں اور علماء کی صحبت میں بٹھایا جائے۔ بے وقوف اور جاہل لوگوں کی صحبت سے بچایا جائے۔ اس لئے کہ انسانی طبیعت میں دوسروں کے اندرونی خیالات چرانے کا مادہ موجود ہوتا ہے۔ برے رفقاء واصدقاء سے بچوں کو بچانے کا مقصد ان کے اخلاق کی حفاظت ہے۔ بچے کے لئے اچھے دوستوں اور پاکیزہ ساتھیوں کو چنا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ انہی دوستوں کے اخلاق سے متاثر ہوتا ہے اور ان کے اخلاق و عادات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اچھے ساتھیوں کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ بچہ ان کے اچھے اخلاق وعادات کو اپنا کر معاشرے میں کامیاب زندگی گذار سکے۔

☆ والد اور مربی کو چاہئے کہ وہ بچوں اور جن لوگوں کے ساتھ اس کی وابستگی ہے ان کی اصلاح اور درستگی کے لئے ازحد کوشش کرتا رہے۔ رشتے داروں' پڑوسیوں' اچھے اور صالح دوستوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا صالح معاشرہ تشکیل دے۔ اور ان کے درمیان

مضبوط تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرے۔ آپس میں منظّم ملاقاتیں بہ کثرت کرائے۔ اور ہفتے میں ایک مرتبہ کھلے ماحول میں وقت گذارنے کا موقع فراہم کرے جس میں ان پر بڑوں کی پابندی یا کوئی اور ذمہ داری نہ ہو۔ باپ کی کامیاب تربیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کے خاطر ان کے دوستوں اور رفقاء کے سرپرستوں سے مل کر قرآن، حدیث، سیرتِ مطہرہ، تاریخِ اسلامی اور مفید معلومات پر مشتمل ثقافتی اور ایسے معلوماتی پروگرام ترتیب دے کہ جس سے بچوں کی صلاحیتیں اجاگر ہوں اور ان کی عام معلومات میں اضافہ ہو۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اس قسم کے پروگرام صرف معلومات ہی فراہم نہیں کرتے بلکہ ان پروگراموں سے بچوں کے اندر اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے پروگرام بچے کے لئے علمی بحث و مباحثے میں شامل ہونے اور قرآن کریم حفظ کرنے اور احادیثِ مبارکہ، خوبصورت ترانے، اشعار اور قصیدے سننے اور کہنے کا باعث بنتے ہیں جس سے ان کے ذخیرہ الفاظ میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

☆ اپنے بچوں اور ان کے نیک و صالح اور با ادب ساتھیوں کے مابین محبت و تعلق پیدا کرنے کے لئے اچھے اسلوب اور حکمت سے کام لینے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے بچوں کو اس بات پر امادہ کرنا کہ وہ اپنے ہم عمر ساتھیوں اور دوستوں کو کسی وقت اپنے گھر میں کھانے کی دعوت دیں۔ اور والدین کو چاہئے کہ ان کی آمد کے موقع پر خوشی کا اظہار کریں اور زیادہ دیر ان کے درمیان رہ کر ان کی آزادی میں حائل نہ بنیں۔ البتہ عمدہ چیزوں کے حصول اور اپنے اوقات کو قیمتی بنانے کی طرف ان کی توجہ ضرور مبذول کرائیں۔

اس قسم کی تربیت کر کے والد اپنے بچوں کو معاشرے کے ایسے بہترین افراد بنا سکتا ہے جن سے لوگ مستفید ہوں اور وہ دوسروں کے لئے مفید ہوں اور ایسے رجالِ عصر پیدا ہوں کہ جن سے زیادہ توقعات رکھی جا سکیں۔

۵۔ علماء اور اساتذہ کے ساتھ پیش آنا:

اگر میں یہ کہوں کہ تربیت کا یہ گوشہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے تو مبالغہ نہ

ہوگا۔اس لئے کہ اگر بچے نے علماء ومعلمین کے احترام واکرام کی تربیت حاصل کرلی تو یقیناً وہ دنیا وآخرت کی بے شمار بھلائیوں سے بہرہ ور ہوگیا۔ کیوں کہ علم ایک نور ہے جو انسان کو مکمل طور پر منور کرتا ہے اور ہر طرح رہنمائی کرتا ہے۔اور دنیا وآخرت کی سعادت مندی اور خوش بختی کا باعث ہے۔

علماء ومعلمین ہی اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور احباء ہیں۔اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ علماء ہی کو حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بھی یہی علماء ہیں۔اس لئے کہ جس کا علم اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ ہو اور اللہ کی عظمت وقدر کی معرفت رکھتا ہو تو اسی کے دل میں خشیت الٰہی بھی پیدا ہوگی۔اپنے علم پر عمل کرنے والے اور خشیت الٰہی سے سرشار علماء کی تعریف اللہ تعالیٰ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر:۲۸)

''خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''

حدیث میں آپ ﷺ نے بھی علماء وفقہاء کی فضیلت بیان کی ہے۔تمام لوگوں سے ان کے مرتبے کے بلند ہونے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانیوں اور خیر و فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

﴿مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ﴾

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں''۔

علماء اللہ کے دین مبین کی ترویج کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہیں۔یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبے اور عظیم قدر والے ہیں۔

حضرت ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں: اگر علماء وفقہاء اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی نہیں ہے''۔

اگر علماء اور علم کی ترویج کرنے والوں کا یہ عظیم مرتبہ ہے تو اس کے والد اور مربی پر

یہ ذمہ داری بجا طور پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی تربیت میں علماء وفقہاء کے احترام و اکرام' ان کی اطاعت اور ان کے ساتھ محبت کرنے پر بطور خاص توجہ دے۔ آپ ﷺ نے بھی علماء کی تعظیم اور ان کے مرتبہ شناسی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم چھوٹوں پر رحم اور علماء کی توقیر نہ کرے۔

(المستدرک: ص ۱۲۲)

حضرت سہل بن تستریؒ بادشاہ اور علماء کی توقیر کو دنیا و آخرت کی کامیابی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لوگ جب تک علماء وسلاطین کی تعظیم کرتے رہیں گے خیر و بھلائی پر رہیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح فرمائیں گے۔ اور اگر ان دونوں طبقات کو ہلکا سمجھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و دین دونوں کو برباد کردیں گے''۔

☆ تربیت کرنے والے پر یہ بھی لازم ہے کہ بچے کی نظرِ توجہ کو علماء وفقہاء کی محبت کی طرف مبذول کرائے۔ چنانچہ بچے کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ہاں علماء کی فضیلت' ان کے اچھے کردار اور ان کی اچھائی کھول کھول کر بیان کرے' تاکہ بچے کے دل میں علماء کی محبت اور ان کی تعظیم خوب جاگزیں ہوسکے اور بچوں کے سامنے علماء کے نام بیان کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں کہ نام لینے سے بچے علماء کے ناموں سے واقف ہوں گے۔ علماءِ صحابہ اور عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن مسعودؓ' عبداللہ بن عمرؓ 'عبداللہ بن عباسؓ 'عبداللہ بن زبیرؓ) رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا تذکرہ ہو' فقہاءِ مدینہ کا تذکرہ ہو' ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اوصاف اور ان کے اسماء گرامی بیان کئے جائیں۔ ان کے علاوہ دنیا میں علمِ دین پھیلانے والے علماءِ کرام کے اسماءِ گرامی اور ان کے مناقب بچوں کے سامنے بیان کئے جائیں۔

☆ اسی طرح علماء کی محبت' ان کا وقار' ان کی ہیبت' ان کی قدر و منزلت بچوں کے دل میں بٹھانے کی صورت یہ ہے کہ ان کو علماء کی مجالس میں لے جایا جائے۔ لوگوں کے علماء کے ساتھ ادب و احترام اور تعظیم سے پیش آنے کا منظر دکھایا جائے۔ اس طرح علماء کی مجالس میں علم و معرفت اور مواعظِ حسنہ سے مستفیض ہوں تو ان کے دلوں میں علماء کے

لئے عظمت ومحبت اور جذبہ احترام پیدا ہوگا۔

☆ مربی بچوں کے سامنے مجالسِ علمیہ کے فوائد بھی بیان کرے اوران کو بتائے کہ حضرت لقمان حکیم بھی اپنے بچوں کو علماء وفقہاء کی صحبت اختیار کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اور یوں فرماتے تھے: اے پیارے بیٹو! علماء کی مجلس اختیار کرو اور علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرو' اس سے اللہ تعالیٰ دلوں کو علم وحکمت سے ایسے زندہ کر دیتے ہیں جیسا کہ بنجر زمین کو بارش سے آباد کرتے ہیں۔

۶۔ غیر مسلموں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا:

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے' فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (ال عمران:۱۹)

''بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے''

اسلام نے تمام معاشرتی معاملات میں اسی اصول پر مسلمانوں کی زندگی کو استوار کیا ہے۔ اس کے لئے حدود مقرر فرمائی ہیں کہ کن لوگوں کے ساتھ کس طرح زندگی گذارنی ہے؟ اسلام نے جس طرح مسلمانوں کے تمام طبقات کے ساتھ زندگی گذارنے کی اخلاقی تربیت کی ہے' اسی طرح غیر مسلموں کے مختلف طبقات کے ساتھ زندگی گذارنے کے طریقے بھی وضع کئے ہیں۔ مربی اور والد کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ زندگی گذارنے میں بچوں کی تربیت کو لازم قرار دیا ہے تاکہ اس سے معلوم ہو کہ اسلامی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ کس طرح زندگی گذارے؟۔

☆ تربیت کا اہتمام کرنے والے مربی کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ بچوں کو یہ بھی سمجھائے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں کن لوگوں سے محبت کرنا ضروری ہے اور کن لوگوں سے نفرت کا حکم ہے؟۔

یعنی بچوں کے سامنے کفار کی حقیقت اوران کے احوال کو خوب واضح کرے۔

اُن دشمنانِ اسلام کے احوال بھی بتائے جو اللہ کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد اور شریکوں کو منسوب کرتے ہیں۔ اور حقائق کو جھوٹ کے ساتھ ملا کر ملمع سازی کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان کے ساتھ دوستی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ﴾

(المائدہ:۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کریگا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا''۔

باپ اور تربیت کرنے والے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ کفار کی عادات' آداب و اخلاق کے متعلق بچوں کی خاص طور پر نگرانی کرے' اس لئے کہ کفار کے ہاں کوئی منظم اخلاقی تربیت نہیں ہے' اس لئے کہ ان کے ہاں فواحش کا عام رواج ہے' ان کے ہاں کوئی دینی اور اخلاقی تربیت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ کفار کی حقیقت سے بچوں کو روشناس کرانے کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ یہودیوں کے غداری کو بھی بیان کرتا رہے کہ کس طرح یہودیوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے؟ آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال کئے؟ آپؐ کے ساتھ معاہدے کر کے کس طرح توڑتے رہے؟ اس لئے کہ غداری ان کی سرشت میں داخل ہے اور ان کی طبیعتوں کا حصہ ہے۔

☆ تربیت کرنے والے کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ بچوں کو یہ بتائے کہ یہود کے ساتھ اللہ کا بغض کس طرح ہے؟ اور یہ کہ یہود اللہ تعالیٰ اور اولیاء اللہ کے دشمن ہیں۔ بچے کے دل پر خیر اور اہل خیر کی محبت' شر اور اہل شر کے ساتھ بغض رکھنے کو قرآن وسنت کی روشنی میں خوب جاگزیں کرے اور کفار کے ساتھ اختلاط' ان کے ساتھ مسلسل ملاقات کی

نفرت کو ان کے دل و دماغ میں مرکوز کرے تاکہ ان کے ساتھ مسلسل ملاقات کی نفرت ان کی طبیعتوں کا حصہ نہ بن جائے۔ اور برائیوں کی برائی دل سے نہ نکل جائے۔ مربی پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بچوں کو کفار کے ساتھ معاملات کرنے اور ان کو سلام کرنے کے متعلق بھی تعلیم دے اور سنت کے مطابق اس کی تربیت کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

﴿لتبدوا الیھود والنصاری بالسلام و اذا لقیتم احدھم فی الطریق فاضطروھم الی اضیقه﴾

(۱) البرکۃ فی فضل السعی والحرکۃ ص:۱۹۴

اگر بامر مجبوری غیر مسلم کو پہلے سلام کرنا بھی پڑے تو السلام علیکم نہ کہے' اس لئے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی میں سے ایک نام ہے جس کو کفار کے لئے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے لئے خاص ہے' ہاں کفار کے لئے سلام کی جگہ میں صبح بخیر یا شام بخیر جیسے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

☆ بچے کے دل و دماغ میں ان باتوں کو مرکوز کرنے کے لئے مناسب اسلوب استعمال کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں بچے کے ساتھ ہرگز سختی سے پیش نہ آیا جائے تاکہ الٹا اثر نہ ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگوں کے خاندان بعض اوقات کفار کے ممالک میں رہائش پذیر ہوتے ہیں' جس کی وجہ سے ان کے بچوں کی رفاقت کفار کے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو بچہ کفار کی ظاہری تہذیب' خوبصورت مکان اور اچھی سواری کو دیکھتا ہے اور کبھی کفار کی ہنسی خوشی اور نرم گفتاری کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کفار مسلمان بچے کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے مذکورہ عادات اپناتے ہوں۔ تو ان باتوں سے بڑے لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ بچے اس سے متاثر نہیں ہوں گے؟ اس لئے اپنے بچوں کی حفاظت کے خواہش مند باپ کے لئے ضروری ہے کہ کفر کے ان جالوں اور چالوں سے بچے کو بچائے۔ ان کے غلط اخلاق اور کفر کی حقیقت کو بچوں کے سامنے واضح کر کے ان کے کفریہ مکروفریب سے بچے کو محفوظ رکھے۔ یہاں ایک

انتہائی اور سخت خطرناک گوشے کا تذکرہ بھی انتہائی ضروری ہے' وہ ہے وضع قطع میں کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا۔

☆ تربیت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ اس خطرناک مرض سے بچے کو متنبہ کرے جو پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ خصوصا ذرائع ابلاغ اخبار' ریڈیو' ٹیلی ویژن' انٹرنیٹ وغیرہ عجیب وغریب پروگرام پیش کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر بچے متاثر ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کو روکنے والا کوئی نہ ہو تو برے لوگوں کی طرح وضع قطع بھی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ علامہ ابن خلدونؒ نے تو بہت پہلے اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور فرمایا تھا مغلوب رہنے والا لباس' سواری اور وضع قطع میں بلکہ تمام طریقہ ہائے زندگی میں ہمیشہ غالب کی تقلید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ مسائل بھی ہیں' ان کو واضح انداز سے بچے کے سامنے بیان کرنا والد کے لئے ضروری ہے تاکہ بچہ کفار کے بچھائے ہوئے جال میں نہ پھنس جائے۔ البتہ اس مقام میں ایک طریقے سے کام لیا جا سکتا ہے' وہ یہ کہ بچوں کو یہ سمجھایا جائے کہ مسلمان ملک کے اندر رہنے والے کفار کے بھی کچھ حقوق ہیں مثلاً حکمت ورواداری کے ساتھ ان کے ساتھ معاملات نمٹائے جائیں' اور اچھے انداز میں ان کے ساتھ بحث مباحثہ ہو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت:۴۶)

''اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو ہاں جو ان میں زیادتی کریں۔ اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اسی کی اطاعت کرتے ہیں''۔

اگر مسلم معاشرے میں رہائش پذیر کفار معاند و ظالم لوگ نہ ہوں تو ان کو دعوتِ حسنہ اور مواعظِ حسنہ کے ذریعے بغیر ترشی و سختی کے مدلل انداز سے دین الٰہی کی طرف مائل کیا جائے۔ تاکہ وہ اپنے اندر موجود گمراہی اور انحراف پر غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مواعظِ حسنہ کی برکت سے مشرف باسلام ہو جائیں اور ایمان کی عظیم دولت سے سرفراز ہو جائیں۔

مسلم ممالک میں رہنے والے کافر باشندوں کے ساتھ نیک نیتی کی بنیاد پر بہتر سلوک کرنے پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اس بہتر سلوک میں مریضوں کی عیادت' ان کے ہدایا کو قبول کرنا اور ان کے گھروں میں جا کر ان کے ساتھ ملاقات کرنا وغیرہ داخل ہیں۔ والد اور مربی پر یہ لازم ہے کہ وہ بچے کو وقتاً فوقتاً ان امور کی طرف توجہ دلاتا رہے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر کی روشنی میں اسے سمجھائے۔

﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ﴾ (فصلت: ۳۳)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے؟ جو خدا کی طرف بلاوے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں''۔

اور اس موضوع کے متعلق آپ ﷺ کے فرمودات سے بچے کو روشناس کرائے۔ مثلاً آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رجلا خير من ان تكون لك حمر النعم﴾ (بخاری' مسلم ۲۴۰۶)

اس میدان میں بچے کی مکمل تربیت کے لئے صحابہ کرامؓ کے واقعات بھی پڑھ کر سنائے۔ مثلاً حضرت مصعب بن عمیرؓ نے کس طرح اہل مدینہ کو دین اسلام کی طرف دعوت دی؟ بلکہ سب سے پہلے صدیق اکبرؓ کے طرزِ تبلیغ سے بچوں کو روشناس کرائے کہ انہوں نے دینِ اسلام کی ترویج کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا؟۔

﴿فصلِ چہارم﴾

کھانے پینے کے متعلق اخلاقی تربیت:

شاید کسی کے دل میں یہ سوال ابھرے کہ بچے کی تربیت کے ساتھ کھانے پینے کا کیا تعلق ہے؟ تو عرض ہے کہ اچھی زندگی کی تربیت کا تعلق اس کی زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ کھانا پینا تو اس کے یومیہ امور میں بہت زیادہ شامل ہے۔ بچے تو کیا تمام حیاتِ انسانی کا کھانے پینے کے ساتھ بہت زیادہ تعلق ہے۔ لہٰذا بچے کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں کھانے پینے کے آداب اور اسلامی طرز طریقہ سے نہ صرف واقفیت ضروری ہے بلکہ اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا بھی از بس ضروری ہے۔ تا کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ اسلام نے اس کی صحتِ جسم کا کس قدر اہتمام کیا ہے؟ بلکہ اس سے کو یہ بھی معلوم ہو کہ اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھ کر اس کے لئے کس طرح جامع اصول وضوابط مقرر کیے ہیں؟ چنانچہ ایک مسلمان سے قیامت کے دن اس کی اولاد اور اس کی رعایا کے متعلق سوال جواب ہوگا۔ نیز والد کے لئے حلال رزق مہیا کرنا بھی ذمہ داری کا حصہ ہے تا کہ بچوں کی پرورش اور نشو نما پاکیزہ طریقے پر ہو۔ اس لئے کہ دنیا وآخرت میں بھرپور اچھی زندگی گذارنے کے لئے کھانے پینے کا حلال ہونا انتہائی ضروری اور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ حرام کھانے والے کے جنت میں عدمِ دخول کی طرف آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

﴿لا یدخل الجنّة من نبت لحمه من سحت' النار اولیٰ به﴾ (مسند احمد: ۳/ ۳۹۹)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کا نشو نما حرام سے ہو' اس کے لئے آگ زیادہ مناسب ہے''۔

اسی وجہ سے باپ کو چاہیے کہ اپنے اہل وعیال اور بچوں کے لئے حلال رزق کا

اہتمام کرے۔ جواس کے لئے اوراس کی اولاد کے لئے غضب الٰہی اور نارِ جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہو اور انکو ہلاکت اور گمراہی سے بچانے کا بھی باعث بنے۔ اس لئے کہ انسان کی استعمال کردہ غذا کا اثر اس کے جسم و روح پر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت حسن ابن علیؓ کو صدقے کی کھجور میں سے ایک کھجور منہ میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر ڈانٹ کر فرمایا:

﴿کخ'کخ' اما تعرف انّا لا ناکل الصدقۃ﴾

''کیا تجھے نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟''

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے رزقِ حلال کھانے پر زور دیکر فرمایا ہے:

﴿یَـاَیُّهَـا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (البقرة:۱۷۲)

''اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم پر مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گذاری کرو اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو''۔

چنانچہ والدانہی نصوص کے ذریعے کھانے پینے کے متعلق اپنے بچے کی بہترین اخلاقی پرورش وتربیت کرسکتا ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات سے بھی بچے کو آگاہ کرے کہ انہوں نے حلال خوراک کا کس طرح اہتمام کیا تھا؟ اور کس قدر کوشش کرتے کہ ان کے پیٹوں میں ذرہ برابر بھی حرام کا لقمہ نہ جانے پائے؟

بچوں کو کھانے پینے کے متعلق تربیت دیتے وقت کھانے کے متعلق آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو بیان کرے۔ چنانچہ کھانے پر جمع ہونے' کھانے کے شروع میں ''بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم'' کہنے اور کھاتے وقت بیٹھنے کی عادات محمدیہؐ بیان کرے۔ ٹیک لگا کر کھانے سے بچے کو روکے' اس لئے کہ آپ ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

آپ کا فرمان ہے:

﴿لَا اٰكُلُ متكئًا﴾ (بخاری:۲/۹۳)

''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا''

اسی طرح بچے کو کھڑے ہو کر یا لیٹ کر کھانے سے بھی منع کیا جائے۔اس لئے حدیث شریف میں اس سے ممانعت شدت کے ساتھ کی گئی ہے۔جیسا کہ صحاح اور سنن کی کتابوں میں موجود ہے۔ (مسلم :باب کراهية الشرب قائماً ابن ماجه: كتاب الاطعمة)

باپ یا مربی تربیت کے متعلق خود بچے کے لئے پیشوا' رہنما مقتدا بنے۔ کھانے سے قبل سب لوگ ہاتھ دھوئیں' پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر شروع کریں' اس کے علاوہ کھانے سے قبل پڑھی جانے والی دعائیں خود بھی پڑھنی چاہییں اور بچوں کو بھی سکھانی چاہییں۔مثلاً یہ حدیث:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَافِيهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ﴾

''یا اللہ اس کھانے کو بابرکت بنا' اور اس سے بہتر کھانا ہمیں عطا فرما''

اسی طرح دائیں ہاتھ سے کھانے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھانے کی تعلیم دے۔اس لئے کہ حدیث شریف میں بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت آئی ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَاكُلُوا بِالشمالِ 'فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ﴾

''بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ' اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے''

یہ عظیم اسلامی تربیت انسان کو ایک صالح اور بہترین عمل کرنے والا عظیم انسان بنا دیتی ہے' اس لئے کہ ہاتھوں سے بہت سارے کام سرانجام دیئے جاتے ہیں' چنانچہ اچھے کاموں کے لئے دایاں ہاتھ مختص ہے اور گندگی سے متعلق امور بائیں ہاتھ سے انجام دیئے جاتے ہیں' ان عادات کو ہلکا سمجھ کر بچے کو ان کی عادت ڈلوانے میں ہرگز سستی نہ کی

جائے۔ بلکہ حدیث کے مطابق تربیت کرنے میں حتی المقدور کوشش کرنے سے غافل نہ ہو۔ اس لئے کہ اصل تربیت آپ ﷺ کی بیانِ فرمودہ ہی ہے۔ یہی اخلاق کی چوٹی اور تربیت کی جڑ ہے۔ بعض دفعہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے کھانے کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ یا کھانے کے درمیان انضباط سے کام نہیں لیتے اور بلٹر بازی کرتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ برتن کے اندر دائیں بائیں گھومتے رہتے ہیں۔ تو ایسے موقع پر مربی کو چاہئے کہ بچوں کو حضور ﷺ کا وہ قول سنائے جو آپؐ نے اپنے زیر پرورش بچہ حضرت عمرو بن سلمہ کو فرمایا تھا ''اے بیٹے: اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اور اپنے سامنے سے کھاؤ''۔ (الحرند:۲)

کھانے کے متعلق تربیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ بچے کو کھانے کے متعلق عیب گوئی سے روکا جائے اور اس بات سے بھی کہ وہ یہ کہے' میں فلاں کھانا نہیں کھاتا' فلاں کھاتا ہوں' بلکہ دلیل کے ساتھ نرم لہجے میں آپ ﷺ کے مبارک طریقے کو اس کے ذہن نشین کرے۔ اور کہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے پر عیب نہیں لگایا ہے' اگر دل چاہتا تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

(مسلم: باب الاشربہ' حدیث:۱۰۴ (۲) مسلم: باب الاشربہ حدیث:۱۰۸)

تربیت کرنے والا بچے کی تربیت اگر شرعی اصولوں کے مطابق کرے تو یقیناً یہ تربیت ثمر آور ہوگی۔ اس کے اثرات اس کی زندگی پر ظاہر ہوں گے۔ لہذا اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ بچہ کھانا کھاتے وقت غفلت سے نہ کھائے اور نہ ہی زیادہ کھانے کا عادی ہو۔ اس لئے کہ بسیار خوری انسان کو پست ہمت اور پژمردہ کر دیتی ہے' فکرِ صحیح کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں' کم عقلی کو کھینچ لاتی ہے' بچوں کو نیند اور کاہلی کا دلدادہ بنا دیتی ہے اور غیر معمولی موٹاپے اور زیادتی وزن کا بھی باعث بنتی ہے۔ ماہر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ بچے میں موٹاپا عام معمول سے اگر بڑھ جائے تو صحت و زندگی کے لئے مستقل خطرہ بن جاتا ہے۔ اور اس کے جسم کو مختلف النوع امراض کی آماجگاہ بنا دیتا ہے۔ یہ عام اور واضح سی بات ہے' کوئی دقیق مسلہ تو نہیں۔

اسی طرح موٹاپا اسکے لئے اس کے ہم عمر ساتھیوں سے جدائی کا بھی باعث بن

جاتا ہے۔ کیونکہ تیز چلنے اور بھاگنے کے کھیلوں میں بدن کے بھاری ہونے کی وجہ سے ساتھیوں کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا' اگر کسی وقت شریک ہو بھی جائے تو بہت جلد تھک ہار کر بیٹھنے پر مجبور ہوگا۔ اسی بنا پر وہ ساتھیوں کے طعن و تشنیع اور ٹھٹھہ و مذاق کا بھی شکار ہوگا۔ اور کبھی کبھار دوستوں کی طرف سے برے ناموں اور القابات سے پکارے جانے کی ذہنی کوفت میں بھی مبتلا ہوگا۔ مثلاً بچے اسے ریچھ' ہاتھی اور مچھلی جیسے ناموں سے موسوم کریں گے۔

اور کبھی کبھار بچہ موٹاپے کی وجہ سے ذہنی انحطاط کا بھی شکار ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مربی کے لئے ضروری ہے کہ تربیت کے اس گوشے کا انتہائی ہوشیاری اور بیدار مغزی کے ساتھ خیال رکھے۔ بچہ اگر تعلیم و تربیت کی شاہراہ پر گامزن ہو تو اس گوشہ کی طرف خصوصی طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مربی اس موقع میں بچے کی توجہ صحیح طور پر اس طرف مبذول کرانے کے لئے سبق آموز واقعات' اور ان آیات قرآنی سے مدد لے سکتا ہے جس میں اسراف کی ممانعت آئی ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

(الاعراف:۳۱)

''اور کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الانعام:۱۲۱)

''اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''

اس آیت کی روشنی میں کھانے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی اہمیت کو بچے کے دل میں بٹھانے کی بھرپور کوشش کرو۔ اور کھانے کی مقدار کو محدود کر کے موٹاپے کو کم کیا جاسکتا ہے۔ اور زبانی طور پر ترغیب دیکر بچے کو ذہنی طور پر کم کھانے پر ابھارا جاسکتا ہے مثلاً اس کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ کھانا ہمیشہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں کھایا

جاتا۔ بلکہ بھوک کی تکلیف دور کرنے کے لئے تناول کیا جاتا ہے۔یعنی بھوک کی بیماری کو دور کرنے کی غرض سے کھایا جاتا ہے۔

جس طرح کھانے کے متعلق تربیت ضروری ہے اسی طرح پینے کے متعلق ضروری آداب کے زیور سے بھی بچے کو بہرہ مند کرنا ازبس لازمی ہے۔مثلاً پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا' بیٹھ کر پینا' برتن میں سانس نہ لینا' تین سانس میں پینا وغیرہ' مربی کو چاہیے کہ وہ بچے کو سنت نبوی ﷺ کی تعلیم دے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی نوش فرماتے وقت برتن میں سانس نہ لیتے تھے' اور تین سانسوں میں پانی نوش فرماتے تھے اور آپ کا فرمان ہے۔

﴿اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَنَفَّسُ فِیْ الْاِنَاءِ﴾ (بخاری)

''اگر تم میں سے کوئی کچھ پیئے تو سانس برتن کے اندر نہ لے''

ان تمام آداب پر مربی خود بھی سختی سے عمل کرے۔تاکہ بچہ اس کی دیکھا دیکھی ان آداب نبوی پر عمل کرنے کا عادی ہو جائے۔

﴿فصلِ پنجم﴾

صفائی کے متعلق بچے کی اخلاقی تربیت:

اسلام نے ظاہری و باطنی پاکیزگی کی طرف خاص طور پر توجہ دی ہے۔ اس لئے کہ صفائی ہر زینت کی جڑ ہے' مسلمان تمام امور میں صفائی کا پابند ہے اور دینی فرائض کی ادائیگی خصوصاً نماز میں جسم کی پاکی کا خاص طور پر پابند ہے' تمام ادیان میں بوقتِ عبادت صفائی کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے' البتہ اسلام میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کسی بھی مسلمان (چاہے بڑا ہو یا چھوٹا) کی نماز جگہ' کپڑے اور بدن کی پاکی کے بغیر صحیح نہیں ہوگی۔ یہاں نظافت کی اقسام بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تو سن لیجئے پاکی کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: ظاہری و بدنی پاکی۔ دوسری قسم: باطنی و معنوی پاکی۔

مادی اور ظاہری پاکی یہ ہے کہ انسان اپنے بدن' لباس' کھانے پینے کے امور غرض تمام چیزوں میں صفائی و پاکی کی طرف خصوصی توجہ دے۔

باطنی و معنوی پاکی: دل کی صفائی و سلامتی ہے اور نفس کو برے اخلاق' حسد' بخل ریاء' خود پسندی' بدظنی اور بدنیتی جیسی برائیوں سے پاک کرنا ہے۔ اسلام نے انسانی صحت و تندرستی کا بطور خاص اہتمام کیا ہے اور مرض سے بچانے کے لئے عملی تدبیر کی دعوت دی ہے۔ اور جسم کی صفائی کی طرف بطور خاص توجہ دلائی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا
وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ.....﴾ (المائدہ:۶)

'اور ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے

ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت' اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت ''۔

نماز کی ادائیگی کا صحیح ہونا چند اہم اصولوں پر مبنی ہے۔ ان میں سب سے پہلا اصل پاکی و نظافت ہے۔ وہ اس طرح کہ مسلمان چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ نماز ادا کرنے کا پابند ہے۔ یہ پانچوں نمازیں وضوء کے بغیر صحیح ہی نہیں ہوتیں اور وضوء پاکی ہی تو ہے۔ پھر وضوء میں مسواک استعمال کرتا ہے۔ جو دانتوں اور مسوڑوں کی حفاظت اور بیماریوں سے بچاؤ کا باعث ہے نیز جراثیم کو ختم کرتی ہے۔ باعث نفرت بدبو کو ختم کرنے اور کھانے کے بعد کے اثرات کو ختم کرنے کا بھی سبب ہے۔

اور ناک میں پانی ڈالنے سے سانس کی نالیوں کی صفائی اور حفاظت ہوتی ہے۔ اور چہرے کو تین مرتبہ دھونے سے اس میں لگے ہوئے غبار کا نام ونشان نہیں رہتا ہے' یہی حالت ہاتھوں اور پیروں کی ہے! کہ چلنے کی وجہ سے جو گرد وغبار ان پر لگا وہ صاف ہو جاتا ہے۔اس کی صفائی دھوئے بغیر نہیں ہوتی۔

لیکن بچہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے مذکورہ فائدوں کا ادراک نہیں کر سکتا مگر اس کے مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ صفائی کے ساتھ ان فوائد کی طرف بھی اس کی توجہ مبذول کرائے۔ تاکہ وہ ان فوائد کو سامنے رکھ کر اس پر عمل کر کے صفائی کا عادی بن جائے۔ پاکی کے متعلق بچے کی تربیت و پرورش کرنا تربیت کرنے والے کی خاص طور پر ذمہ داری ہے۔ مربی کو چاہیے کہ وہ مختلف مواقع کے متعلق حتی کہ مرنے کے بعد تک بدن کی پاکی وصفائی کے متعلق اسلام کے احکامات بیان کر کے ذہن سازی کرے۔

مرنے کے بعد میّت کو غسل دینا اس کا احترام واعزاز ہے۔ تاکہ مومن بندہ پاک وصاف اور خوشبودار ہو کر دربار الٰہی میں حاضری دے۔ بچوں کو آس پاس اور ماحول کی صفائی' گھر میں پہننے والے لباس' جمعہ وعیدین کے مواقع پر زیب تن کئے جانے والے کپڑوں کی صفائی کے متعلق بتایا جائے۔

آگے آنے والی سطور میں صفائی سے متعلق تعلیم و تربیت کی مختلف قسموں سے

آپ واقفیت حاصل کریں گے۔

بچہ اور لباس و جسم کی صفائی:

اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی صفائی و نظافت کی بنیاد اور جڑ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ﴾ (الانفال:۱۱)

''اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کردے''۔

انسان ان تمام گندگیوں سے پانی ہی کے ذریعے پاکی حاصل کرتا ہے جو اس کے بدن اور کپڑوں کو لگتی ہیں۔ ایک دانشمند و ہوشیار مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو ان امور کی طرف متوجہ کرے۔ اور پاکی کے متعلق آپؐ کے اسوہ حسنہ کی قدر و منزلت سے بچے کو متعارف کرائے۔ اور یہ بتائے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں سے پاکیزہ اور اطیب تھے بلکہ تمام کمالات کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی تمام مسلمانوں (چھوٹے ہوں یا بڑے تمام) کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ لہذا مربی پر لازم ہے کہ وہ اسی بات کو بچوں کے دل و دماغ کی سرزمین میں کاشت کرے اور یہ بات ان کے دلوں میں بٹھائے کہ آپ ﷺ کمالِ ہیئت، نظافتِ بدن اور پاکیزگی لباس میں ہمارا نمونہ اور آئیڈیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل ترین انسان بنا کر پیدا فرمایا۔ اور لوگوں کے لئے آپ ﷺ کو رحمت اور پیشوا بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور تمام امور میں رہنما و مقتدا اور نمونہ قرار دیا۔ اسی وجہ سے علامہ ابن جوزیؒ آپؐ کی پاکی و نظافت کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿كان النبى صلى عليه و سلم انظف الناس، و اطيب الناس﴾

''یعنی حضور ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ پاکیزہ اور طیب تھے''۔

حدیث شریف میں آپ کے متعلق آیا ہے کہ جب آپ ﷺ اپنے ہاتھ مبارک

اٹھاتے آپ کے بغل مبارک کی چمک ظاہر ہوتی تھی۔ آپؐ اکثر اوقات مسواک فرمایا کرتے۔ آپؐ یہ پسند نہ کرتے کہ آپؐ سے ناپسند کی جانے والی بوآئے۔

آپ ﷺ زیرِ تربیت بچے کی اس طرح ذہن سازی کر کے اپنی صفائی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی صفائی و پاکیزگی کی طرف توجہ دلاتے۔ اور بدن، لباس اور بالوں کی صفائی کا خیال نہ کرنے والوں کو ناپسند فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص کو میلے کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر فرمایا:

﴿اما يملك هذا ان يغسل ثيابه؟﴾ (نوادر الاصول)

''کیا یہ اپنے کپڑوں کو دھو نہیں سکتا؟''

اور ایک مرتبہ ایک شخص کو پراگندہ بال دیکھ کر فرمایا:

﴿لم يشوه احد كم نفسه؟﴾ (مجمع الزوائد: ۵/۱۶۷)

''بعض لوگ اپنی شکلوں کو کیوں بگاڑتے ہیں''۔

آپ ﷺ نے صفائی کے متعلق ایک مستقل نظم مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ جوانی کی شاہراہ پر گامزن ہونے والے کے لئے جمعہ کے دن کا غسل ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿الغسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم﴾

''ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا ضروری ہے''۔

اور صفائی کے لئے باقاعدہ حکم دیا اور کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کو لازمی قرار دیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی منقول ہے: ''مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ غسل کرے''۔

لہذا مربی کو چاہئے کہ ان نصوص شریفہ پر خود بھی عمل کرے اور بچے کو بھی ان نصوص پر عمل کرنے کی تعلیم دے، جمعہ کے دن غسل کرنا اگرچہ بچے پر لازم نہیں ہے لیکن آئندہ کے لئے اچھی عادت ڈالنے کے لئے بہتر ضرور ہے۔ بچے کے اخلاق و عادات کو تربیت کے ان عظیم اصولوں پر استوار کرانا مربی کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ لہذا بچے کو

جمعہ کے دن غسل کرنے' بہتر سے بہتر لباس پہننے کی عادت ڈالے۔حتی کہ پاکی و پاکیزگی اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔

صرف ہفتہ وار غسل پر اکتفاء نہ ہو بلکہ اسراف و وسوسہ سے بچتے ہوئے کثرت غسل اور نظافت کی عادت ڈالے اور بچے کو اس معاملے میں افراط وتفریط سے بچا کر درمیانی راہ اختیار کرنے کی تربیت دے۔

بدن کی صفائی کے ساتھ ساتھ لباس کی صفائی کی بھی عادت ڈالی جائے تا کہ بچہ گھر' مدرسہ اور عام مقامات میں اچھی ہیئت اور خوبصورت شکل میں دکھائی دے۔ایک رومال بھی بچے کی جیب میں ہونا چاہئے تا کہ بوقت ضرورت اس سے کام لے تا کہ اس کے ہاتھ اور کپڑے گندے نہ ہوں۔اور بچے کو اس بات کی بھی تعلیم دے کہ ناک صاف کرنے کے لئے دایاں ہاتھ استعمال نہ کرے' بلکہ اس کام کے لئے بائیں ہاتھ سے کام لے۔اس لئے کہ دایاں ہاتھ امورِ شریفہ میں استعمال ہوتا ہے۔

بہتر تو یہ ہے کہ مربی حضور ﷺ کی تقلید کرتے ہوئے بچے کو صاف رکھے اور اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے کا خود اہتمام کرے۔آپ ﷺ حضرت اسامہ بن زیدؓ (جب چھوٹے تھے) کی صفائی کا خود اہتمام فرماتے۔

قارئینِ کرام! آیئے حضرت اماں عائشہؓ کی زبانی آپ ﷺ کی بچوں کے ساتھ محبت اور تربیت کا انداز سنتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک مرتبہ آپ ﷺ اسامہ بن زید کی ناک صاف کرنے لگے تو میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! چھوڑیئے' میں صاف کروں گی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! مجھے اس سے محبت ہے' تم بھی اس سے محبت کرو۔

(ترمذی باب المناقب حدیث نمبر ۳۸۱۸)

ہماری اماں جان حضرت عائشہؓ حضرت اسامہؓ کا ایک اور قصہ نقل کرتی ہیں۔ جس سے آپ ﷺ کی چھوٹے بچوں کے ساتھ محبت و مشفقت اور ان کی خبر گیری کا اہتمام کرنا واضح ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک مرتبہ اسامہ بن زیدؓ دروازے کی لکڑی سے ٹکرائے اور زخمی ہوکر خون آلود ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کو صاف کر کے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو زیورات اور لباس پہناتا......؟

آپ ﷺ کا بچوں کو اس طرح تسلی دینا یہ بتا رہا ہے کہ عام لوگ بھی بچوں کی حوصلہ افزائی میں غلفت نہ کریں۔

بچہ اور ہاتھوں کی صفائی:

اللہ تعالیٰ کے کمال خلق میں انسان کی تخلیق بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت میں تخلیق فرمایا۔ آنکھیں، زبان اور ہونٹ جیسی نعمتوں سے نوازا۔ ہاتھ کی نعمت عطاء کی کہ جس سے انسان ہر نقصان دہ چیز کو دور کرتا ہے۔ انہی ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں کام لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو ہر وقت ہاتھوں کو صاف رکھنے حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے اعضا کی بہ نسبت ہاتھ کا اکثر گندگیوں، میل کچیل اور جراثیم وغیرہ سے تعلق رہتا ہے۔

ہاتھوں کی صفائی میں سستی وکاہلی سے کام لینا اور اس کی طرف توجہ نہ دینا انسان کو مختلف بیماریوں سے دوچار کرتا ہے۔ اور مربی پر لازم ہے کہ بچے کو یہ بات سمجھادے کہ ہاتھوں کو گندگیوں سے بچائے۔ ہر انسان اپنے ہاتھوں ہی سے تمام چیزوں کو چھوتا ہے، لوگوں سے مصافحہ بھی ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے۔ کپڑے وغیرہ بھی ہاتھوں سے مس کر کے خریدتا ہے۔ غرض ہر چیز کو ہاتھوں سے پہلے چیک کرتا ہے۔ لہذا اگر بچہ یا عام انسان ہاتھوں کو صاف کرنے کا کماحقہ اہتمام نہ کرے اور نہ ہی اس میں لگے میل کچیل کو دور کرنے کی طرف توجہ دے تو ایسے شخص کو بیماری لازم ہے، بلکہ ایسا شخص خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے لئے بیماری تلاش کرتا ہے۔ اور ہاتھوں کی صفائی کی طرف توجہ نہ دیکر مسلسل بیماری ہونے کے خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ صاحب فراش ہوکر پورے خاندان کے لئے باعث پریشانی ہوگا اور خود اس کے تمام امور اور مصالح تعطل کا

شکار ہو کر رہ جائیں گے۔ بچہ کے دل و دماغ میں یہ بات ڈالنا بھی لازمی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اور پوری امت کو صفائی کے ذریعے متنوع امراض سے بچانے کے لئے خوب تربیت کی ہے تا کہ صفائی کے متعلق آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کر کے اور اپنی صحت کا خیال رکھ کر بدنی قوت حاصل کریں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف﴾ (مسند احمد ج:۵/۳۶۶)

''کمزور مومن کے مقابلے میں مومن قوی بہتر ہے' اور مومن ضعیف کی بہ نسبت مومن قوی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے''

ہم بچے کو اس بات کی بھی عادت ڈالیں کہ ہر روز کئی مرتبہ ہاتھوں کو صاف پانی سے دھوئے اور ہاتھ پر لگے میل کچیل کو خوب پاک صاف کرے۔ اگر ان امور پر بچہ عمل نہ کرے تو درگزر سے ہرگز کام نہ لیں۔ بلکہ اس کو سمجھائیں۔ کہ دیکھئے ہاتھوں کو صاف نہ رکھنے سے صحت کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور راحت وسکون پر بھی اثر پڑتا ہے اور اس سے ماں باپ کے مال کو نقصان پہنچے گا۔

اور بچے کو یہ باور کرانا بھی کوئی مشکل نہیں کہ اسلام نے ہاتھوں کو صاف رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ اور لوگوں کو صحت عامہ کے اصولوں پر چلنے کی بھرپور دعوت دی ہے۔ ایک مسلمان بچے پر لازم ہے کہ ہاتھوں کو دھونے اور صاف رکھنے کا خاص اہتمام کرے' جس میں ناخنوں کی صفائی اور جوڑوں کی صفائی بھی داخل ہے۔ دانشمند مربی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بچے کی انگلیوں کو صاف رکھنے اور ناخنوں کو کاٹنے کی طرف توجہ دے اور اس کو ہلکا اور بے قیمت و بے فائدہ نہ سمجھے۔ بلکہ اس کے دل میں یہ بٹھادے کہ ناخن کترنا سنن فطرت میں سے ہے' جس کو امت محمدیہؐ کے لئے سنت قرار دیا گیا تا کہ ناخن کے نیچے تہہ بہ تہہ میل جمع نہ ہو' اور نہ ہی جسم کے لئے ضرر رساں

جراثیم کے پیدا ہونے کا موجب ہو۔ ناخن قلم کرنے کے بہت سارے فائدے ہیں۔ من جملہ ان سے دو فائدے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

پہلا فائدہ : ظاہری زینت وخوبصورتی۔

دوسرا فائدہ :شرعی طہارت کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ زیر ناخن کوئی میل ہو جو جلد تک پانی پہنچنے سے مانع ہو۔

بچے کو یہ ذہن نشین کرانا چاہئے کہ چالیس دنوں کے اندر اندر ناخن کاٹے۔ چالیس دن سے آگے نہ بڑھے۔ اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: مونچھیں کاٹنے' ناخن کاٹنے' بغل اور زیر ناف بال صاف کرنے کے لئے وقت مقرر کیا گیا تھا۔ یعنی چالیس دن تک صاف کئے جائیں' اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔

بچے کو یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ ناخن لمبا کرنا انتہائی بری عادت ہے۔ یہ چیر پھاڑ کر کھانے والے درندوں کا منظر پیش کرتا ہے۔ ایسا کرنے والا جاہل دکھائی دیتا ہے۔ اور نہ ہی ناخن بڑھانے میں کوئی فائدہ ہے۔ بلکہ درجہ انسانیت سے اتر کر درندوں کی صفت میں شامل ہونے کا سبب ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا ہے۔ جانوروں کی تقلید کرنا اسے کیسے زیب دیتا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرف انسانیت اور عزت سے نوازا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ (اسراء:۷۰)

''اور ہم نے آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا''۔

بچے کے ہاتھ ہر وقت نہ دھوئے کہ اس سے بچہ اکتا جائیگا۔ بلکہ بچے کے ہاتھ صرف کسی عمل کو شروع کرنے سے پہلے دھوئے۔ خصوصا سو کر اٹھنے کے بعد تو لازمی دھوئے' سو کر اٹھنے کے بعد سب سے پہلے ہاتھ دھونا سنت ہے۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ

دھونے سے پہلے کسی بھی چیز کو ہاتھ ہرگز نہ لگائے۔ تاکہ خود کو یا دوسروں کو تکلیف میں مبتلا ہونے سے بچائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

﴿اِذَا استیقظ احدکم من نومه فلا یدخل یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاث مرات فان احدکم لا یدری این کانت تطوف یده﴾ (بخاری حدیث نمبر۱۶۲)

''تم میں سے کوئی اگر خواب سے بیدار ہو جائے تو ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں داخل نہ کرے اس لئے کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہاتھ کہاں کہاں لگا ہے؟''۔

ہوسکتا ہے کہ شرمگاہ یا کسی جلدی بیماری والی جگہ پر لگا ہو۔ بہرحال تربیت کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ اس اچھی خصلت اور سنت نبوی ﷺ سے اپنے بچے کو مزین کرے۔ اور اس سلسلے میں بچے کی حوصلہ افزائی بھی کرتا رہے۔ آپ ﷺ نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی ترغیب بھی دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿برکة الطعام الوضوء قبله' والوضوء بعده﴾

(ابوداؤد حدیث نمبر۳۷۶)

''کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا باعث برکت ہے''

کھانے سے پہلے ہاتھوں سے میل کچیل کو صاف کرنا جس طرح اہم ہے اسی طرح کھانے کے بعد ہاتھوں کو کھانے کے اثرات سے صاف کرنا بھی اہمیت کا حامل ہے۔ بچوں کے ہاتھ صاف کرنا خاص طور پر ضروری ہے۔ اور بچوں کے دل میں بٹھایا جائے کہ ہاتھ اگر صاف بھی ہوں تب بھی انہیں دھویا جائے۔ اس لئے کہ یہ سنت نبی ﷺ ہے اور مزید پاکی کا باعث ہے۔ اس میں زیادہ احتیاط ہے اور سبب برکت ہے۔ نیز راحت نفس کا موجب بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہاتھ چربی و چکنائی سے ملوث ہوں اور انہیں

دھوئے بغیر سو جائے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

لہذا مربی کے لئے ضروری ہے کہ ہاتھ دھونے کے تمام فوائد اور نہ دھونے کے نقصانات کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر رکھے۔ اور بچے کے کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کی خود نگرانی کرے۔ خصوصاً عشاء کے کھانے کے بعد خاص طور پر خیال رکھے۔ ہاتھ منہ نہ دھونے پر سخت تنبیہ کرے اور ہاتھ دھونے میں اس کی مدد بھی کرے۔ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کہیں ہاتھ دھوئے بغیر نہ سونے پائے۔

ہاتھوں کی صفائی کے متعلق تعلیم و تربیت کا ایک پہلو قضائے حاجت کے بعد ہاتھوں کو خوب اچھی طرح صاف کرنا بھی ہے۔

مربی خود اپنی نگرانی میں شرعی حدود کی خلاف ورزی کئے بغیر مناسب طریقے سے گندگیوں سے صفائی کا طریقہ سکھانے کا اہتمام کرے۔ قضائے حاجت کے بعد پانی سے خوب کام لینے کی نصیحت کرنا بھی ہرگز نہ بھولے۔ صرف ٹشو پیپر پر اکتفا نہ کرے اس لئے کہ ٹشو پیپر کے استعمال سے بعض دفعہ ہاتھ بھی گندا ہو جاتا ہے۔

منہ اور دانتوں کی صفائی:

بچے کی تربیت کے سلسلے میں منہ اور دانتوں کی صفائی بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک طبعی و فطری امر ہے جس کی طرف خود انسان کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ انسان کھانے پینے کی مختلف چیزیں استعمال کرتا ہے۔ جس سے منہ بہت سارے جراثیم کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ جو غذا اور ہواء کے راستے اندر داخل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے منہ کی بو خراب ہو جاتی ہے اور مسوڑھوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ یہ دانتوں میں سوراخ ہونے اور کیڑا لگنے کا باعث ہے۔ اس زمانے میں عام دیکھا جاتا ہے کہ بچوں کے دانت بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں اور شدید درد کا شکار ہوتے ہیں۔ اور دانتوں میں تکلیف دہ کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ دانتوں کی صفائی سے غفلت اور شیریں اشیاء کا استعمال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دانتوں کی صفائی اور استعمالِ مسواک پر زور دیا ہے۔ دانتوں کو جراثیم سے محفوظ کرنے کے لئے ٹوتھ پیسٹ اور برش کا استعمال بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ بچے کو تو برش استعمال کرنے کی ابھی سے عادت ڈالنی چاہئے۔ خصوصا رات کو سونے سے پہلے۔ اس لئے کہ کھانے یا میٹھی اشیاء کے کچھ ٹکڑے اگر دانتوں کے اندر رہ جائیں تو دانتوں کے جلد تلف ہونے کے سبب بنیں گے۔ تربیت کرنے والے پر لازم ہے کہ برش کے استعمال کے سلسلے میں بچے کی خود نگرانی کرے۔ اس میں سستی ہرگز نہ کرے۔ اور نہ ہی اسے ترک کرنے دے۔ بلکہ ہر کھانے کے بعد برش کے استعمال کو لازمی قرار دے۔ تا کہ اس کے منہ سے بدبو نہ آنے پائے اور نہ ہی دانت کالے یا پیلے ہوں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کو بھی پڑھ کر سنائے جس میں آپؐ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جس کے دانت پیلے ہو گئے تھے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں چند لوگ آئے جن کے دانت پر صفائی نہ کرنے کی وجہ سے تہہ بہ تہہ میل جما ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے دانت پیلے ہو گئے تھے۔ انہیں آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی اور ان کی اس حالت کو ناپسند فرماتے ہوئے فرمایا:

> ''تمہیں کیا ہوا پیلے دانتوں کے ساتھ میرے پاس آتے ہو؟ مسواک کیوں نہیں کرتے ہو؟۔ مجھے اپنی امت پر مشقت کا اگر اندیشہ نہ ہوتا تو وضوء کی طرح مسواک کرنے کو بھی فرض قرار دیتا''۔

مربی پر یہ بھی لازم ہے کہ عبرت کے لئے بچے کی توجہ صفائی سے غافل ان لوگوں کی طرف بھی مبذول کرائے جو جمعہ کی نماز یا عام اجتماعات میں ایسی حالت میں آتے ہیں کہ ان کے منہ سے نفرت آمیز بو آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں۔ یا پیاز اور لہسن کھا کر سستی و کاہلی کے باعث منہ کو صاف کیئے بغیر مسجد یا کسی دوسرے اجتماع میں آجاتے ہیں جس سے بدبو پھیل جاتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ زیادہ کھانے کی وجہ سے ڈکاروں پر ڈکاریں بھی ہوں تو بوئے بد کی انتہا ہو جاتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے صفائی کے اس گوشے میں سستی کرنے' کھانا کھا کر منہ کو صاف نہ کرنے' اور زیادہ کھا کر ڈکاریں

لینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے ڈکار مارنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ڈکار کو روکو' چنانچہ دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والا لمبی بھوک کا شکار ہوگا''۔

تربیت کرنے والے کو یہ بھی لازم ہے کہ وہ بچے کو یہ دل نشیں کرائے کہ مسلمان تو طبعی طور پر پاک و نظیف ہوتا ہے۔ کھانے کے اثرات کو دور کرنے کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ اور مسلمان کی یہ بھی صفت ہے کہ وہ کسی دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے۔ کیوں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا بڑا گناہ ہے۔ لہذا دوسروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے منہ اور دانتوں کی صفائی انتہائی ضروری ہے۔

دانتوں کی حفاظت کے سلسلے میں بچے کی نگرانی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گرم چیز کھانے پینے کے فوراً بعد ٹھنڈا مشروب یا ٹھنڈی چیز کے بعد گرم چیز کا استعمال ہرگز نہ کرنے پائے۔ کیونکہ زیادہ تر دانتوں کا ضائع ہونا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اسی طرح دانتوں سے سخت چیز (گھٹلی' اخروٹ وغیرہ) نہ توڑنے کی بھی تنبیہ ہونی چاہئے۔ اس سے بھی دانتوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نیز اس سے مسوڑھوں یا زبان کے زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اور زبان کی خرابی کا اثر ساری زندگی رہے گا۔ جس کی وجہ سے تکلیف میں اضافہ ہوگا۔ صفائی کے لئے اخلاقی تربیت اور مسواک کی سنت کو زندگی میں زندہ کرنے کی عادت ڈلوانے کے لئے تربیت کنندہ مسواک کے فضائل و فوائد احسن انداز سے بچے کے گوش گذار کرے۔ مثلاً یہ کہ مسواک کرنا ان فطری خصائل میں سب سے بہترین خصلت ہے جن کی طرف طبع انسانی خود مائل ہوتی ہے۔

منہ کو صاف رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ مسواک ہے۔ مسواک ہی سے دانتوں میں لگا پیلا پن اور نقصان دہ مواد کا ازالہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے بھی مسواک کرنے کی ترغیب دیکر فرمایا ہے: کہ مسواک منہ کی صفائی اور رب کی رضامندی کا سبب ہے۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿السواك مطهرة للفم و مرضاة للرب﴾ (طب نبوی لابن قیم جوزی ص:۳۴۸)

''مسواک منہ کی پاکی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہے''

چونکہ منہ ذکر الٰہی اور مناجات الٰہی کا محل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پاکی کو پسند فرماتے ہیں۔ مسواک چونکہ منہ کو صاف اور اس کی بو کو پاک کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ مسواک کے بہت سارے طبی فوائد بھی ہیں۔ بچے کو مسواک کے استعمال کی عادت ڈالوانے کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تربیت کرنے والا خود مسواک کا استعمال کثرت سے کرے۔ اور بچے کو بھی مسواک دیکر ہر وقت اسے استعمال کرنے کی ترغیب دے۔ اور مسواک کے استعمال کے متعلق بزرگوں کے اقوال سے بھی انہی باخبر کرے۔ مثلاً مسواک کے متعلق حضرت امام ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: ہر وقت مسواک کرنا پسندیدہ عمل ہے مگر نیند سے بیداری' وضوء اور نماز کے وقت ضروری ہے' روزے کی حالت میں بھی مسواک کرنا بہتر ہے۔ بلکہ روزے کی حالت میں مسواک کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ جب مسواک کرنا رضاءِ الٰہی کا باعث ہے تو روزے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اور بھی ضروری ہے اور منہ کی صفائی و پاکی کا بھی سبب ہے تو روزے دار کے لئے اپنے منہ کو صاف کرنا افضل ترین عمل ہے۔

بہرحال آپ ﷺ کے فرمانِ ذیشان کے مطابق ہر وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔

فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

﴿السواك سنة فاستاكوا اىّ وقت شئتم﴾ (المفہم ج:۱۲۳)

''مسواک سنت ہے جب چاہو مسواک کرو''

مربی پر لازم ہے کہ مسواک کے استعمال کا طریقہ بھی بچے کو بتادے کہ مسواک کرنے کی ابتداء منہ کے دائیں طرف سے شروع کرے' دانتوں کے اندر' باہر عرضاً مسواک کرے۔ دانتوں کے اطراف داڑھ' اور حلق کے اوپر کے حصے پر بھی آہستہ سے مسواک کرادے۔

مسواک کے اسلامی اور ذوقی ادب سے بھی بچے کو بہرہ ور کرے۔ کہ کن کن مقامات ومواقع میں مسواک کرنی چاہئے؟ اور کن مواقع میں استعمال مسواک مناسب نہیں ہے؟۔ چنانچہ بچے کو سمجھادے کہ لوگوں کے عام مجمع میں لوگوں کے سامنے مسواک استعمال کرنے سے گریز کرے۔ اس میں دوسروں کی بے ادبی ہے۔ اس لئے کہ منہ کو صاف کرتے وقت عین ممکن ہے کہ منہ سے کچھ میل کچیل یا کچھ گندہ مواد نکلے جو دوسروں کے لئے ناگواری کا باعث بنے۔ حضرت امام ابو العباس قرطبیؒ نے اپنی کتاب ''المفہم'' میں استعمالِ مسواک کے متعلق چند آداب کا تذکرہ کیا ہے' چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

مساجد' عام محافل اور لوگوں کے سامنے مسواک استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے۔ اور حضور ﷺ سے بھی مساجد یا لوگوں کے محافل میں مسواک کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسواک کرنا گویا منہ سے گند اور میل کو دور کرنا ہے۔ جو مساجد اور لوگوں کے محاضر میں مناسب نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی صاحب مروت شخص کو یہ زیب دیتا ہے۔

اسی طرح بچے کی اخلاقی تربیت کو ملحوظ رکھ کر اس کو ایک نیک وصالح انسان بنایا جاسکتا ہے۔ اور بچے کے ذریعے آپ ﷺ کی سنن مبارکہ کا احیاء کی سعادت بھی نصیب ہوسکتی ہے۔

قضاءِ حاجت کے متعلق تربیت:

تربیت کا ایک اہم پہلو جس پر بچے کو بچپن ہی سے عمل کروانا ضروری ہے۔ وہ قضاءِ حاجت کے طریقہ ہے۔ ابتداہی میں بچے کو قضاءِ حاجت کے وقت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوکر پردہ کرنے کی عادت ڈلوائی جائے تاکہ کوئی اسکی شرم گاہ کو نہ دیکھنے پائے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ جب شروع ہی سے اس کا اہتمام کیا جائے گا تو بچے کے اندر شرم وحیاء کا عنصر بہتر انداز میں پروان چڑھے گا۔

اس سلسلے میں سستی ہرگز نہ کی جائے۔ بلکہ قضائے حاجت اور بیت الخلا جانے کے تمام آداب سے بچے کو مزین کرے۔

چنانچہ بچے کو یہ بتایا جائے کہ استنجاء کے لئے دائیں ہاتھ کو استعمال کرنا جائز نہیں۔اس کے لئے بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہئے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿لا یمس احدکم ذکرہ بیمینه ولا یستنجی بیمینه﴾

(سنن دارمی ج:۱ص:۱۷۲)

''تم میں سے کوئی بھی اپنے ذکر کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے''

بول و براز کے وقت قبلہ رخ نہ ہو اور نہ ہی کو قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اس لئے کہ اس سے بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿انما انا لکم مثل الوالد اعلّمکم : اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلة ولا تستدبروها ولا یستنج احدکم بمینه﴾

''میں تمہارے لئے والد کی طرح ہوں جو تمہاری تربیت کرتا ہوں' جب تم قضاءِ حاجت کے لئے جاؤ تو نہ قبلے کی طرف رُخ کرو اور نہ پیٹھ اور استنجاء میں دایاں ہاتھ استعمال کرو''۔

آپ ﷺ استنجاء میں پانی استعمال فرمایا کرتے تھے۔حضرات صحابۂ انصارؓ کے استنجاء میں پانی استعمال کرنے کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی کی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَتَطَهَّرُوا ج وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (التوبہ:۸)

''اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

ادب' ذوق اور پاکی کا تقاضا یہ ہے کہ راستوں' لوگوں کے عام گذرگاہوں میں

پیشاب نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ گندگی اور بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ خطرناک جراثیم پھیلنے کا بھی شدید خطرہ ہوتا ہے۔ پیشاب سے مکمل طور پر پاکی حاصل کرنے کی طرف بھی بچے کی توجہ مبذول کروائی جائے۔ حضور ﷺ نے پیشاب سے خود کو بچانے کی ترغیب اس فرمان سے دی ہے:

﴿ عامة عذاب القبر من البول' فاستنزهوا من البول ﴾
(دارِقطنی: ۱/۱۲۸)

''اکثر عذابِ قبر پیشاب سے خود کو نہ بچانے کی وجہ سے ہوتا ہے'
لہذا پیشاب سے خود کو بچاؤ''۔

تربیت کے اس زاویئے کی طرف مربی خوب توجہ دے۔ اہمال وستی سے ہرگز کام نہ لے۔ اس لئے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ گندگی اور روگردانی کی علامت ہے۔ اور غضبِ الٰہی' عذاب قبر اور عذاب جہنم کو دعوت دینے کا مترادف ہے۔ اسی مضمون کا ایک واقعہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دو قبروں کے پاس سے گذرتے ہوئے فرمایا: ''یہ دونوں قبر والے عذاب میں مبتلا ہیں۔ مگر کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے ایک کی عادت چغلی کرنے کی تھی بلکہ دوسرا پیشاب سے خود کو نہیں بچاتا تھا''۔

اس کے متعلق دوسرے آداب سے بھی بچے کو باخبر کرنا تربیت کرنے والے کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ بچے کو پانی کے اندر پیشاب کرنے سے منع کرے۔ اس لئے کہ محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿لا يبولنّ احدكم في الماء الدائم' ثم يتوضاء منه ﴾
(مسند احمد ج:۳۔ص:۴۹۲' بخاری مسلم)

''تم میں سے کوئی بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس
سے وضو کرے''۔

دوسری جگہ بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے:

''ٹھیرے ہوئے پانی کے اندر پیشاب ہرگز نہ کریں''۔

استنجاء کا طریقہ بھی بچے کو بتادے تاکہ وہ اسلامی آداب سے بہرہ ور ہوکر ناپاکی وگندگی سے خود کو بچا کر ایک پاکیزہ انسان بن سکے۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کی دعا بچے کو یاد کرائی جائے جسے رسول اللہ ﷺ دخول بیت الخلاء کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ وہ یہ ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ﴾

(مسند احمد ج:۳ ص:۹۹)

''اے میرے اللہ میں خود کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں خبیث جن و شیاطین کے ضرر سے''۔

یہ دعا اللہ تعالیٰ سے ان خبیث شیاطین سے بچاؤ کی التجاء ہے جو ان مواقع پر اپنے غلط اثرات چھوڑنے کی ازحد کوشش کرتے ہیں۔

اسی طرح بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا بھی یاد کرادے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: وہ فرماتی ہیں: کہ آپ ﷺ جب قضاءِ حاجت سے فارغ ہوتے تو ''غُفْرَانَكَ'' فرماتے۔ چنانچہ باپ یا مربی کو چاہئے کہ بیت الخلاء میں داخل اور خارج ہونے کی دعا سکھلانے کے بعد بار بار اس سے پوچھتا بھی رہے کہ بیٹے! بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا کیا ہے؟ اور نکلنے کی کیا دعا ہے؟ تاکہ اس عمل سے بچہ اس پر عادی ہوجائیگا مربی ادب کے اس زاوئے سے ہرگز غفلت نہ برتے۔ بلکہ انتہائی اہتمام کے ساتھ اس کی تربیت کرتا رہے۔ تاکہ بچے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ کے صاف وپاک محبوب بندے بن جائیں۔

مربی کے ذمہ لازم ہے کہ وہ بچہ کی خاص نگرانی کرے۔ اگر کہیں اس سے غفلت ہو یا صفائی وپاکی کا خیال نہ رکھے نصیحت و نرمی کے ساتھ صفائی نہ کرنے کے نقصانات اور صفائی وپاکی کے فوائد سے اسے روشناس کرائے۔ اور اس کو سمجھادے کہ طہارت اور ازالۂ نجاست ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ اس میں سستی باعث جہنم اور اس پر

کار بند ہونا جنت کی عظیم نعمت سے بہرہ ور ہونے کا سبب ہے۔ اس لئے کہ بلوغ کے بعد بہت ساری عبادات کی صحت کا مدار پاکی وطہارت پر موقوف ہے۔ اس لئے کہ وہ عبادت طہارت کاملہ کے بغیر نہ صحیح ہوتی ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول۔

مربی اس زاوئے میں سوچے کہ بچہ بلوغ کی عمر کی طرف رواں دواں ہے۔ اگر بچپن کی اس عمر میں صفائی و پاکی کی عادت نہ پڑے یا اس میں سستی سے کام لینے کی عادت ہو تو بالغ ہونے کے بعد صحیح طور پر اس پر کاربند ہونا مشکل ہوگا۔ جس کی وجہ سے وہ غفلت برتے گا جو شریعت کی نظر میں انتہائی قبیح اور ناپسندیدہ امر ہے۔ بلکہ اس پر سخت وعید آئی ہے۔
چنانچہ امام المرسلین کا فرمان ہے:

﴿ اکثر عذاب القبر من البول ﴾ (مسند احمد ج:٦ ص:١٠٠)
''اکثر عذاب قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے''

اس قسم کی احادیث مبارکہ بیان کرکر کے بچے کو متنبہ کیا جائے تا کہ اس پر عمل کر کے طہارت و پاکی کی عادت حسنہ سے مزین ہو کر صالح' کریم النفس اور قابل فخر انسان بن جائے اور عنفوان شباب سے ہی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے والا ہو جائے۔

۵۔ بچہ اور ماحول کی تربیت:

اسلام نے ایک مسلمان کی انفرادی' اجتماعی اور ماحولیاتی صفائی کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اور ہر اس جگہ کو گندگیوں سے پاک وصاف کرنے اور خوب پاک کرنے کی طرف بطور خاص دعوت دی ہے۔ جہاں لوگ آتے جاتے ہوں' اور ٹھہرتے ہوں یہ اس لئے کہ دین کی بنیاد ہی صفائی پر ہے۔ یقیناً طہارت دین کا حصہ ہے۔

قرآن کریم اور احادیثِ نبوی ﷺ میں نظافتِ عامہ کے متعلق جگہ جگہ دعوت دی گئی ہے۔ مثلاً بدن کی پاکی' کپڑوں کی صفائی' مکان اور راستوں وغیرہ کی طہارت وغیرہ۔ قرآن کریم میں تو صریح اور واضح الفاظ سے صفائی کی طرف دعوت دی گئی ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکی ضروری ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدہ:۶)

''کہ تم کو پاک وصاف رکھے اور یہ کہ تم پر انعام فرمادے تا کہ تم شکرادا کرو''

مکان اور ماحول کی صفائی کے متعلق احادیث میں جگہ جگہ ترغیبی الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿الاسلام نظیف فتنزھوا فانه لایدخل الجنة الانظیف﴾

(مجمع الزوائد ص:۱۳۲)

''اسلام پاک ہے تم بھی پاک رہو اس لئے کہ جنت میں پاک ہی داخل ہوسکتا ہے''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿انّ اللّٰہ طیب یحب الطیب' نظیف یحب النظافة' کریم یحب الکرم جواد یحب الجود' فنظفوا افنیتکم﴾

(ترمذی حدیث:۲۷۹۹)

''اللہ تعالیٰ پاک ہیں پاکی کو پسند کرتے ہیں' کریم ہیں کرامت کو محبوب رکھتے ہیں' سخی ہیں سخاوت کو پسند کرتے ہیں' تم اپنے ماحول کو صاف رکھو''۔

امام مناوی فرماتے ہیں: حضور پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے کبار صحابہؓ ظاہری و باطنی پاکی پر شدّت سے عمل کرتے تھے جسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی مکہ مکرمۃ تشریف لاتے تو مکہ کی گلیوں میں پھرتے اور فرماتے ''اپنے ماحول کو صاف رکھو''۔

مربی پر لازم ہے کہ صفائی کے منافی امور کو جن سے روکا گیا ہے بچے کے گوش

گذار کرے اور ماحول کی پاکی وصفائی کے متعلق احکامات کو واضح کرے۔ اور ماحول کی پاکی کی ابتداء مسجد' مکان' مدرسہ' سکول' راستہ' کام کرنے کے مقامات اور عام رہن سہن کی پاکی سے کرے' تاکہ اس سے ایک پاک وصاف معاشرہ بچے کے لئے میسر آسکے جس میں پروان چڑھ کر وہ سوسائٹی کا ایک اہم اور مفید حصہ بن سکے۔ لہذا بچے کو مسجد کی صفائی و احترام اس کی عظمت کے مطابق باخبر کرے اس لئے کہ مسجد زمین میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ دانش گاہ علم دین ہے' ہر نیکی وفضیلت کا مرکز ہے' اسی میں نیکی کی باتیں ہوتی ہیں' اور اسی سے یاد الٰہی بلند ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے مسجد کو گندگیوں' آلائشوں اور گرد وغبار سے پاک وصاف کرنا واجب ہے۔ اس کے متعلق بعض ان احادیث کو بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جن سے مسجد کی فضیلت مترشح ہوتی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے' کہ کوئی شخص مسجد میں مقیم تھا ایک دن اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ان کا تو انتقال ہوگیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی گئی؟۔ اس کی قبر مجھے دکھاؤ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی قبر پر تشریف لے گئے' اس پر بنفس نفیس نماز جنازہ پڑھی۔

لہذا ایک مربی کو ضروری ہے کہ وہ بچے کو مسجد کے احترام اور صفائی کی خوب ترغیب دے۔ مسجد کی عظمت بچے کے دل میں بٹھائے۔ اور اسے یہ سمجھائے کہ مسجد سے باہر جوتے اتار کر اس طرح اپنے ساتھ اندر نہ لے جائے کہ اس میں لگی گندگی یا گرد وغبار مسجد کے فرش پر گر جائے اور مسجد کو خراب کر دے۔ جس سے مسجد کا تقدس اور اس کی حرمت پامال ہوگی بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ جوتے اتار کر کسی شاپر یا عام تھیلی میں ڈالکر ساتھ لے جایا جائے اس طرح اہتمام کرنا بہت بہتر اور فضیلت کا باعث ہے۔ مسجد کی حرمت' اس کی عظمت اور پاکی کی اہمیت سے بچے کو بہرہ ور کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کی صفائی' گھر کے اندر سامان کی پاکی کی ضرورت سے بھی آگاہ کرے۔ تاکہ خوبصورتی انتہا درجہ کی ہو۔ اور بچے کو یہ بھی تعلیم دے کہ گندگیوں کو علیحدہ کوڑہ دان میں ڈالکر اس کی مخصوص جگہ ہی میں رکھے۔ کھلے راستے میں ڈالنے سے سخت اجتناب کرے۔ اس لئے کہ کھلی جگہ اور عام گذار

گاہ میں ڈالنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے بسا اوقات بد بو پھیلتی ہے' جراثیم کے بھی پیدا ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے خصوصاً گرمی کے زمانے میں۔

یہ کہ کر بھی بچے کے دل میں صفائی کی محبت وضرورت جاگزین کی جاسکتی ہے کہ پہلے زمانے میں مسلمانوں کے مکانات اور گھر ایسے صاف وشفاف اور ستھرے ہوا کرتے تھے کہ جہاں سے خوشبو پھوٹتی تھی' اور ان مکانات کے سامنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت باغات ہوا کرتے تھے۔ جن میں مختلف النوع درخت اور پھول اس کی خوبصورتی و جمال کو دوبالا کرتے۔

اس طرح بچپن کی ابتداء سے ہی گذرگاہوں اور راستوں کے حقوق اور صفائی وغیرہ کے متعلق تربیت دے۔ اس لئے عام امور کی نظافت و پاکی ترقی وکمال' طہارت و خوبصورتی میں زیادہ دلچسپی لینا نفاست کی دلیل اور دوسروں کے حقوق کی رعایت ہے۔ لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کے متعلق شریعت نے حوصلہ افزائی کی ہے اور ترغیب دی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے بھی اس عمل کی ترغیب دی اور اس کو ثواب قرار دیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿الایمان بضع و ستون شعبة اوبضع و سبعون شعبة فارفعها: لا اله الا اللّٰه و ادنها اماطة الاذی عن الطریق﴾

(مسند احمد ج:۲۔ص۴۱۴)

''ایمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں' یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں اعلیٰ ترین شعبہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا اقرار اور ادنی شعبہ راستے سے ضرر رساں چیز کو ہٹانا ہے''۔

آپ ﷺ نے تو راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیکر فرمایا ہے۔

﴿واماطة الاذی عن الطریق صدقة﴾

''راستے سے نقصان دہ چیز کو دور کرنا بھی صدقہ ہے''۔

صفائی و ستھرائی کے متعلق قرآن کریم اور ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی طرف بچے کی توجہ مبذول کرانا از حد ضروری ہے تا کہ بچہ اس سلسلے میں قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کر سکے حدیث شریف میں آیا ہے۔ایک مرتبہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی یا رسول اللہ ﷺ! ایسا عمل مجھے بتا دیجئے جس پر عمل کر کے میں فائدہ حاصل کرسکوں۔

تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اعزل الاذی عن طریق المسلمین ﴾ (مسلم:۲۶۱۸)

''مسلمانوں کی گذرگاہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادے''

اس طرح حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص ایک درخت کے پاس سے گذرا' جس کی شاخ راستے کی طرف لٹک رہی تھی تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ شخص مسلمانوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے اس شاخ کو ایک طرف کرتا تو ضرور جنت میں داخل کر دیا جاتا۔ (مسلم:۱۹۱۴)

راستے سے نقصان دہ چیزوں کو ہٹانے کی فضیلت سنانے کے ساتھ ساتھ راستے میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے عمل کے عذاب سے جس شکل میں بھی ہو ڈرائے۔ اور راستے کے حقوق اداء کرنے کے اسلامی حقوق سے بچے کو خوب روشناس کرائے۔ راستے کو خوبصورت رکھنا اور اس کو گندگیوں اور قاذورات سے صاف رکھنا' اس کے درختوں کی حفاظت کرنا اور ان کو بلاوجہ ضائع نہ کرنا' حقوق طریق میں شامل ہے۔ اس لئے کہ درخت راستے کی خوبصورتی اور دلکش منظر پیش کرنے کے باعث ہوتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے بھی اس خوبصورتی کو برقرار رکھنے اس کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔

جہاں بچے کو مسجد' گھر اور راستوں کو صاف ستھرا رکھنے کی تربیت دینی چاہیے وہاں مدرسے' سکول کو صاف ستھرا رکھنے کی بھی ترغیب دینے سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ اس لئے کہ نورِ علم وعرفان کا حصول مدرسہ ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی سے علماء' فقہا' ادباء' اور ماہر نکل کر معاشرے کا نہ صرف حصہ بلکہ مفید فرد اور ماہر ہیں۔ لہذا تربیت کرنے والے پر

لازم ہے کہ وہ بچے کو مدرسے کے سامان کی حفاظت' مدرسے کا تقدس' سکول کے ساتھیوں اور دوستوں کو تکلیف نہ پہنچانے' دوستوں کے ساتھ اخلاق و مروت کے ساتھ پیش آنے' ادب سے ہٹ کر کوئی کلام نہ کرنے کی تعلیم و تربیت پر زور دے۔ اور اعلیٰ پوزیشن حاصل کرنے کے لئے خوب دل کھول کر محنت کرنے کی بھی ترغیب دے' اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ تا کہ وہ محنت کر کے اپنے گھر والوں' اہل وطن اور تمام لوگوں کے لئے ایک نافع اور فائدہ بخش فرد بن جائے۔

❖ ❖ ❖

❖

فصلِ ششم

سونے کے متعلق تربیت:

نیند کو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا حصہ بنایا ہے۔ نیند کے بغیر انسان زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔ لہذا نیند کے متعلق تربیت بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

نیند کے کچھ آداب ہیں۔ لہٰذا تربیت کرنے والوں اور اہل خاندان پر ضروری ہے کہ وہ نیند کے متعلق حقوق و آداب کو قرآن و سنت کے مطابق بچے کے دل و دماغ پر جاگزیں کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رات کو سونے کے لئے اور دن کو طلبِ معاش کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہ دن اور رات اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کی نشانی اور انسانوں پر اس کی مہربانی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ (الروم:۲۳)

''اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا بیٹھنا ہے رات میں' اور دن میں اور اپنی روزی کو تمہیں تلاش کرنا ہے بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں''۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝﴾

''اور ہم نے تمہارے سونے کو راحت کی چیز بنایا اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم نے دن کو معاش کا وقت بنایا''۔

بچے کی صحت و تربیت اور سونے کے اوقات سے کماحقہ فائدہ حاصل کرنے اور

جسم کو راحت پہنچانے کی غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے سنت نبوی ﷺ کے مطابق تربیت کی طرف توجہ دینا مربی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ سونے کے متعلق سنتوں میں سب سے اہم سنت بچے کو جلدی سلانا ہے۔ انتہائی ضرورت یا کسی اہم کام کے بغیر عشاء کے بعد جاگنا اچھا نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کرنے اور جاگنے کو سخت منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد جاگنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

لہٰذا عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد جاگنا سخت مذموم ہے۔ تمام معاملات میں میانہ روی اختیار کرنا اور اعتدال سے کام لینا ہی بہتر ہے۔ خصوصاً سونے کے متعلق اس کا خیال رکھنا فائدے سے خالی نہیں۔ اس مقام پر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگوں پر عصر حاضر کی رنگین ثقافت و تہذیب غالب آ گئی ہے۔ جنہوں نے اپنی راتوں کو دنوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ چنانچہ ساری رات صبح تک جاگتے رہتے ہیں۔ پھر سارا دن عصر تک سوتے ہیں۔ پھر نیند سے بیدار ہو کر ایسے نکلتے ہیں جیسا کہ کام کر کے نکلے ہیں۔ ان کے چہرے پیلے پڑے ہوتے ہیں اور مزاج میں چڑ چڑا پن ہوتا ہے۔ اطباء اور ماہرینِ صحت پوری تحقیق کے بعد کہتے ہیں کہ رات کی نیند کے بہت سارے فائدے ہیں۔ دن کی نیند کے مقابلے میں رات کی نیند صحت و جسم کے لئے بے حد مفید ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ کوئی نئی تحقیق نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمارے نبی، محسن انسانیت ﷺ یہی بات کئی سو سال پہلے بتا چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مربی کے لئے لازم ہے کہ بچے کی تربیت کے سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کی پیروی کرے۔ اور نور نبوت کی روشنی سے مستفیض ہو۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کے فوراً بعد بچے کو سونے کی عادت ڈلوائی جائے کہ کھانا کھا کر ہضم کر کے سو جائے۔ جلدی سونے کے فوائد و فضائل سے بچے کو مطلع کرے۔ تربیت کرنے والے کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ بچے کو دن کے وقت سونے سے سختی سے منع کرے اس لئے کہ دن کے وقت سونا اس کو سست و کاہل بنا دے گا اور رات کو نیند نہیں آئے گی۔ دن کو سونے سے بچے کو سختی سے روکا جائے۔ اس لئے کہ دن کے وقت سونا انسان کو

سخت سست و کاہل بنا دیتا ہے۔ خاص طور پر فجر کی نماز کے بعد سونا۔ بعض علماء و فقہاء فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے اپنے بچوں کو سونے سے سختی سے منع کیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ وقت انتہائی بابرکت ہے۔ اس وقت کی برکت کے لئے حضور پُر نور ﷺ کی یہ دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا﴾

(سنن دارمی ج:۲۔ص:۲۱۴)

''اے اللہ میری امت کی صبح کے وقت میں برکت ڈال دے''

چنانچہ فجر کے بعد سو جانے سے اس عظیم برکت سے محرومی ہوتی ہے۔

فجر کے فوراً بعد بچہ خالی الذہن ہوتا ہے۔ غور و فکر پر اچھی طرح قادر ہوتا ہے۔ لہذا تربیت کرنے والے پر ضروری ہے کہ اس بابرکت وقت میں بچے کو ذکر و تسبیح اور تلاوتِ قرآنِ کریم پر لگائے یہاں تک کہ طلوع آفتاب ہو جائے۔

مزید ترغیب و تشویق کے لئے آپ ﷺ کے فرمان بھی پڑھ کر سنائے آپ کا فرمان ہے:

﴿من صلى الغداة فى جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين' كانت له كأجر حجة و عمرة﴾ (ترمذی: باب الصلوٰۃ' حدیث:۸۵۶)

''جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور اپنی جگہ بیٹھ کر طلوع آفتاب تک اللہ کو یاد کرتا رہا۔ پھر طلوع کے بعد دو رکعتیں ادا کی تو اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا''

اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ (تـامة' تـامة) یعنی ''مکمل، مکمل'' بھی فرمایا: تو دیکھئے آپ ﷺ اس بابرکت وقت سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور ترغیب دے رہے ہیں۔

یہاں ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے جس سے ہر وقت مربی کو متنبہ رہنا چاہیے۔ جو مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ایک ادب ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوتے وقت بچوں کو علیحدہ علیحدہ بستروں پر سلانا۔ خاص طور پر بچے اور بچیوں کے معاملے میں خاص خیال رکھنا چاہیے۔

آپ ﷺ نے تربیت کرنے والوں اور بچوں کے سرپرستوں کو ان الفاظ میں حکم صادر فرمایا:

﴿مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین' واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر' وفرقو بینھم فی المضاجع﴾ (ابوداؤد۔ص:۴۹۵)

''بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز کا حکم دو' اور جب دس سال کے ہوجائیں (نماز نہ پڑھنے پر) مارو' اور ان کا بستر جدا جدا رکھو۔

آپ ﷺ کی مبارک سنت کے مطابق دائیں ہتھیلی کو دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر دائیں پہلو پر لیٹنے کی عادت ڈالی جائے۔ اور پیٹ کے بل سونے سے سختی سے منع کیا جائے۔ اس لئے کہ اس طرح سونے کو آپ ﷺ سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح لیٹنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے' سونے کے دوسرے آداب کی تربیت بھی کی جائے کہ سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کے بعد کی دعا یاد کرائی جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سونے سے پہلے آپ ﷺ فرماتے:

﴿اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ﴾

''اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ مرتا اور زندہ ہوتا ہوں''

اور اسی طرح نیند سے بیدار ہونے کے بعد فرماتے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرَ﴾

(ابوداؤد۔ص:۴۹۵)

''تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مرنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے''

مربی کو چاہیے کہ روزانہ ان دعاؤں کو پڑھنے کا خود بھی معمول بنائے اور بچے سے بھی روزانہ پڑھوائے تاکہ بار بار پڑھنے سے یہ دعائیں اس کو خوب اچھی طرح یاد ہوجائیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے ان دعاؤں کے علاوہ چند قرآنی سورتیں پڑھنے کی عادت بھی

ڈالے جنہیں سونے سے پہلے پڑھنے کا بڑا ثواب ہے اور سنت بھی ہے۔ مثلاً آیت الکرسی' سورۃ بقرہ کی آخری چند آیات اور معوذتین وغیرہ' البتہ ایسی دعائیں پڑھنے سے بچے کو روکے جو خلاف سنت اور جہلاء کے ہاں معروف ومشہور ہیں۔ اور ان کو مسنون دعاؤں میں شمار کرتے ہیں۔

یہ بھی بہتر ہے کہ بچے کو گھر میں اکیلا نہ چھوڑا جائے اور نہ ہی اکیلا سلایا جائے۔ آپ ﷺ نے تو بڑوں کو بھی گھر میں اکیلے سونے سے منع فرمایا ہے۔ چھوٹے تو بہر حال چھوٹے ہیں۔ انہیں تو بطریق اولیٰ اکیلا نہیں سلانا چاہیے۔ اس میں بڑا فائدہ ہے اس لئے کہ بچہ کے ساتھ گھر میں کوئی اور موجود ہو تو تنہائی محسوس نہیں کریگا۔ اور دل میں خوف زدہ بھی نہیں ہوگا۔

بچے کو سنتوں پر عمل کرنے کی عادت ڈالے۔ سونے سے پہلے وضوء کرنے کی ترغیب دے۔ طہارت کی حالت میں سونے کی خوبی بیان کرے۔ اس عظیم سنت پر عمل کرکے بچہ کی نشونما صفائی پر ہوگی اور وہ آئندہ بھی پاکی وصفائی اور یادالٰہی سے سرشار ہوکر نیند کی آغوش میں جائیگا اور عظیم اجر وثواب کا مستحق ٹھہریگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ آپ ﷺ نے سونے سے پہلے وضوء کرنے کا حکم ان الفاظ سے دیا ہے:

﴿اِذا اخذت مضجعك فتوضا وضوءك للصلوة﴾ (مسلم نمبر ۸۱۰)

"جب سونے کا ارادہ کرو تو نماز کے وضوء کی طرح وضوء کرلیا کرو"۔

اس طرح کی تربیت کرنے سے بچہ سنت کی محبت میں پروان چڑھیگا اور بعد میں ساری زندگی اسی پر گذاریگا جو انسان کے لئے انتہائی سعادت ونیک بختی ہے۔

﴿فصلِ ہفتم﴾

تربیتِ اولاد کے قرآنی پہلو:

یہ بات واضح و بے غبار ہے کہ بچہ بچپن ہی سے بہت سارے آداب سیکھتا ہے اور انہی آداب و معارف پر زندگی کے آخری لمحات تک کار بند رہتا ہے گویا اس کی زندگی ان ہی آداب و عادات پر استوار ہوسکتی ہے۔ ایک ہوشیار مربی کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اس عظیم وقت سے ہرگز غافل نہ ہو۔ بلکہ تعلیم و تربیت کے ان ایام میں قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق بچہ کی تربیت کرے کیونکہ انہی بچپن کے ایام میں ہی بچے کے اخلاق کی درستگی ہوسکتی ہے۔

حضرت علامہ ابن جوزیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: بچے کی تربیت بچپن ہی میں ممکن ہے۔ اگر بچپن کی میں بچے تربیت کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا تو بڑے ہوکر اس کی درستگی ممکن نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

ان الغصون اذا قومتها اعتدلت
ولا يلين اذا قومته الخشب

قد ينفع الادب الاحداث فی مهل
وليس ينفع فی ذی الشيبة الادب

تر لکڑی کو اگر سیدھا کرنا چاہو تو وہ سیدھی ہوسکتی ہے، اگر سوکھ جائے تو وہ مڑ ہی نہیں سکتی، بچپن مین اگر ادب سکھایا جائے تو فائدہ مند ہے، مگر بڑھاپے میں ادب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بچہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اپنے خیر خواہ اور مفید شخص اور نقصان دہ و ضرر رساں انسان کے درمیان تمیز نہیں کر پاتا۔ اور نہ ہی خیر و شر کے درمیان فرق کو سمجھتا ہے بلکہ اس پر عمل کرتا ہے جو اس کے دل میں آتا ہے۔ البتہ تربیت کرنے والے کی اطاعت میں اپنے

جذبات کو دباتا ہے۔اور اس کے ماتحت رہتا ہے۔مگر اس کی نگرانی حکمت سے بھرپور انداز سے نہ ہوئی تو بچہ انتہائی پریشانی کی حالت میں نشونما پاتا ہے اور اس کا اثر اس کی شخصیت پر بھی پڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بچے کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے تربیت کی طرف بھرپور توجہ مبذول کرانے اور زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق آداب مفیدہ سے اسے روشناس کرانے بلکہ ان تمام اداب کو اس کے نفس میں جاگزین کرنے کی طرف بچپن ہی میں توجہ دینا بہت ضروری ہے۔تاکہ بڑا ہو کر وہ معاشرے کی ایک عظیم فائدہ مند شخصیت بن سکے اور سوسائٹی کے فوائد ونقصان کو سمجھنے کی صلاحیت رکھ سکے۔

یہاں اور بھی بہت سارے آداب ہیں' انہیں بچے کے اندر جاگزین کرنا مربی پر لازمی ہے۔تاکہ وہ درست اور سیدھے طریقے پر چل سکے۔اور اپنے تمام امور کو بصیرت کے ساتھ انجام دے سکے۔انہی آداب میں سے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کر کے داخل ہونا بھی ہے جس کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔اسی میں مجلس کے آداب اس کے ضوابط وغیرہ بھی ہیں انہی آداب کو قرآن وسنت کی روشنی میں ہم آگے بیان کر رہے ہیں کہ ان کو کس طرح بچے کی عملی زندگی میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت کے آداب کے متعلق تربیت:

اسلام نے بچے کو ایسا مہمل نہیں چھوڑا کہ سوسائٹی اور معاشرے میں اس کا کوئی کردار نہ ہو اور کوئی ذمہ داری نہ ہو۔اور جوان ہوتے ہی فورا تمام ذمہ داریاں اس پر ڈالدی جائیں' نہیں ہرگز نہیں۔اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔بچپن سے لیکر عمر کے آخری لمحے تک انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔زندگی کے شروع سے لیکر آخر تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔اور انسان کی زندگی کو تمام حالات' تمام مراحل' تمام تعلقات اور روابط اور تمام حرکات وسکنات کو منظم کرتا ہے۔ذرا غور کریں کہ اسلام گھر میں داخل ہونے کے چھوٹے سے ادب کو کس طرح وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔حتی کہ بچوں کے بارے

میں بھی واضح حکم ہے کہ وہ کسی طرح معاشرے میں منظم زندگی کا حصہ بن سکیں۔
فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (النور:۵۸:۵۹)

''اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو پہنچے ہیں ان کو تین وقتوں میں اجازت نہیں نماز صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور جس وقت تم میں کہ وہ لڑکے سنِ بلوغ پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا ان سے اگلے لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے''۔

ذرا آیاتِ قرآنی میں غور کیجئے۔ گھر کے اندر داخل ہونے کے متعلق بڑوں اور بچوں کی کس طرح یکساں تربیت کی گئی ہے؟ بچے بالغ ہونے سے قبل اپنے ہی گھر کے اندر داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کے پابند ہیں۔ یعنی اپنے ماں' باپ' بہن بھائیوں وغیرہ کے کمروں میں داخلے کے وقت ان سے اجازت طلب کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: انسان اپنے والد' والدہ اگرچہ انتہائی بوڑھی کیوں نہ ہو' اپنے بہن بھائیوں اور اولاد وغیرہ کے گھروں میں داخل ہوتے وقت ان سے اجازت طلب کر کے داخل ہو' البتہ یہ اجازت طلب کرنا ان اوقات کے ساتھ مخصوص ہے جن میں عام طور پر کشفِ عورت ہوتا ہے۔ یعنی نیند سے بیداری کے وقت' سونے کے وقت' دن کو قیلولے کے وقت' لہٰذا مربی پر لازمی ہے کہ ان اوقات کے استیذ ان کے متعلق آداب کو بچے کے سامنے خوب وضاحت کے ساتھ بیان کرے۔ بیداری کے وقت یعنی نمازِ فجر سے پہلے کا وقت' جس میں عام طور پر لوگ نیند سے بیداری کے وقت سونے کے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ یا ان کپڑوں کو تبدیل کر رہے ہوتے ہیں۔ اور کپڑے تبدیل کر کے مسجد جانے کی تیاری ہوتی ہے۔ اور سوتے وقت بھی لوگ دن میں پہنے ہوئے کپڑے تبدیل کر کے سونے کے کپڑے پہنتے ہیں۔ بسا اوقات سونے کے یہ کپڑے انتہائی باریک اور تنگ بھی ہوتے ہیں جس کے اندر بدن نظر آتا ہوتا ہے۔ اسی طرح قیلولہ کے وقت میں بھی لوگ تھوڑے سے آرام کرنے کے لئے ہلکے پھلکے کپڑے پہنتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان تینوں اوقات کو (عورات) کے نام سے موسوم کیا ہے' اس لئے کہ ان اوقات میں پردے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا ان اوقات میں گھر میں داخل ہونے کے لئے بچے کے لئے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ تا کہ اس کی نظریں اپنے رشتے داروں کے پردے کے مقامات پر نہ پڑیں۔ شریعت کی نظر میں یہ ممنوع ہے اس لئے کہ یہ نفس اور طبیعت پر گراں گذرتا ہے۔ مگر سخت افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض تربیت کرنے والے ماں باپ' تربیت کے اس پہلو سے بالکل غافل رہتے ہیں اور ادب کے اس گوشے کو ہلکا سمجھتے ہیں۔ اس انفرادی' اجتماعی اور اخلاقی اقدار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ

بچے بلوغ سے پہلے ان مناظر سے ناواقف ہوتے ہیں حالانکہ والدین یہ جانتے بھی ہیں کہ ان کے بعض اسباق جنسیات کے متعلق بھی ہوتے ہیں۔ بچپن میں بعض دیکھے ہوئے مناظر ل و دماغ کے اندر دور تک اثرات چھوڑتے ہیں۔ جو ساری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان کو ایسا نفسیاتی اور ذہنی مریض بنا دیتے ہیں جس کا علاج بھی ممکن نہ ہو۔

اس معاملے میں جدید دور کے بعض ماہرینِ نفسیات خود کو ان آداب و تربیت کا موجد سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم و سنت نبوی ﷺ نے کئی سو سال پہلے تربیت کے اس پہلو کے متعلق آداب و حقوق سے امت کو روشناس کرا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان آداب کے ساتھ اپنے تمام بندوں کی عموماً اور بچوں کی خصوصاً تربیت فرماتے ہیں تاکہ یہ بچے کل کو پاک و صاف دل والے اور درست خیال کے حامل بن سکیں اور نشو نما کے شروع ہی سے بدن کے ان حصوں پر ان کی نظر نہ پڑے جن کو چھپانا ضروری ہے۔ اور بڑوں کی طرح گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت کے ساتھ داخل ہونے کی اچھی عادت پر بچپن سے عمل کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نفوس کی اصلاح اور اس کی ضروریات کو جاننے والے ہیں۔

اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں داخل ہوتے وقت بچے کو السلام علیکم کہہ کر داخل ہونے کی نصیحت کی جائے۔ اس لئے کہ ان اوقات کے علاوہ اپنے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونا اس کے لئے جائز ہے۔ اور السلام علیکم کہنے میں برکت اور بھلائی ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بیٹے! اگر اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو۔ جو تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے باعث برکت ہوگا''۔ (ترمذی حدیث: ۲۶۹۸)

اس کے علاوہ سلام کرنے میں مزید احتیاط بھی ہے' اور اپنے آنے کی اطلاع بھی' فرمان الٰہی اور حکم نبوی ﷺ کا امتثال بھی۔ حیا کی بیج کو بچے کے دل و دماغ کی سرزمین میں کاشت کرے جو ہر بھلائی کی جڑ ہے ہر خیر کی کنجی ہے' حیا تو سراپا خیر ہی خیر ہے۔ اگر بچہ حیا پر نشو و نما پائے اور اس عظیم صفت کے ساتھ پروان چڑھے تو انتہائی عظیم و

بابرکت شخصیت بن کر اُبھرے گا۔

مجلس اور میزبانی کے آداب کے متعلق تربیت:

بچے کو جس طرح طلبِ اجازت کے آداب سے مزین کرنا اہمیت کا حامل ہے اسی طرح آدابِ مجلس اور مہمانوں کا بہترین استقبال بھی بچے کی روزمرہ زندگی کے اہم امور میں شامل ہے۔ اس لئے کہ آدابِ مجلس بچے کے یومیہ پسندیدہ امور میں شامل ہیں۔ تربیت کرنے والا اپنے بچے کو اگر مجلس کے آداب و اخلاقیات سے خوب باخبر کردے اور اس کی تربیت کا بطور خاص اہتمام کرے تو بچہ ان تمام صفات سے متصف اور مجلس کے آداب کے اعلیٰ اقدار سے مزین ہوکر پروان چڑھے گا اور جوان ہوکر لوگوں کے ساتھ میل جول' تعلقات' معاشرت و معاملات بہترین انداز سے نبھا سکے گا۔ مجلس کے آداب میں سے سب سے اہم ترین ادب جو مربی پر اپنے بچے کو سکھانا لازمی ہے وہ مجلس کو سلام کرنا ہے۔

اس لئے کہ اسلام میں سلام کی بڑی اہمیت ہے یہ خیر کی علامت اور شرافت کی نشانی ہے۔ یہ دلوں کو جوڑنے کا سبب اور نفوس کی صفائی کا باعث اور محبت والفت کو بڑھانے میں مدو معاون ہے۔ قرآن کریم میں سلام کا جواب بہتر سے بہتر طریقے سے دینے کا ہمیں حکم ملتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء:۸۶)

''اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کردیا ویسے ہی الفاظ کہدو''۔

اگر ایک مسلمان کی طرف سے سلام کا القاء ہو تو سننے والے پر اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اس لئے کہ سلام کرنا تو سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ لہٰذا تربیت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ بچے کو اس مبارک سنت کو اپنانے کی تربیت دے۔ اور اپنی بساط کے مطابق اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہے۔ جب کسی بڑے کے سامنے آئے تو بچے کو سلام کرنے کا حکم دے۔ اسی طرح بیٹھے ہوئے لوگوں یا کسی مجمع پر گذرے تب بھی

سلام کرنے کو کہدے اور خود بھی سلام کا اسی طرح معمول بنائے۔اور بچے کے لئے خود ایک اعلیٰ نمونہ بن جائے۔اور سلام کی اہمیت کو بچے کے دل میں مزید مستحکم کرنے کے لئے اس میدان میں آپ ﷺ کا اندازِ تربیت جو آپ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کرتے ہوئے اختیار فرمایا تھا بیان کرے۔اور آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک جس میں سلام کرنے کے آداب واصول بیان فرمائے گئے ہیں بیان کرے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿یسلم الصغیر علی الکبیر‘ والمار علی القاعد‘ والقلیل علی الکثیر﴾ ۔ (بخاری باب الاستبدال)

''چھوٹا بڑے کو سلام کرے‘ گذرنے والا بیٹھنے والے کو السلام علیکم کہے‘ کم تعداد والے لوگ اکثر کو سلام کریں''۔

مربی بچے کو سلام کرنے کے متعلق ترغیب دیتا رہے اور سلام کی فضیلت واہمیت سناتا رہے۔اور اس کو یہ بھی بتاتا رہے کہ افشاءِ سلام جنت میں داخل ہونے کا آسان ترین ذریعہ ہے۔اور اللہ رب العزت کے ہاں عظیم ثواب کا باعث ہے۔

سلام کی عظیم سنت کی عادت ڈالنے کے ساتھ ساتھ بہترین میزبانی اور مہمان کے خوبصورت استقبال کی طرف بھی بچے کے ذہن کو مبذول کرانے میں ہرگز کوئی کسر نہ چھوڑے۔آداب میزبانی کی تربیت انتہائی ضروری ہے۔اس لئے کہ مہمانی اور میزبانی کرنا بچے کی روزمرہ زندگی کا ایسا حصہ ہیں جس کا مشاہدہ وہ اپنے گھر‘ رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں روزانہ کرتا رہتا ہے۔اسی وجہ سے مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو خاص کر بڑے بچوں کو مہمان کا استقبال کرنے‘ ان سے ملاقات کرنے‘ ان سے بات چیت کے انداز کی کیفیت اور آداب سے خوب بہرہ ور کرے۔اور اس سلسلے میں آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک بھی اس کو ذہن نشین کرائے جو صحیح بخاری باب الادب میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ﴾

''جس شخص کا اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے''۔

مہمان کی عزت و احترام کی اہمیت کو بچے کے دل میں مزید بٹھانے کے لئے حضرات انبیاء کرام کے مہمانوں کے ساتھ برتاؤ کو بھی بیان کرے۔ خصوصاً نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کا اندازِ میزبانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مہمانوں کے ساتھ اکرام واحترام کا برتاؤ بطور خاص بچوں کے دماغ میں ڈالے۔ اور اس معاملہ میں حضرات صحابہ کرام کے اندازِ میزبانی خصوصا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام کے مہمانوں کے ساتھ اکرام کے عظیم واقعات سے بھی بچے کے دل و دماغ کو وسیع کرے۔ ان واقعات سے بچے کے قلب ونظر میں سخاوت وشرافت کا بیج بویا جاسکتا ہے جو بعد میں ایک مضبوط تن آور درخت کی صورت میں مثمر ہوگا۔

اس معاملے میں بچے کی خود نگرانی کرے اور کسی جگہ سستی یا کجی محسوس ہو تو اچھے انداز سے اس کجی اور بے ادبی کے عنصر کو ہمیشہ کے لئے زائل کرنے کی تدبیر کرے اور تنبیہ کرے۔ اور اگر بچہ اس معاملے میں بہترین طریقے اپنائے تو اسے شاباش دینے میں بخل نہ کرے بلکہ اس کی خوب حوصلہ افزائی کرے۔

اس لئے کہ اس انداز تربیت سے بچہ معاشرے میں اور لوگوں سے ملنے جلنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے میں ایک کامیاب فرد بن کر اُبھرے گا۔ اور لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے اور بات چیت میں جرأت دکھانے کی اس میں قدرت ہوگی اسے کسی اجنبی شخص سے ملکر بات چیت میں پریشانی نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ کسی مہمان سے ملتے وقت شرمائے گا۔

مہمان کے احترام کو بچے کے دل و دماغ میں بٹھانے کے لئے اس سے مہمان کی مناسب خدمت کرائی جائے۔ مثلا بچے کے ذریعے مہمان کے سامنے مشروبات یا اور کوئی چیز خوش آمدید (ویلکم) کرتے ہوئے پیش کرے اور بچے کو یہ دل نشین کرائے کہ مہمان کے ساتھ ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملنا بھی بہترین اخلاق کی علامت ہے۔ حضور پرنور ﷺ خود بنفس نفیس مہمان کے اکرام کے لئے بسا اوقات کھڑے ہوجاتے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اپنے مہمانوں کے اکرام کے لئے

کمر بستہ ہو جاتے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

مربی بچے کو آدابِ مجلس کی عادت ڈالے کہ جب بڑے بول رہے ہوں تو خاموش رہے۔ جب تک بولنے کا حکم نہ ہو نہ بولے۔ اور نہ ہی کسی کے کلام کو قطع کرے بلکہ خاموشی کے ساتھ بڑوں کی باتوں کو غور سے سنتا رہے۔ یہی صفت حضرات صحابہ کرامؓ کے بچوں کی تھی جب وہ بڑوں کی مجلس میں آتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل فرمایا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں فرمایا: ''مجھے ایسا درخت بتاؤ جو مسلمانوں کی مثل ہے، ہر وقت پھل دیتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑتے؟'' تو میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے لیکن میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی موجودگی میں بتانا پسند نہیں کیا۔ (بخاری باب الاسلام)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس واقعے سے چھوٹے بچوں کے لئے بڑوں کی مجالس میں بیٹھنے کا عظیم ادب ثابت ہوتا ہے۔ اس ادب سے بچے کو باخبر رکھنا مربی کی ذمہ داری ہے اور اس ادب کو اپنانے کی بار بار تنبیہ بھی کرتا رہے۔ اور بچے کو یہ بھی تعلیم دے کہ وہ مجلس میں بسیار گوئی نہ کرے اور نہ ہی فضول گوئی میں مبتلا ہو۔ اس لئے کہ یہ حیا کی کمی کی نشانی ہے۔

مجلس کے آداب میں سے چھینکنے اور جمائی لینے کی تربیت بھی شامل ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا طریقۂ مبارکہ بتائے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو چھینک آتی تو آپؐ اپنے دست مبارک یا کسی کپڑے کو چہرہ انور پر رکھ کر چھینک کی آواز دبانے کی کوشش فرماتے۔ (ترمذی باب الادب۔ حدیث: ۲۷۴۵)

جمائی لینا ناپسندیدہ عمل ہے، اور بچے کو باور کرائے کہ اسلام مسلمانوں کی بہترین تربیت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔ فرمان رسول ہے: ''جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے، اگر تمہیں جمائی آئے تو حسب طاقت اس کو دباؤ'' (مسلم: کتاب الزہد والرقاق: ۲۲۹۲)

یہ بات مشہور ہے کہ جمائی سستی اور کاہلی اور ڈھیلا پن کا نتیجہ ہے۔ برخلاف

چھینک کے کہ وہ نشاط اور چستی کی علامت ہے۔ تو مربی کو چاہیے ان امور کے متعلق ہرگز سستی نہ کرے۔ بلکہ ان آداب سے بچے کو مزین کرنے کے لئے بار بار تنبیہ کرتا رہے اور اس کو بتاتا رہے کہ جمائی شیطان کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور شیطان اس وقت انسان پر ہنستا بھی ہے جب وہ جمائی لیتے وقت اپنے منہ کو نہ ڈھانپے۔ جمائی سے نفرت دلانے کے لئے جمائی کے وقت آئینے کو بھی اس کے سامنے لایا جا سکتا ہے تا کہ اس وقت وہ اپنے منہ کو دیکھے اور اس معیوب انداز سے متنفر ہو۔

بچے کے عام آداب کے متعلق امام غزالی کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' سے ادب کا باب پڑھ کر سنایا جا سکتا ہے۔ جو بچے کی تربیت میں اس کا بہترین ممد و معاون ثابت ہوگا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بچے کو تعلیم دو کہ وہ مجلس میں نہ تھوکے، نہ ہی مجلس میں ناک صاف کرے، نہ ہی دوسروں کے سامنے جمائی لے اور دوسروں کی طرف پیٹھ بھی نہ کرے، اور بیٹھتے وقت ٹانک پر ٹانگ رکھ نہ بیٹھے۔ اور نہ ہتھیلی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر بیٹھے اور نہ سر کو بازو پر رکھے۔ اس لئے کہ یہ سب عادات سستی و کاہلی کی دلیل ہیں۔ بچے کو مجلس میں بیٹھنے کے آداب سے بھی مطلع کرے، لغو و فضول گوئی سے منع کرے۔

اخلاقی تربیت کے یہ طریقے جنہیں امام غزالیؒ نے بیان فرمایا ہے مربی کے لئے بچے کی تربیت کے سلسلے میں بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ تربیت کرنے والا اپنے بچے کو تربیت کے ان عظیم اصولوں کے مطابق تربیت دے اور اگر بچے کی نشو نما اس کے مطابق ہو جائے تو وہ نہ صرف ایک پاکیزہ با آدب شخصیت کا مالک ہوگا بلکہ دوسرے بچوں کے لئے ایک بہترین نمونہ بھی ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی مجلس کے بہت سارے آداب ہیں مگر ان سب کو اس جگہ بیان نہیں کر سکتے۔ البتہ چند ایک اشارۃً ذکر کر دیئے ہیں تا کہ تربیت کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔

مجلس کے آداب میں سے ایک ادب مجلس کے اندر توسع پیدا کرنا بھی ہے نیز میزبان کا شکریہ ادا کرنا اور اس کے لئے دعا کرنا بھی آداب مجلس میں داخل ہے۔

بچے کی حیاء کی تربیت:

جن جن آداب کی تعلیم وتربیت بچوں کو دی جاتی ہے ان میں سب سے عظیم اور اہم حیاء کی تربیت ہے۔ اس لئے کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔ کیا حیاء کے علاوہ اور کوئی عظیم اور خوبصورت زیور ہوسکتا ہے؟۔

پہلے علماء اور ادباء بچے کے عظیم بننے کی پیش گوئی اس میں موجود شرم وحیاء کو دیکھ کر ہی کرتے تھے کہ بڑوں کے ادب اور بڑوں سے بات چیت کرتے وقت آنکھوں میں آنکھ ڈال کر نہیں کرتا بلکہ سر جھکا کر کلام کرتا ہے۔ مربی کو چاہئے کہ شرم وحیاء کو طبیعت و اخلاق کا حصہ بنانے کے لئے بھرپور کوشش صرف کرے اور بچے میں موجود حیاء کی مدد سے اس کو آداب کے زیور سے آراستہ کرے۔ اسی بنا پر بعض دانا لوگوں کا کہنا ہے ''بچے میں حیاء ہونا اس کے عقل مند ہونے کی نشانی ہے''۔

زیورِ حیاء سے آراستہ بچے ہی اچھی باتوں سے فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ اور اپنے متعلق بزرگوں کی نصائح سے بھرپور مستفید ہوسکتے ہیں۔ خاص طور پر اگر کسی غلط کام کا ارتکاب کریں تو جلدی شرمندہ ہوکر اس غلط کام چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس کام کو کرنے سے پشیمان بھی ہوتے ہیں۔ اور جو بچے حیاء کی عظیم نعمت سے محروم ہیں ان کو بے حیائی کے سمندر سے حیاء کے ساحل تک لانے کے لئے تربیت کنندہ گان کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس معاملے میں وہ عقل سے کام نہ لیں تو معاملہ انتہائی خطرناک رخ اختیار کر جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے حیاء اور اہل حیاء کی بڑی تعریف کی ہے اور حیاء کی تعلیم دینے والے کی بھی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے: آپ ﷺ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو اپنے بھائی کو حیاء کے متعلق وعظ ونصیحت کررہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿دعه فان الحیاء من الایمان﴾ (بخاری باب الایمان۔ ج:۱ص۱۲)

''اسے چھوڑ دو' حیاء تو ایمان کا حصہ ہے''۔

اور حیاء کی یوں بھی تعریف فرمائی ہے:

﴿لکل دین خلق و خلق الاسلام الحیاء﴾

(مؤطاء امام مالک حدیث: ۱۶۳۵)

''ہر دین کا ایک مزاج ہوتا ہے اسلام کا مزاج حیاء ہے''

مربی بچے کو یہ ذہن نشین کرائے کہ حیاء کے زیور سے آراستہ اور باحیاء لوگوں کے اخلاق سے پیراستہ ہونا پسندیدہ عمل ہے۔ جیسا کہ شرم وحیاء سے بے بہرہ ہونا ایک قبیح فعل ہے۔ علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: جس کے اندر حیاء نہ ہو اس کے پاس ظاہری گوشت پوست کے سواء انسانیت کی کوئی رمق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے بھلائی کی کوئی امید کی جاسکتی ہے۔ اگر حیاء کی صفت انسان کے اندر نہ ہوتی نہ مہمان کا احترام ہوتا نہ ہی کسی کا وعدہ پورا ہوتا' نہ امانتیں ادا کی جاتیں۔ نہ ہی پردے کا خیال رہتا اور نہ ہی برائی و فحاشی سے روکا جاتا۔ اس لئے حیاء تمام مکارم اخلاق کی جڑ ہے۔ صاحبِ حیاء ہی عظیم فضائل وشرف کا حامل ہے۔

حیاء انسان کو رذائل اور برائیوں کو چھوڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ خطاء وگناہ کرتے وقت انسان اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے شرم سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔ مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کو ہمیشہ ادب وحیاء پر برقرار رکھنے کے لئے ہر وقت اس کی نگرانی کرتا رہے' کہ کہیں حیاء کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اگر کہیں بچے کے کسی ساتھی نے اس کو گالی دی' تو گالی کے ساتھ جواب نہ دے بلکہ بچے کو سمجھایا جائے کہ وہ باادب اور باحیاء ہے' گالی دینا تو بے ادب اور بے حیاء لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اور نہ ہی کسی سے بدزبانی کرے اس لئے کہ بدزبانی اور فحش گوئی شرم وحیاء کے کمی منافی ہے اور حیاء کے متعلق آپ ﷺ کے فرامینِ مبارکہ بھی یاد دلاتا رہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿الحیاء لایاتی الاخیرا﴾ (بخاری ومسلم)

''حیاء کا نتیجہ بھلائی ہی بھلائی ہے''۔

﴿اذلم تستحی فاصنع ماشئت﴾ (بخاری)

''اگر تم میں حیاء نہ ہو جو جی میں آئے کر گزرو''

مربی بچے کو یہ بھی بتائے کہ حیاء اجتماعی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ حیاء اگر نہ ہو تو بیٹا باپ کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی شاگرد استاذ کی بات مانے گا اور نہ ہی کسی صاحب فضل کی عزت ہوگی۔ اگر انسان حیاء کے لباس سے عاری ہو جائے تو وہ آہستہ آہستہ رذائل کی ظلمت کی طرف بڑھتا رہیگا۔ اور جب تک حیاء پر برقرار رہیگا خیر کی زندگی گذاریگا۔ اور اگر گناہ میں ملوث بھی ہو جائے تو حیاء کی وجہ سے واپس آنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور حیاء کے متعلق سید الاولین والآخرین ﷺ کی سیرت مبارکہ سے بھی بچے کے دل دماغ کو جلاء بخشے۔ اس کو بتائے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ نرم اخلاق کے مالک تھے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ'' پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے کہیں زیادہ باحیاء تھے' اور اگر آپ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم آپ کے چہرہ انور سے ہی اندازہ لگاتے''۔ (مسلم)

بچے کو یہ بھی سمجھایا جائے کہ حیاء کے مختلف مواقع ہیں۔ لہذا کلام اور بات چیت کے وقت کا حیاء یہ ہے کہ بولتے وقت اپنی زبان کو فحش گوئی سے پاک رکھے۔ کسی پر عیب لگانے سے زبان کی حفاظت کرے اس لئے کہ بدزبانی و فحش گوئی بے ادبی ہے۔

حیاء بھلائی کی روح ہے' اور ہر عمل کے بہتر سے بہتر ہونے کا اصل سبب ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''فحش جس چیز میں بھی ہو اس کو عیب دار بنا دیتا ہے' اور حیاء جس چیز میں بھی ہو اس کو خوبصورت اور مزین کر دیتا ہے''۔ (ترمذی)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''اگر حیاء انسانی صورت میں آتا تو نیک و صالح شخص کی صورت میں ہوتا اور فحش بدکار آدمی کی صورت میں ہوتا''۔

یہ بھی بچے کے دماغ میں لایا جائے کہ حق والوں کے حقوق کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرنا بھی حیاء کے تحت داخل ہے' چنانچہ بچوں کا اپنے بڑوں' شاگرد کا اپنے اساتذہ اور تربیت کنندہ گان کے حقوق' ان کے درجات کے مطابق ادا کرنا بھی حیاء کا حصہ ہے۔ اسی طرح اس کو یہ بھی بتائے کہ حیاء کرنا بزدلی نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجے کی شجاعت

ہے' اس لئے ایک باحیاء اور عقلمند انسان اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے سامنے منظّم اور مضبوط طریقے پر چلتا ہے' چنانچہ جب بات کرتا ہے بہتر انداز سے' تصرف کرتا ہے بالغ نظری وامانت و دیانت کے ساتھ۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ حیاء کے ساتھ ایک عظیم اور بھلائیوں سے بھر پور زندگی گزارتا ہے۔

وقت کی اہمت کے متعلق تربیت:

وقت اور فراغت سے کماحقہ فائدہ حاصل نہ کیا جائے تو انجام خطرناک ہوسکتا ہے۔ خاص کر بچہ جب تضیع اوقات کی عادت کے ساتھ نشونما پائے اور وقت سے کام نہ لینے کے ساتھ پروان چڑھے تو معاملہ اور بھی گھمبیر ہوسکتا ہے۔ فراغت کے بطن سے بہت ساری آفات جنم لیتی ہیں۔ اور بے کاری کے گود سے ہزاروں قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا اگر عمل اور وقت سے کام لینا زندہ اور زندگی کی علامت ہے تو بے کاری مترادف موت ہے۔ اور بے کار لوگ مُردوں کے مانند ہیں' وقت کو ضائع کرنے والے لوگوں کا انجام انتہائی ہلاکت اور ناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے کار وقت ضائع کرنے کے لئے نہیں پیدا فرمایا ہے۔ بلکہ دونوں جہانوں کی کامیابی کے لئے وقت سے کام لینے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے کہ قیامت کے دن انسان کی عمر کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا کہ عمر کو کس مصرف میں خرچ کیا؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے کار تو پیدا نہیں کیا۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴾
(المؤمنون: ۱۱۵)

''ہاں تو تب تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل پیدا کر دیا اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے''۔

وقت کو کارآمد بنانے کے متعلق حضرت امام شافعیؒ کا یہ قول انتہائی اہم ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

﴿اذا لم تشغل نفسك بالحق شغلتك بالباطل﴾

''یعنی اگر تم اپنے نفس کو حق اور درست کام میں نہیں لگاؤ گے تو وہ تمہیں باطل اور بے کاری میں لگا دے گا''۔

یہ بات بالکل درست ہے' اس لئے کہ نفس خود تو راہِ راست پر نہیں چل سکتا۔ لہذا اگر نفس کو صحیح کاموں اور بھلائی کے منصوبوں پر نہ لگایا گیا تو نفس کے بے راہ افکار ایک مقام پر ٹھہرنے والے نہیں ہیں' بلکہ اس کو ہلاکت اور فضولیات کے سمندر میں ڈال کر رہیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ بے کاری و تضییعِ اوقات مشکلات میں ڈالنے کا بڑا سبب ہے بلکہ اخلاقی بے راہ روی' راہِ راست سے کج روی کی طرف لے جانے کا باعث ہے۔

ماہرینِ تربیت کے ہاں معروف ہے کہ اگر بچے کو فراغت زیادہ میسر ہو تو اس کے افکار و خیالات اس طرح خراب ہو جاتے ہیں کہ پھر کام میں مشغول ہو کر بھی ان سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کو تو کیا؟ کسی بڑے کو بھی فراغت و بے کاری میسر ہو تو پریشانی کے شیاطین اس پر حملہ آور ہونے میں دیر نہیں لگاتے۔ تو اس حالت میں تربیت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ بچے کو کسی ایسے کام میں مشغول کرے جو اس کے پورے وقت کو مصروف کر دے اور غلط خیالات و افکار کو اس کے ذہن سے نکال پھینک دے۔ ''ڈیل کارنیجی'' کا کہنا ہے: جب ہم کسی کام میں مگن ہوتے ہیں تو کسی ذہنی پریشانی کا تصور تک نہیں ہوتا' اور جب فارغ ہوتے ہیں تو ذہنی خیالات کے اعتبار سے خطرناک ترین لمحات میں ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے اگر بچہ سارا وقت بے کار گذارتا ہے اور تربیت کرنے والے اس کے ذہنی خیالات کی نگرانی بھی نہ کرتے ہوں تو بلاشبہ وہ بچہ شکوک و شبہات اور وساوس و افکار کی زنجیر میں بری طرح جکڑ جاتا ہے جو ساری زندگی پریشان رہتا ہے اسی وجہ سے مربی پر لازم ہے کہ وہ فراغت کے اوہام و افکار سے بچے کی بھرپور حفاظت کرے' اور

وقت کی اہمیت اور قدر کو اس کے دل و دماغ میں بٹھانے کی ہر ممکن کوشش کرے چنانچہ روزمرہ امور میں مصروف رکھنے کے ساتھ ساتھ ذہنی و بدنی تفریح کے لئے مناسب سامان بھی مہیا کرے۔ اور نفس کی شرارتوں سے بچے کو محفوظ کرنے کی بھی حتی الوسع کوشش کرے شاید اس موقع پر کوئی اچھا پروگرام زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے کہ پورے وقت کاموں میں مصروف ہو تو فراغت و بیکاری کے غلط اثرات سے حفاظت ہوسکتی ہے۔ قدیم دانایانِ عرب بھی تضیع وقت اور فراغت کو آفت اور ذریعہ فساد قرار دیتے ہیں' چنانچہ زہیر بن ابی سلمی کا کہنا ہے:

ان الشباب والفراغ والجده ❖ مفسدة للمرء ایّ مفسدة

جوانی اور فراغت سے بڑھ کر بھی کوئی مفسدہ ہے؟

فراغ و بے کاری ہزاروں نقصانات کا باعث ہے اور بے شمار کفایات و مواہب کو برباد کردیتا ہے' اور فوائد و ضروریات کو وقت کی بے وقعتی کے پسِ پردہ ایسا چھپا دیتا ہے جیسا سونے اور لوہے کے خزانے مجہول کانوں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں وقت کی یہ بے قدری' اجتماعی' نفسیاتی اور فکری مصائب کے ساتھ دوچار کردیتی ہے۔

سیدنا حضرت عمرؓ کے بارے مروی ہے: وہ فرمایا کرتے تھے ''اگر میں کسی شخص سے ملاقات کروں اور وہ مجھے اچھا لگے تو ان سے پوچھتا ہوں اس کا کوئی مشغلہ بھی ہے؟ اگر مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ بے کار ہے تو وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ حرفت والے مؤمنین سے محبت کرتا ہے''

اصل میں بات یہ ہے۔ وقت مسلمان کی زندگی کا سب کچھ ہے' وقت ہی اس کا اصل سرمایہ ہے جس کی دنیا و آخرت دونوں میں ضرورت پڑتی ہے' اس کی تمام متاع میں سب سے قیمتی ترین چیز وقت ہی ہے۔ حیات بھی وقت کا نام ہے اور وقت منٹوں اور سیکنڈوں کا نام ہے' جیسا کہ شوقی کا قول ہے:

دقات قلب المرء قائلة له ❖ ان الحیاة دقائق وثوان

''انسان کے دل کی دھڑکن اسے بتارہی ہیں کہ زندگی منٹوں اور
سیکنڈوں کا نام ہے''

وقت ہر عمل کے لئے برتن و محافظ کی حیثیت رکھتا ہے انسانی ضرورت کا ہر اچھا عمل دنیاوی ہو یا اخروی وقت کے بغیر اداء ہی نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے وقت کی اہمیت اور ضرورت اور بے قدری کی ممانعت کی طرف ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے:

﴿ان الصحة والفراغة نعمتان من نعم الله مغبون فيهما
كثير من الناس﴾ (سنن دارمی: ۲۹۷)

''صحت اور فراغت نعمت الٰہی میں سے ہیں بہت سے لوگ وقت
صحت کے متعلق خسارے میں واقع ہیں''

یعنی بہت سے لوگ وقت و فراغت کی نعمت سے کام نہیں لیتے بلکہ اس کو ضائع کر کے آخرت کے عظیم فوائد سے محروم ہوتے ہیں۔ وقت سے بھرپور فائدے اٹھانے کے متعلق فقہاء و علماء معلمین مربیّن کے مختلف فرمودات ہیں جو بچے کو سنا کر وقت کی اہمیت کو اس کے دل و دماغ کے اندر پیوست کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام برہان الدین زرنوجیؒ فرماتے ہیں: ''طالب علم کو چاہیئے کہ وقت سے بھرپور فائدہ اٹھائے تا کہ خوب فضیلت حاصل کر سکے''۔ (تعلیم المتعلم: ۸۹)

یقیناً انسانی عمر کم ہے، علم بہت زیادہ ہے تو حصول علم کے لئے ضروری ہے کہ وقت کے ایک ایک لمحے سے کام لیا جائے، اسے ضائع نہ کیا جائے، خلوت اور راتوں کو غنیمت جانا جائے۔

☆ حضرت یحیٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: بچے اور طالب علم کو وقت، فراغت اور فرصتوں کو غنیمت جاننے کے لئے نصیحت کی جائے، رات لمبی ہے تو سو سو کر اس میں کمی نہیں کر سکتے، دن روشن ہے تم اپنے گناہوں سے اس کو مکدر نہیں کر سکتے۔
(تعلیم المتعلم: ۹۱)

کسی فاضل نے کیا خوب کہا ہے:

الیس من الخسران ان لیالیا ❖ تمرّ بلانفع وتحسب من عمری

''کیا یہ کم نقصان ہے کہ تمہاری راتیں بے فائدہ گذر رہی ہیں اور تم ان کو اپنی عمر کا حصہ سمجھ رہے ہو''۔

☆ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین' صلحاء اور تابعینؒ وقت کی حفاظت کے متعلق انتہائی حریص تھے۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اپنے تلانذہ اور وقت کے علماء سے فرمایا کرتے تھے' کہ میں نے حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ وہ وقت کی اتنی حفاظت کرتے تھے جتنی تم اپنے دنانیر و دراھم کی حفاظت نہیں کرتے ہو۔

☆ وقت کی حفاظت کے متعلق حضرت علامہ ابن جوزیؒ کا فرمودہ ہے: ''انسان کے لئے وقت اور اس کی قدر کو پہچاننا ضروری ہے۔ ایک لمحہ بھی بغیر عمل کے نہ گذرنے پائے۔ افضل ترین قول وعمل پر عمل کرے' اور ہر وقت نیک عمل کرنے کی نیت ہو ایسا عمل کی نیت کرے جو اس کے بس میں ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے: ''انسان کی نیک نیت اس کے عمل سے افضل ہے''

(صید الخاطر لابن جوزی)

سلف صالحین کی جماعت وقت کے لمحے لمحے سے بھرپور فائدہ اٹھاتی۔ وقت کی ضرورت واہمیت' وقت سے مکمل طور پر نفع حاصل کرنے اور بچوں کی تربیت کے ذمہ داروں کی توجہ وقت کی عظمت اور اس سے کامل طور پر استفادہ کرنے کے مطابق بھی ابن جوزی فرماتے ہیں: ''اکثر لوگوں کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ عجیب طریقے سے وقت گذارتے ہیں''۔

چنانچہ اگر رات دراز ہو جائے تو فضول باتوں اور خوش گپیوں' بے فائدے قصے کہانیوں میں اسے ضائع کرتے ہیں' یا بے فائدہ قسم کے ناول اور قصے کی کتب پڑھنے میں برباد کرتے ہیں اور دن اگر لمبا ہو جائے تو اسے سونے میں صرف کرتے ہیں' یا تفریحی مقامات یا بازاروں میں وقت کو بے دردی سے برباد کرتے ہیں' اس قسم کے لوگوں کو میں

ایسے لوگوں سے تشبیہ دیتا ہوں جو کسی کشتی میں سوار ہوں اور گپ شپ میں مصروف ہوں اور کشتی رواں دواں مگر انجام کیا ہوگا انہیں کوئی خبر نہ ہو۔ وقت کی تضییع کر کے عذابِ خداوندی کو دعوت مت دو' وقت کے ہاتھ سے جانے سے قبل اس سے کام لو' علم و حکمت سے فائدہ اٹھا کر اس قیمتی سرمایہ واثاثہ کو برباد ہونے سے بچاؤ۔

وقت کو کام میں لگا کر آخرت کے لئے توشہ تیار کرو' نفس پرستی چھوڑ دو' اسی طرح وقت سے بھرپور فائدہ اٹھانے' ایک ایک لمحے کو غنیمت جاننے کے متعلق حضرت علامہ ابن جوزیؒ اپنی مشہور کتاب ''لفتة الكبد في نصيحة الاولاد ''میں اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: پیارے بیٹے! اپنے نفس کی شرارتوں سے آگاہ ہو جاؤ' سابقہ کوتاہیوں پر نادم ہو جاؤ' اللہ کے کامل بندوں کے سامنے رہا کرو جب تک وقت میں گنجائش ہو۔ اپنے نفس کی تر شاخ کو سوکھنے سے پہلے درست کرنے کی سعی کرو' ضائع شدہ لمحات کو یاد کرو' عبرت حاصل کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ جس سے مستی کی لذت ختم ہوگی' اور فضائل کے مراتب میں کمی محسوس کرو گے۔

حضرات سلفِ صالحینؒ ہر فضیلت کو پسند فرماتے' اور اس میں ایک بھی فضیلت کے فوت ہونے پر روتے' حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم ایک مریض کے ہاں گئے' جو اپنے پیروں کی طرف دیکھ دیکھ کر رو رہا تھا' تو ہم نے اس سے کہا: کہ بھائی تم کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا' میں اس لئے رو رہا ہوں یہ قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوئے۔ اسی طرح ایک اور صاحب پر گریہ طاری ہوا تو اس سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا: اُن ایام اور راتوں پر رو رہا ہوں جو بغیر روزے اور تہجد کے گذر گئی ہیں۔

پیارے لختِ جگر! خوب سمجھ لو! کہ ایام ساعات پر اور ساعات سانسوں پر مشتمل ہیں۔ ہر ایک سانس مستقل خزانہ ہے حتی الامکان کوشش کرو کہ ایک سانس بھی رائگاں نہ جانے پائے۔ تاکہ قیامت کے دن تمہارا خزانہ خالی نہ ہو اور پشیمان نہ ہونا پڑے۔ سلفِ صالحین میں کئی لوگ ایسے تھے جو عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت رابعہ عدویہؒ رات کے وقت بالکل نہ سوتی تھیں۔ ساری ساری رات جاگتیں' صبح

طلوعِ فجر کے بعد ذرا اونگھتیں پھر خوف زدہ ہوکر اٹھ کھڑی ہوجاتیں' اور اپنے نفس کو خطاب کر کے کہتیں' قبر میں لمبی مدّت تک سوتے رہنا۔ (صید الخاطر)

حضرت علامہ ابن جوزیؒ وقت کی سخت حفاظت کرتے' وقت کی حفاظت میں انتہائی اہتمام وانتظام کرتے' حتی کہ اس کے لئے مستقل ڈائری ان کے پاس ہوتی جس میں تمام کام تقسیم کرتے' حتی کہ دوستوں سے ملاقات کے لئے ایسا وقت مقرر کرتے جس میں تصنیف وتالیف میں حرج نہ ہو۔ یعنی لکھنے پڑھنے کے لئے ذہن حاضر نہ ہوتو اس وقت دوستوں سے ملاقات کرتے تاکہ وقت کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔

حضرت امام ابن قیمؒ وقت کی اہمیت اور اس کی قدر کے متعلق فرمایا کرتے تھے:
حقیقت میں وقت انسان کی عمر ہے' ہمیشہ کی زندگی اور نعیم ابدی کا اصل سرمایہ ہے' مگر وہ بادل کی طرح تیزی سے گذر رہا ہے۔ لہذا عمر کا وہ حصہ جو اللہ کے لئے صرف ہو بس عمر وہی ہے' غیر اللہ کے لئے استعمال ہونے والے لمحات عمر میں شامل نہیں ہیں۔ وقت کو غفلت' سہو اور باطل آرزؤں میں صرف کر کے زندہ رہنے سے موت ہی بہتر ہے۔

جب وقت اتنا اہم ہے اور اتنا عظیم الشان سرمایہ ہے تو اس وقت سے مکمل طور پر بہرہ ور کرنے کے لئے بچے کی تربیت کس طرح کی جائے؟ فارغ اوقات کو کام میں لانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وقت سے بھرپور متمتع ہونے کے لئے نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل) مقرر کرنا ضروری ہے' اس لئے کہ وقت کو استعمال کرنے کے لئے نظم اور ٹائم ٹیبل بنانا تمام امور میں کامیابی کی اصل اور بنیاد ہے' جس نے بھی اپنے امور کو نظام الاوقات سے منسلک کیا اور اس پر زندگی گذارنے کی عادت ڈالدی وہ یقیناً زندگی کی حلاوت وشرینی پائے گا' اسی لئے بچے کو ایک کامل پرکیف وپرسرور شخصیت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اوقات کے لمحہ لمحہ کی حفاظت کی جائے اور خود بچے کو نظام الاوقات کے تحت زندگی گذارنے کی عادت ڈالی جائے۔ اور وقت کے ہر لمحے سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ کام کے ساتھ لگن ومحبت اس کے دل میں ڈالدے' سستی اور تھکن' کام سے اکتانے اور فراغت کو پسند کرنے سے بچانے کی ہر ممکن

کوشش کی جائے۔

مسلمان کے پاس ضائع کرنے کے لئے کوئی وقت ہوتا ہی نہیں، البتہ بچہ کم فہمی اور بچپنے کی وجہ سے کھیل کود کی طرف راغب ہوتا ہے۔تو تربیت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ کھیل کے اس شوق کو ترغیب کے ساتھ لکھنے پڑھنے تعلیم و تعلّم میں لگانے کے لئے حکمت بالغہ، ہوشیاری و ہوشمندی اور ایسے وسائل سے کام لے جو اس موقع پر کارآمد ہوں، اور ایسے ذرائع استعمال کرے جو بچے کے لئے اخلاقِ قرآنی اپنانے اور اجتماعی طریقے بجالانے میں ممدو معاون ہوں۔وہ ماحول اور گردو پیش کے مطابق ہونے چاہییں۔تعلیمی چھٹیوں، خاص کر گرمی کی چھٹیوں میں بچے کو طویل فارغ وقت میسر آتا ہے جس کی بنا پر اکتاہٹ پیدا ہونے اور سست ہونے کا احتمال ہے۔ایسی صورت میں تربیت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وقت سے بہتر سے بہتر انداز سے فائدے اٹھانے کی بہتر صورت پیدا کریں۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بچے کو کسی مفید ثقافتی سرگرمی میں مشغول کیا جائے، اور سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا دور اور یاد کرانے میں لگا دیا جائے، اسی طرح اور کسی ایسے کام میں لگادے جو پورے سال پر محیط ہو، یا بچے کے خواہش اور میلان کے مطابق کام میں لگا کر فارغ وقت میں کام لیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ کام کا بوجھ اس پر نہ ہو اور سہل انداز سے کرسکے، ورنہ معاملہ الٹا بھی ہوسکتا ہے جس سے پریشانی ہی پریشانی ہوگی، اور بچہ وقت سے فائدہ حاصل نہ کرسکے گا، حالانکہ وقت سے فائدہ حاصل کرنا ضروری ہے، کیونکہ بقول شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ وقت عظیم اور اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ اس لئے کہ یہی زمانہ زندگی کی اصل عمر ہے۔اور انسان کے وجود کا میدان ہے، قرآن کریم نے بھی اس کی عظمت اور اصل نعمت ہونے اور دوسری نعمتوں پر اس کی فوقیت و برتری کی طرف اشارہ کیا ہے، اور قرآن کریم میں بہت سارے مقامات میں وقت کی قیمت، اس کی اہمیت و عظمت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات کے متعلق بیان موجود ہے۔

لہذا بچے کے اندر وقت کی اہمیت اور اس کی قدر اور عظیم نعمت ہونے کو اجاگر کرنے کے لئے قرآنِ کریم کی ان آیات کو شرح و تفسیر کے ساتھ بچے کے سامنے بیان کیا

جائے، تاکہ اس عظیم خزانے کا اسے ادراک ہو، جس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی مثلا قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ:

﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ايَتَيْنِ فَمَحَوْنَا ايَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَا ايَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابِ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلاً﴾

(الاسراء:۱۲)

''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنایا کہ اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرلو اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے''۔

ان چھوٹی سورتوں کو بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں جن میں میں اللہ تعالیٰ نے دن، رات، فجر، صبح، شفق، الضحیٰ، العصر کی قسم کھائی ہے۔ مثلاً

﴿وَالَّيْلِ اِذَا اَدْبَرَ وَالصُّبْحِ اِذَا اَسْفَرَ﴾ (المدثر:۳۳۔۳۴)

''اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب روشن ہونے لگے''

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشىٰ ☆ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى﴾ (الیل:۱۔۲)

''قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھپائے اور دن کی جب کہ روشن ہوجاوے''

﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ☆ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ (التکویر:۱۷۔۱۸)

اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے''

﴿وَلَا اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ☆ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ (الانشقاق:۱۶۔۱۷)

''سو میں قسم کھا کر کہتا ہوں شفقا کی اور رات کی اور ان چیزوں کی

جن کو رات سمیٹ لیتی ہو“

﴿وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ (الضحیٰ:۱۔۲)

”قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے“

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ (العصر:۱۔۲)

”قسم ہے زمانے کی کہ انسان بڑے خسارے میں ہے“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: عصر سے مراد زمانہ ہے۔ العصر کی تفسیر حضرت امام فخر الدین رازیؒ اپنی مشہور تفسیر ”تفسیر کبیر“ میں یوں بیان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ زمانہ عجائبات کو شامل ہے اس لئے تنگی و فراخی، صحت و بیماری، فقر و غناء سب کے سب اضداد زمانے ہی میں انجام پاتے ہیں۔ اس سے زیادہ عجیب بات ہے اور زمانہ کے قیمتی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے ایک شخص ہزار سال اپنی عمر کے ضائع کر کے اور صرف آخری ایک لمحے میں سابقہ (ضیاع وقت) پر نادم ہو کر آگے نیکی پر چلنے کا عزم کرے تو وہ بھی جنت النعیم کا مستحق ٹھہریگا۔ تو معلوم ہوا تمام اشیاء میں قیمتی ترین اور انتہائی فائدہ مند چیز یہی ایک لمحہ ہی ثابت ہوا تو گویا زمانہ تمام نعمتوں کے لئے اصل الاصول کا درجہ رکھتا ہے اسی بنا پر ربّ ذوالجلال قرآن کریم میں جگہ جگہ قسم کھا کر تنبیہ فرما رہے ہیں کہ دن اور رات عظیم فرصت ہیں جس کو انسان بے دردی سے ضائع کر رہا ہے۔ اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (الفرقان:۶۲)

”اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے“۔

اللہ تعالیٰ نے مکان کی قسم نہیں کھائی، بلکہ زمانے کی قسم کھائی ہے اس لئے کہ

مکان کے مقابلے میں زمانہ اشرف و اعلیٰ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملک وملکوت میں شامل دو چیزوں میں سے اشرف و اعلیٰ کی قسم کھائی ہے۔ زمانے کی قسم اس لئے بھی کھائی کہ زمانہ ایسی خالص نعمت ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔ البتہ عیب اس عظیم نعمت سے فائدہ نہ اٹھانے والے کے اندر ہے۔

مربی کو چاہیے کہ بچے کو یہ سمجھائے کہ وقت انسان کا قیمتی ترین اثاثہ ہے اور تمام چیزوں سے معزز ہے۔ مگر جلدی ختم ہونے والا ہے' اور جب ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ اسے ہاتھ میں لانا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کسی دانشور کا قول ہے: ''وقت تلوار کی طرح ہے' اگر اسے نہیں کاٹو گے وہ تمہیں کاٹ دے گا''۔

وقت خود بخود ختم ہونے والا ہے' جو وقت سے غافل رہا تو وہ بعد میں سخت افسوس کریگا۔ لہذ آئندہ آنے والے وقت کو صحیح استعمال کرنے کا تہیہ کریں۔ اس لئے کہ وہ ضرور آنے والا ہے' جس نے وقت کو اعمال صالحہ میں صرف کردیا تو وہ یقیناً نیک بخت ہوگا۔ جس نے وقت ضائع کردیا تو اس نے اپنی تمام مصلحتیں گنوادی۔ انسان کی تمام چیزیں وقت ہی کی پیداوار ہیں' مگر وقت ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر دوبارہ اس کا ہاتھ آنا بالکل ممکن نہیں۔ انسان کا وقت اس کی عمر ہے جو بادل کی طرح گذر رہا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ نیکی اور فائدے کے کام میں وقت اگر صرف ہورہا ہے تو اسے غنیمت جانے' ورنہ اگر وقت کو خواب غفلت اور بے کاری میں گذارے تو اس زندگی سے موت کئی گنا بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے: مجھے سب سے زیادہ افسوس اس دن پر ہوتا ہے جو ایسے گذرے کہ جس میں کوئی نیک عمل کا اضافہ نہ ہو۔ اور مربی کو چاہیے کہ وقت کی قدر و قیمت کے متعلق بزرگوں کے اقوال بھی بچے کے دل نشین کرے۔ مثلاً حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول:

اے انسان تمہارا ہی نام زمانہ ہے۔ لہذا تمہارا ایک دن گذرا تو تمہاری ہی عمر کا ایک حصہ گذر گیا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: لیل ونہار تمہارے اندر عمل کررہے ہیں تو تم بھی ان میں عمل کرو۔

بچے کو بچپن ہی میں وقت کو مثمر بنانے دوسرے مشاغل و امور کے گھیرنے سے قبل وقت سے کام لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ فراغت و فرصت' زمانہ شباب' بدن کی قوت اور دل جمعی بے کار کرنے والے عوارض کے لاحق ہونے سے پہلے تحصیل علم کو غنیمت جانیں''۔

حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ فرماتے ہیں: انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل کے طالب علموں پر بدبختی' کاہلی و سستی اور محنت و لگن پر تن آسانی کو ترجیح دینے کا غلبہ ہے۔ انہوں نے فارغ البالی اور دوسری فضول چیزوں کو مقصدِ حیات سمجھ رکھا۔ اور چیزوں سے لطف اندوزی ان کا مقصد بن گئی۔ پڑھنے کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہیں رہا۔ آج کل کے طلبہ بالکل امام احمد بن فارس کے اس شعر کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں:

اذا كان يؤذيك حرّ المصيف ❖ ويبس الخريف و بردا لشتاء

ويلهيك حسن زمان الربيع ❖ فاخذك للعلم قل لي متى

''جب تجھے گرمیوں کی گرمی' موسم خزاں کی حبس اور سردیوں کی ٹھنڈک تکلیف دے اور تجھے موسم بہار غفلت میں مبتلا کر دے تو مجھے بتا کہ تو کب علم حاصل کرے گا''۔

بچپن کا زمانہ ہی تحصیلِ علم و معرفت کا بہترین زمانہ ہے۔ اس لئے کہ جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی جائیگی توں توں ذمے داریوں میں بھی اضافہ ہوتا رہیگا۔ تعلقات بڑھیں گے' اوقات میں تنگی ہوگی۔ بدن کی قوت ضعف میں بدل جائیگی۔ بڑے ہونے کے بعد مصروفیات میں اضافہ ہوگا جسم کی قوت اور صحت میں کمی آئیگی۔ کاموں کا ہجوم ہوگا۔ کام کا مزہ' محنت و کوشش اور منزلِ مقصود تک پہنچنا بچپن اور نوجوانی کی عمر ہی میں ہوگا۔ نہ کہ انتہائی بڑھاپے کے زمانے میں' اسی وجہ سے مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کی تربیت کی غرض سے وقت کی قدر و قیمت بچے کے دل میں بٹھا دے' وقت کو غنیمت جاننے' فضولیات میں وقت کو برباد نہ کرنے کی ہر وقت ترغیب دیتا رہے۔

دیکھا جائے تو آج کل اوقات تیزی سے گذر رہے ہیں۔ ایک مہینہ ختم نہیں ہوتا دوسرا آدھمکتا ہے' سال ختم نہیں ہوتا مگر دوسرے سال کی آمد آمد ہوتی ہے۔ اور تجھے موسم بہار کا حسن غفلت میں ڈال دے تو مجھے بتا تو کب علم حاصل کرے گا؟ خود اندازہ لگا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وقت کس طرح ختم ہوتا ہے ہمیں نہ وقت کا پتہ چلتا ہے اور نہ ہی اس کی برکت کا۔ حتی کہ بچے خود کہتے ہیں: ''ایام ایسے تیزی سے گذر رہے ہیں کہ ہمیں ہفتوں اور مہینوں تک کا نہیں پتہ چلتا''۔

آخر میں چندان کلمات کو زیبِ قرطاس کرنا چاہتا ہوں' جن کو میں نے زمانہ طالب علمی میں کسی عالم سے سنا تھا۔ اور ان سے بطور نصیحت ان کلمات کو ایک کاغذ میں لکھ کر عطا کرنے کی درخواست کی تھی جن کو انہوں نے بطور نصیحت کے لکھ کر مجھے دیئے تھے۔ جو یہ ہیں:

﴿خذ من الدنیا ماصفی' ومن العیش ما کفی' ومن الاخوان ماوفی' ودع الظلم والجفا' فان العمر قصیر' والناقد بصیر' والی اللہ المصیر﴾

''یعنی دنیا سے وہ چیز لو جو خالص ہو' معیشت میں وہ حاصل کرلو جو کافی ہو' بھائی انہیں بناؤ جو وفادار ہوں' ظلم و جفا کو ترک کرو' اس لئے کہ عمر بہت کم ہے' اسے پرکھنے والا موجود ہے ہر وقت دیکھنے والا موجود ہے' اور اللہ ہی کی طرح لوٹ کر جانا ہے''۔

اس عبارت میں وقت کی اہمیت اور مفید شئی کو غنیمت جاننے کی دلیل ہے۔ وقت کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر ان لوگوں کو نصیحت کر رہا ہوں' جو سگریٹ نوشی کے عادی ہیں' مذکورہ نصیحت پر عمل کریں سگریٹ نوشی ترک کردیں۔ اس لئے جو لوگ سگریٹ نوشی کرتے ہیں مالی اور بدنی دونوں لحاظ سے نقصان اٹھارہے ہیں۔ اسی طرح اس برے عمل کی وجہ سے اپنے خاندان والوں اور دوست احباب کو تکلیف بھی پہنچارہے ہیں۔

اس قسم کے سگریٹ پینے والے ایک شخص کو میں نے نصیحت کی' اس سے میں نے کہا' بھائی! جس انداز سے تم سگریٹ نوشی کر رہے ہو۔ مہینے میں اس کا آدھا خرچہ بھی کتابیں خریدنے میں صرف کرو گے تو ایک مدت بعد تمہارے پاس ایک بہترین کتب خانہ تیار ہوگا۔ جس سے تم علمی فائدہ اٹھا سکو گے۔

چنانچہ اس شخص نے میری نصیحت پر عمل کیا' آج ان کے پاس کتابوں کا بہت بڑا مجموعہ ہے' اور اس کا کتب خانہ قیمتی قیمتی کتابوں سے سجا ہوا ہے اور اس کی عقل' علم و معرفت کے نور سے منور ہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے بچوں کو وقت کی قدر و قیمت سمجھنے اور وقت کو مفید کاموں میں لگانے کی توفیق عطا فرمادیں۔

کھیل کود کے متعلق تربیت:

کتاب کے شروع میں ہم نے ایک نیا موضوع چھیڑنے کا وعدہ کیا تھا' اس لئے آئندہ سطور میں اس وعدے کی تکمیل کریں گے۔

جب ہم قرآن کریم میں غور کرتے ہیں تو ہمیں جگہ جگہ کمالِ ہیئت کے ساتھ بدنی قوت کی افادیت اور اس کے مستحسن ہونے کے متعلق بیان ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم اور خشیت الٰہی کے ساتھ قوتِ بدن' سربراہی' قیادت اور سرداری کے لئے اساس و بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ''طالوت'' کو بطور بادشاہ چننے کی وجہ اس کی قوت کو قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ:۲۴۷)

''اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کہنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے، حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور علم اور جسامت میں اس کو زیادتی دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسکو چاہیں دیں اور اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں''۔

چنانچہ صالح قیادت کے لئے علمِ مفید و نافع کے ساتھ ساتھ جسمانی قوت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے اس کا خوب اہتمام کیا ہے اور علم وعمل کے ساتھ بدنی قوت کی تکمیل کی طرف بھی دعوت دی ہے۔ تاکہ معاشرے کا ہر شخص اخلاقی، فکری اور جسمانی ہر لحاظ سے قریب الکمال ہو۔ تاکہ کسی بھی گوشے سے ناقص نہ ہو۔

اسلام مسلمان کو اوج کمال تک پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ اسی وجہ سے شرعی کھیل اور ورزش کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قوت کو اپنی استطاعت اور طاقت کی بقدر حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال:۶۰)

''اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں''۔

اس مفہوم کی تاکید کے طور پر سنت مطہرہ میں بھی مضامین موجود ہیں اور یہ واضح کردیا گیا ہے کہ مؤمن کا قوی و مضبوط ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی نظر میں مؤمن کا قوی ہونا پسندیدہ ہے۔ آپ ﷺ نے مؤمنِ قوی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

﴿المؤمن القوی خیر واحب الی اللّٰہ من المؤمن
الضعیف و کل خیر﴾

''مؤمن قوی' مؤمن ضعیف کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔
البتہ بہتر دونوں ہیں''۔

اس سے ثابت ہوا ہر وہ عمل جو بدن کی قوت و طاقت میں اضافے کا باعث ہو وہ اسلام کی نظر میں محبوب ہے اور اس کو اپنانے کی طرف ترغیب بھی دیتا ہے چنانچہ کھیل کود اپنے تمام جائز انواع کے ساتھ جسم کو طاقت پہنچانے کے لئے مدد معاون ہیں۔ اعصاب کی مضبوطی کا بھی سبب ہیں' جسمانی طاقت اور مضبوط اعصاب ہی کے ذریعے جہاد میں بہتر کارکردگی انجام دی جاسکتی ہے اور اسلام بھی یہی چاہتا ہے۔

اسی بنا پر ایک دانشمند تربیت کنندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچے کی تربیت کے اس گوشے سے بھی باخبر رہے۔ طاقتِ بدن کے حصول کے بہتر سے بہتر طریقوں کو اپنانے کی طرف بچوں کی توجہ مبذول کرائے' تاکہ بچہ اس سے بھرپور فائدہ حاصل کر کے ایک مضبوط وقوی شخصیت بن کر قوم وملت کے لئے باعثِ فخر بن سکے۔

اسلام نے ماں باپ کو بچوں کی تربیت کے متعلق بعض کھیلوں اور بدنی سرگرمیوں میں مشغول کرنے کی ترغیب بھی دی ہے' اور یہ تنبیہ کی ہے کہ حرکت بچوں کے لئے حصولِ قوت کا باعث ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد بعض بدنی سرگرمیوں' کھیلوں اور ورزشوں کو برقرار رکھا۔ اس پر نکیر نہیں فرمائی' گھوڑ دوڑ میں مقابلے کو برقرار رکھا' حدیث شریف میں آتا ہے آپ ﷺ اس قسم کے مسابقے کی نگرانی فرماتے تھے۔

حدیث کی بعض کتابوں میں آیا ہے' کہ حضور ﷺ نے بعض مفید اور نافع ورزشوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اور بچوں کو اس پر شاباش بھی دی ہے بلکہ بعض بدنی وسرگرمیوں اور ورزشوں میں مربی اعظم ﷺ نے خود بنفسِ نفیس بچوں کی نگرانی فرمائی

ہے۔ اور بڑوں کے ساتھ بھی تشریف فرما ہوئے ہیں۔ دوڑنے میں مقابلہ کراتے' چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ حضرت عبداللہ' حضرت عبید اللہ اور بنی عباس کے اور بچوں کو کھڑے کر کے فرماتے' دوڑ کر جو پہلے میرے پاس پہنچے گا اسے اتنا اتنا انعام ملے گا' چنانچہ بچے آپؐ کی طرف دوڑتے اور آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر کوئی آپؐ کے سینے مبارک اور کوئی پیٹ مبارک پر گرتے آپ ﷺ ان کو اٹھاتے اور چومتے اور گلے لگاتے۔

(مسند احمد: ۲۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بچوں کے لئے بعض بدنی ورزشوں کو برقرار رکھا تا کہ بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ قوت بھی بڑھتی رہے۔ اس سے ورزش وحرکتِ بدنی کی اہمیت کا انداز ہوتا ہے کہ ورزش بچے کی عقلی' اخلاقی' بدنی حتی کہ معاشرتی قوت کے بڑھنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ اس لئے کہ عقل سلیم بھی جسمِ سلیم میں ہوتی ہے' اور جدید تحقیقات بھی یہی بتاتی ہیں کہ ورزش اور کھیل سے بچے کی ذہنی قوت میں ترقی ہوتی ہے۔ تربیت کے متعلق ایک علمی مباحثے میں یہ بات طے ہوئی کہ جن بچوں کو کھیلنے کے مواقع میسر آتے ہیں ان کی عقلی نشو نما میں تیزی آ جاتی ہے بخلاف ان بچوں کے' کہ جن کو فرصت نہیں ملتی اور کھیل و آزادی کے لئے مناسب وقت نہیں ملتا۔ ان کی عقلی ترقی انتہائی سست رفتار ہوتی ہے۔ بعض محققین زور دے کر کہتے ہیں: بچے کو کھیل اور بعض کاموں کے سیکھنے اور کرنے میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ مطلق نشو ونما میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔ اور یہ عمر کے مطابق ہوتا رہے گا۔ اور ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ بچہ سکول/ مدرسہ جانے سے پہلے کی عمر میں کھیل کود کے لئے مکمل آزاد ہوتا ہے' کھیلنے کے لئے اس کے پاس سارا وقت موجود ہوتا ہے' کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوتا' مگر کھیل کود کے اس زمانے میں اگر بچہ دیکھنے سے اور دوسروں کی زبان سے سیکھ لے تو عام مروجہ طریقہ تعلیم سے بہت زیادہ حاصل کر سکتا ہے۔

بچے کی تربیت کے حوالے سے کھیل کی اہمیت سے متعلق تحقیق یہ ہے کہ بچے کی تربیت کی جسمانی قوت کی تکمیل وترقی ایسے کھیل کے بغیر ممکن نہیں جو جسم میں حرکت پیدا کرنے کے باعث ہو۔ مثلاً چھلانگ لگانا' بھاگ دوڑ کرنا' ایک دوسرے سے دوڑنے میں

مقابلہ کرنا وغیرہ۔ ان کھیلوں کے ذریعہ بچہ آگے جا کر مضبوط حرکات کرنے پر قادر ہوگا' غذاء کے ساتھ ساتھ یہ کھیل کی بھی بچوں کے پروان چڑھنے' طبعی وزن کو بڑھانے اور اعصاب میں مضبوطی پیدا کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ کھیل کی مدت کھیل کے لئے مقرر کردہ وقت سے تجاوز نہ کرے' اور نہ ہی ورزش کرانے اور حفظان صحت کے ماہرین کے بیان کردہ کھیل کے اصولوں کے خلاف ہو ورنہ معاملہ الٹا بھی ہوسکتا ہے۔

کھیل اور ورزش کی اخلاقی اور اجتماعی اخلاق کے حوالے سے بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ بچوں کا اپنے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھیلنا اجتماعی زندگی گذارنے کی قدرت' دوسروں کی رائے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے' اور دوسروں کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دینے کا مادہ پیدا ہونے' انانیت وخود پسندی سے نجات پانے میں بڑی مدد دیتا ہے' اور دوستانہ میچ کھیلنے سے بھی بعض قلبی کدورتوں کے ختم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

بطورِ کھیل ماں' باپ' ڈاکٹر اور فوجی وغیرہ کا پارٹ ادا کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں' اس سے مختلف لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی مہذب انداز سے گذارنے میں مدد ملے گی۔

علماء اور مفکرینِ اسلام بچے کے لئے کھیل کود اور حرکت کی اہمیت کی طرف عرصہ دراز سے اشارہ کرتے چلے آرہے ہیں' اور تربیت کرنے والے پر اس اہم کام کی ذمہ داری عائد کرتے آرہے کہ تمہاری سستی سے بچہ کاہلی و پژمردگی اور آزاد زندگی گذارنے کا عادی ہوکر زندگی کا مزہ نہ کھودے۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: دن میں کسی وقت بچے کو ورزش کرنے اور چلنے کی عادت ڈالی جائے' تا کہ اس پر سستی کا غلبہ نہ ہو۔ اور امام غزالیؒ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ سبق پڑھنے کے بعد بچے کو فکری راحت اور قلبی تفریح کا مناسب بندوبست کیا جائے' تا کہ بچہ شوق سے پڑھے' اور پڑھائی سے متنفر نہ ہو جائے' سبق سے فارغ ہونے کے بعد اسے ایسے کھیل کھیلنے کی اجازت دی جائے کہ جس سے وہ اپنا دماغی تعب وتھکاوٹ دور کرسکے' دل و دماغ کو راحت پہنچا سکے' مگر کھیل ایسا نہ ہو جو اس کو مزید تھکاوٹ میں مبتلا کردے۔

بچے کو کھیل سے روکنا' تفریح کے بغیر مسلسل پڑھائی پر مجبور کرنا اسے پژمردہ بنا دیتا ہے۔اس کی ذکاوت کو بے کار اور زندگی کو اجیرن کردیتا ہے حتی کہ بچہ پڑھائی سے جان چھڑانے کے لئے مختلف بہانے تلاش کرنے لگتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام غزالیؒ بچے کی فکری نشو نما و ترقی میں کھیل کی ضرورت کا کتنا ادراک رکھتے تھے؟ حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر بچے کو کھیلنے کا موقع نہ دیا جائے تو وہ ناجائز بہانے اور حیلے تراشنے لگتا ہے' اس سے عدم استقلال' بے کاری اور جھوٹ بولنے کی عادت بھی پڑتی ہے۔

تحقیق اور تجربے نے بھی امام غزالیؒ کے قول کی تائید کی ہے' چنانچہ تحقیق سے ثابت ہے کہ بچپن میں بچے کی عقلی ترقی ونشو نما کا تعلق جسم کی حرکت کے ساتھ ہے' اعصابی ورزش سے فکری ترقی بہت آگے بڑھ جاتی ہے۔ پٹھے مضبوط ہوتے ہیں' بدن کی حرکات میں تیزی آتی ہے' اور بدن بھی خوشنما معلوم ہوتا ہے' ورزش کے بعد مالش سے' جسم کو نشاط بخشنے پر بھی محققین کا اجماع ہے۔

اور کھیل کے نفسیاتی' اخلاقی اور جسمانی فوائد کا سب نے ادراک کیا ہے خاص کر وہ کھیل جسمیں بدن کے تمام حصے حرکت میں آتے ہیں مثلا فٹ بال' والی بال' ہاکی' کرکٹ وغیرہ' حسن بن عبداللہ اپنی کتاب ''اثار الأوَل فی ترتیب الدول ''میں رقمطراز ہیں: فٹ بال بہترین اور مکمل ورزش ہے' بہت سارے حکماء' فضلاء اور بادشاہوں نے بدنی ورزش کے حوالے سے اس کی بڑی تعریف کی ہے' اسی طرح ہاکی' کرکٹ' گھوڑ دوڑ بھی نفع مند ورزشوں میں سے شامل ہیں' اس لئے کہ اس میں سے بعض میں ہاتھ' بعض میں پیر' بعض میں ہاتھ پیر دونوں حرکت میں آتے ہیں اور بعض میں نظر کے استعمال سے اس کی حرکت زیادہ ہوتی ہے' اور بعض میں آوازیں نکلتی ہیں' گویا جسم کے تمام حصوں کی ورزش ہوتی ہے۔

کھیل کے نفسیاتی واخلاقی فوائد بیان کرتے ہوئے حسن بن عبداللہ لکھتے ہیں:
خوشی' سرور وفرحت بھی کھیل میں کامیابی وغلبہ پانے کا لازمی حصہ ہے اور ہارنے کی صورت میں غم بھی اس کا ایک جز ہے' کھیل کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بچے اپنے ہم عمر

ساتھیوں کے ساتھ یک جا ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں' مدِ مقابل کے خلاف اپنے ساتھیوں کی مدد کرتے ہیں جس سے دشمن کے مقابلے میں اپنے ساتھیوں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

بچے کے سامنے کھیل کے ان قواعد کو بیان کیا جائے جن کی پاسداری صحت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ کھیل کے اندر حد سے آگے نہ بڑھنا' اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنے بدن پر بوجھ نہ ڈالنا' شکم سیر ہونے کی حالت میں کھیل سے اجتناب کرنا وغیرہ۔

مشہور عربی ڈاکٹر ابن نفیس نے بھی اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے' ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ ورزش بدن کے لئے بہت ضروری ہے' خاص کر' فٹ بال' ہاکی' کرکٹ کی صورت میں ورزش نہایت فائدہ مند ہوتی ہے' اس لئے کہ اس میں بدن کی ورزش کے ساتھ ساتھ جیتنے کی صورت میں خوشی' اور ہارنے کی صورت میں غضب کے ساتھ فکری ورزش بھی ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے گذرا ہے کہ ورزش بدنِ انسانی کی صحت اور اس کو سمارٹ رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے اس طرح عقلی وفکری لحاظ سے بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ جسم کی حفاظت کے ساتھ دوران خون کے نظام کو بھی فعال بنانے میں اس کا خاصا کردار ہے۔

لہذا بچے کی زندگی اور صحت کے لئے ورزش کی اہمیت اور ضروری ہونے کے واضح دلائل ہیں۔ لہذا ان دلائل کی روشنی میں تربیت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ بچے کے لئے ایسی فضا ہموار کرے کہ وہ اس میں رہ کر ورزش اور کھیل کے ذریعے اپنی قدرتی' ذہنی اور جسمی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکے۔ البتہ یہ نگرانی ضرور کرے کہ کہیں نامناسب' اخلاق باختہ غیر شرعی کھیل نہ کھیلے' البتہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کونسے کھیل جائز اور کونسے ناجائز ہیں۔

اس سوال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے' کہ کھیل کا مباح ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (یوسف:۱۲)

''آپ ان کو کل روز ہمارے ساتھ بھیجیئے کہ ذرا وہ کھاویں کھیلیں اور ہم

ان کو پوری محافظت رکھیں گے''۔

یعنی ہم بھاگنے اور دوڑنے کا باہم مقابلہ کریں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں لعب سے مراد خوشی وانبساط ہے' نہ کہ خلاف شرع ممنوع کھیل' یہی وجہ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے قول ویلعب ''کھیل کود کریں گے'' پر نکیر نہیں فرمائی۔

آپ ﷺ نے بعض ان کھیلوں کو جو عہد نبوی میں کھیلے جاتے تھے ختم نہیں کیا بلکہ برقرار رکھا۔ بلکہ بعض میں خود بنفس نفیس شامل رہے۔ مثلاً دوڑ میں مقابلہ کرنا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی سفر میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آگے نکلنے میں مسابقہ کیا۔ عید کے مواقع پر آلاتِ حرب وغیرہ سے کھیلنے کی اجازت دی' اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو اس کھیل کا نظارہ کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

کھیل کے اس قسم میں جسم میں چستی' تیزی' بدن کے اعتدال کا برقرار رہنا' پہلوانی اور مردانگی کا ظہور ہوتا ہے جب تک کہ اس میں زنانہ پن نہ ہو۔

جائز کھیلوں میں تیراندازی بھی ہے' حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ قبیلہ اسلم کے چند لوگوں کو تیراندازی کرتے دیکھ کر فرمایا:

﴿ارموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیا﴾ (بخاری باب الجہاد)

''اے اسماعیل کی اولاد: تیراندازی کرتے رہو' اس لئے کہ تمہارے جد امجد بھی تیرانداز تھے''

اس کے علاوہ اور بھی جائز کھیلیں اور ورزشیں موجود ہیں: مثلاً تیراکی' تیراندازی' نیزہ بازی' جدید اسلحہ وغیرہ چلانے کی مشق اور پریکٹس وغیرہ' جائز کھیلوں میں جھولا جھولنا بھی داخل ہے' اور فکری وعملی کھیلوں میں غیر جاندار چیزوں کی نقشہ سازی وغیرہ بھی شامل ہے۔

معروف اسلامی ورزشوں میں گھوڑ سواری ہے جو زمانہ قدیم میں بھی رائج تھے اور اب تک رائج ہے' بچوں سے اس کی پریکٹس فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ

بھی بہت سارے کھیل ہیں جو اسلامی اصولوں سے متعارض نہیں ہیں اور بعض کھیل شریعت کی رو سے جائز نہیں ہیں انہیں کھیلنا بچوں اور بڑوں سب کے لئے جائز نہیں ہے' مثلاً نرد کھیل کھیلنا' کبوتر بازی کرنا اور وہ کھیل جس میں جوا شامل ہو' اور وہ کھیل جس میں حیاء و وقار برقرار نہ رہتا ہو۔ وہ کھیل جو وحشت' دوری اور دوسرے کو تکلیف دینے کا سبب ہو' یہ سب ناجائز ہیں اسی طرح مربی پر لازم ہے کہ تیز آلات مثلاً چاقو' چھری' تیز لوہے وغیرہ سے کھیلنے سے بچے کو بچائے' اور چاقو وغیرہ سے اپنے ساتھیوں کو ڈرانے سے بھی بچے کو روکنے کی کوشش کرے۔ اس لئے یہ شریعت میں ناجائز ہے۔ آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

﴿من اشار الی اخیه بحدیدة 'فان الملائکة تلعنه وان کان اخاه لابیه و امه﴾ (بخاری باب المناقب)

''جس نے اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا' اگرچہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں''

ان کے علاوہ بھی بہت نقصان دہ کھیل ہیں جن سے بچے کو بچانا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ مربی کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بچے کے لئے کھیل کی مناسب جگہ اور وقت کا انتخاب کرے' اس لئے کہ بچے ہر وقت کھیل کود کی طرف مائل رہتے ہیں اور اسی کا شوق دل میں سمائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ جہاں بھی انہیں فرصت میسر آجائے' موقع ہاتھ آئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ایک ہوشمند مربی ہی ان کو کنٹرول کرسکتا ہے۔

پہلے زمانے میں بچے راستوں میں کھیلا کرتے تھے' چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ عصر کی نماز پڑھ کر تشریف لے جارہے تھے تو حضرت حسن ؓ کو راستے میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا' پھر ان کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر فرمایا: ''میرا باپ تجھ پر قربان ہو' تم نبی کریم ﷺ کے مشابہ ہو' علی کے مشابہ نہیں ہو۔ تو حضرت علی ؓ سن کر ہنس پڑے۔ اس وقت حضرت حسن ؓ کی عمر سات سال تھی۔ (بخاری' فتح الباری)

اسی طرح بچوں کے کھیلنے کا ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کا گذر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس سے ہوا اور وہ بچوں کے درمیان کھیل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر دوسرے بچے بھاگ گئے اور عبداللہ بن زبیر اپنی جگہ کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگے کیوں نہیں؟

تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا: امیر المؤمنین! میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ میں ڈر جاؤں؟ اور نہ ہی راستے میں کوئی تنگی ہے کہ آپ کے لئے جگہ چھوڑ دوں۔

لیکن اب ترقی کا دور ہے بچوں کے لئے کھیلنے کے لئے مخصوص جگہیں پارک وغیرہ ہیں تاکہ اس میں جاکر اسلامی اصولوں کے مطابق تفریح کیا کریں۔ تربیت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ بچوں کے کھیلنے کے لئے مناسب وقت کا بھی انتخاب کریں۔ لہذا سخت سردی، انتہائی تیز گرمی میں بچوں کو کھیلنے نہ دیا جائے بلکہ ہوا کے اعتدال کے وقت کھیلنا مناسب ہے۔ چنانچہ صبح فجر کے بعد ناشتے سے پہلے یا عصر کے بعد کھیلنا مناسب ہے۔ کھانے سے پیٹ بھرا ہوا ہو اور ہضم ہونے سے پہلا کھیلنا صحت کے لئے مناسب نہیں ہے۔

اس لئے کہ اسپشلسٹ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ کھانا ہضم ہونے کے لئے سکون چاہیے۔ حرکت ہضم میں مساعد نہیں ہے اور ان چیزوں کے متعلق ماہر ڈاکٹروں سے مشورے کرنا بھی بہتر ہے۔ واللہ اعلم

❖❖❖

❖

﴿قسمِ ثانی﴾

طفل اور طفولیت سنت نبوی کی روشنی میں

﴿بابِ اوّل﴾

بچہ اور سنت نبوی ﷺ

فصل اول: حضور نبی کریم ﷺ اور طفل

فصل دوم: بچوں کے حقوق حدیث کی روشنی میں

فصل سوم: بچوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مہربانیاں

فصل چہارم: بچہ اور محبت رسول ﷺ

﴿فصلِ اوّل﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور طفل:

☆ حبیبِ کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاں بچے بھی ہوئے اور بچیاں بھی، نبوت سے پہلے اور بعد میں دونوں ادوار میں ابوّت کی محبت انہیں حاصل رہی۔ آپؐ بچوں کے ساتھ محبت و ہمدردی، مہربانی وشفقت کے متعلق واضح نمونہ ہمیں عطا فرما گئے۔ اسی طرح آپؐ نے خاندان، معاشرہ، سوسائٹی اور دیگر اجتماعی مجالات میں بچے کے کردار کو اجاگر کیا۔

☆ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بچوں کے لئے عظیم نمونہ ہے اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بچوں کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ آپ ﷺ کی نرینہ اولاد ایامِ طفولیت میں ہی انتقال کر گئی جس کی وجہ سے آپ کو کافی غم لاحق ہوا؟ آگے سطور میں آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کی اولاد کے انتقال کے وقت کیا کیفیت رہی۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا کیا طریقہ رہا ہے؟ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر انتہائی بہادری اور شجاعت دکھائی ہے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔

فضیلت کے ہر میدان میں وہ صدیقہ مؤمنات ہیں۔ فضیلت میں دنیا کی کوئی عورت آپؓ سے نہیں بڑھ سکی۔ حتی کہ بچوں کی پرورش اور بچوں کی زندگی کے متعلق بھی۔

آئندہ روایات میں میری اس بات کی تصدیق ہوگی۔ چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابی آپؐ کی پھوپی حضرت صفیہؓ کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں: حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ حضرت قاسم چل پھرنے کی عمر کو پہنچ کر تکمیل رضاعت سے پہلے وفات پا گئے۔

ایک مرتبہ جب نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ کے ہاں تشریف لے گئے تو وہ فرمانے لگیں، یارسول اللہ! قاسم کا باقی ماندہ دودھ بہنے لگا ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو میرے لئے آسانی ہوتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے لئے تو جنت میں دودھ پلانے والی

مقرر ہے جوان کی رضاعت کی تکمیل کرے گی۔تو حضرت خدیجہؓ فرمانے لگی: مجھے اس کا علم ہو جائے تو میرے لئے اور بھی آسانی ہوگی۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو جنت میں ان کی آواز تمہیں سنا دوں؟ تو فرمانے لگی: اللہ اور ان کے رسول کی تصدیق کرتی ہوں۔

اللہ اکبر! یہی ہیں وہ صدیقہ مؤمنات، ام الاطفال، ہمارے حبیب ﷺ کی زوجہ مطہرہ، دنیا کی تمام ماؤں سے پاکیزہ، تمام انبیاء کی ازواج سے عظیم تر، عالمین کی عورتوں کی سردار، رضی تعالیٰ عنہا وارضاھا۔

حضرت اقدس ﷺ کی تمام بچیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔آپؐ کی بچیوں کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔حضرت زینب، حضرت رقیہ حضرت کلثوم، حضرت فاطمۃ الزہریٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین اور صاحبزادوں میں حضرت قاسمؓ، اور حضرت عبداللہؓ بھی انہی کے بطن سے ہیں۔اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہجرت کے آٹھویں سال پیدا ہوئے اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ساٹھ سال کے قریب ہوگئی تھی۔حضرت ابراہیم کے پیدائش کے وقت ابورافعؓ کی بیوی ان کے پاس تھیں، جب ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو انہوں نے حضور پرنور ﷺ کو اس کی خوشخبری سنائی کہ آپ کے ہاں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا ہے۔تو نبی کریم ﷺ نے ان کی غایت درجہ اکرام کیا۔ پیدائش کے ساتویں دن آپ کا نام بطور تفاول ابو الانبیاء حضرت ابراہیم کے نام مبارک سے برکت حاصل کرتے ہوئے ''ابراہیم'' رکھا۔

حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے کے لئے حضرات انصار کی عورتوں نے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضور پرنور ﷺ کے صاحبزادے کو دودھ پلانے کا شرف وسعادت انہیں نصیب ہو۔لیکن یہ سعادت ایک انصاری صحابیہ حضرت ام سیفؓ کے نصیب میں آئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے کے لئے امِ سیفؓ کا انتخاب کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: رات میرے ہاں بچہ پیدا ہوا اس کا نام میں نے ابراہیم رکھا اور دودھ پلانے کے لئے ام سیف

کے حوالہ کیا۔ (الاصابہ بخاری و مسلم)

آپ ﷺ نے فقراءِ مدینہ پر صدقہ کیا' اور ایک مینڈھا ذبح فرمایا' حضرت ابراہیم کے بالوں کے ہم وزن چاندی مدینہ کے غرباء میں صدقہ کی' اور حضرت ام سیفؓ کو سات بکریاں عطا کیں' تاکہ دودھ کی کمی کی صورت میں انہیں دودھ پلا دیں۔

☆ حضرت ابراہیم ایک سال چند ماہ زندہ رہے' آپ کی عمر کا دوسرا سال آدھا نہیں ہوا تھا کہ بیماری کا حملہ ہوا۔ ان کی راحت کے خاطر ان کی والدہ حضرت ماریہؓ جاگتی رہتیں' لیکن بیماری جانے کا نام نہیں لیتی تھی۔ حتیٰ کہ ان پر مکمل طور پر اثر انداز ہوئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ بھی غمگین ہونے لگے' خصوصاً بچے کے قریب الموت ہونے کے وقت۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت ابراہیم کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھ میں تھے۔ بیٹے کو مرنے کی طرف گامزن پایا۔ انہیں اٹھا کر گود میں لیا اور فرمایا:

﴿یاابراھیم انا لانغنی عنك من اللّٰہ شیئا﴾

''ابراہیم! ہم تجھے اللہ کے اس فیصلہ سے بچا نہیں سکتے''

آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے' پھر فرمایا: اے ابراہیم اگر یہ امر حق اور وعدہ سچا نہ ہوتا اور مر کر پہلوں سے ملنا نہ ہوتا تو آپ کے مرنے پر ہم شدید غم کرتے۔ اے ابراہیم! آپ کے سبب لوگ غمگین ہیں' سب کی آنکھیں پرنم ہیں' دلوں پر حزن طاری ہے۔ مگر زبان سے ایسے کلمات نہیں نکالیں گے جس سے رب ناراض ہوں۔ چنانچہ ابراہیم کا انتقال ہوا۔ ان کے جسدِ خاکی کو ایک چھوٹے سے تختے پر رکھ کر جنت البقیع کی طرف لے جایا گیا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت عمر بن ابوبکر و عمرؓ کے درمیان چلتے رہے' یہاں تک بقیع تک پہنچ گے۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت عثمان بن مطعونؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ پھر ان کی قبر پر آپ ﷺ نے پانی چھڑکا' اور علامت لگائی۔ اپنے بیٹے ابراہیم کے انتقال پر آپ ﷺ نے نہ صرف خود صبر کیا بلکہ دوسروں کو بھی ایسے حالات میں صبر کرنے کی تعلیم دیتے رہے۔ اور بلکہ اولاد کے انتقال کے وقت صبر کرنے پر جنت کی خوشخبری بھی دیتے رہے۔

اسی طرح کی روایت حضرت ابو ہریرۃ سے مروی ہے: فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بچے کو لیکر خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوکر کہنے لگی۔ اس کے لئے دعا کیجئے، تین بچے پہلے دفن کرچکی ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿احتظرت بحظار شديد من النار﴾

''تو نے جہنم سے اپنی مضبوط آڑ بنالی ہے''

اور حضرت جابر بن عبداللہ؄ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

﴿من مات له ثلاثة من الولد فاحتسبهم دخل الجنة﴾

''جس کے تین بچے مرگئے ہوں اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر صرف دو بچے وفات پاگئے ہوں تو؟ فرمایا: ''واثنان دو پر بھی جنت ملے گی'' حضرت جابر سے روایت کرنے والے راوی فرماتے ہیں: میں نے حضرت جابر؄ سے عرض کیا، اگر آپ لوگ صرف ایک بچہ مرنے کے بارے میں پوچھتے تو ایک بچہ کی موت پر بھی جنت کی بشارت سناتے، حضرت جابر؄ نے فرمایا: ''میرا بھی یہی خیال ہے''۔ (الادب المفرد)

حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ بچوں کے ساتھ متعدد قسم کی الطافات وعنایات و مہربانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ کے اوقات میں بچوں کا بھی حصہ تھا۔ چنانچہ آپؐ بچوں کے ساتھ مزاح فرماتے، ان کے ساتھ تفریح کرتے، اور چومتے، اور دوسروں کو بھی بچوں کے ساتھ مہربانی وشفقت کے ساتھ پیش آنے کی تعلیم فرماتے۔

حضرت امام بخاریؒ اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں حضرت عائشہ صدیقہ؄ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ؄ فرماتی ہے۔ ایک دیہاتی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا، کیا تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اگر آپ کے دل سے مہربانی وشفقت کو چھین لے تو میں کیا کروں؟''

آپ کا یہ فرمان: بچوں کے ساتھ لطف ومہربانی' ان کی رعایت' ان کے ساتھ بہترین معاملہ کرنے' ان کو سلام کہنے کی طرف توجہ مبذول کرانے کا لطیف انداز ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مجھے کسی کام کے لئے بھیجا' میں کچھ بچے دیکھ کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے اور بچوں کو سلام کیا۔

(طبقات بن تعرج: ص ۳۸۲)

محمد مصطفیٰ ﷺ بچوں کے ساتھ نرمی اور رفق کا معاملہ فرماتے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی اس کی تعلیم دیتے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے آپؐ کے ساتھ دو غلام بھی تھے۔ ان میں سے ایک غلام حضرت علیؓ کو ہبہ کرتے ہوئے فرمایا ''انہیں مارنا مت' اس لئے کہ مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے''۔ اور ایک غلام حضرت ابوذرؓ کو عطا فرما کر فرمایا: اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا تو حضرت ابوذرؓ نے اسی وقت اس کو آزاد کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا کیا؟ تو ابوذر نے فرمایا: آپؐ ہی نے فرمایا کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کروں' لہٰذا اس کو آزاد کیا۔ (الادب المفرد)

حضراتِ صحابہ کرامؓ بچوں کی تربیت کے اس وسیع میدان میں آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو اپنانے اور آپؐ کے فرمانِ ذیشان پر عمل کرنے کی بھرپور حتی الوسع کوشش کرتے' بسا اوقات ان غلاموں کے ساتھ اگر شدت وسختی سے پیش بھی آتے تو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی بچوں کے ساتھ نرمی وشفقت کے معاملے کو پسند کرنے کی خاطر ان کو غلامی سے آزاد کر دیتے۔

اس قسم کا ایک واقعہ حضرت ابو مسعودؓ یوں بیان فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا' تو پیچھے سے یہ آواز سنی۔ اے ابوذر! تمہاری اس پر قدرت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی تجھ پر قدرت کئی گنا زیادہ ہے' پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور نبی اکرم

ﷺ تشریف فرما تھے۔ تو میں نے فوراً کہا تو پھر یہ اللہ کے لئے آزاد ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر تم اس کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جلا دیتی۔ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ اسی اخلاقِ کریمانہ اور اعمال موفقہ کی تعلیم حضرات صحابہ کو دیتے تھے۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرامؓ بھی بچوں کے ساتھ شفقت، مہربانی، الطاف وعنایات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور اس شفقت و مہربانی اور کمال و جمال کی جھلک بچوں کی زندگیوں میں نظر آتی ہے، جو ہم سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، متعدد سعادت مند بچے ایسے بھی ملتے ہیں جو دست نبوی ﷺ کے زیر تربیت رہنے کی عظیم الشان سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ ان عظیم نیک بخت اور سعادت مند بچوں میں ایک بچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی ہیں جو اخلاق و مکارم کے سایہ میں پروان چڑھے۔ نبوت کے زیر تربیت رہے۔ سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے بچپن ہی میں دولت اسلام سے سرفراز ہوئے۔ یہ جوں جوں جوان ہوتے گئے تو انکا ایمان بھی ساتھ ساتھ جوان ہوتا گیا۔ حتی کہ ایمان ان کے رگ و ریشہ میں رچ بس گیا۔ دل حلاوتِ ایمان سے معمور اور روح نورِ ایمان سے منور ہوئی۔ اللہ کی مہربانی نے آپؓ کو نبوت کی گود نصیب ہونے کی سعات عظیم مرحمت فرمائی۔ اور پھر حضرت علی مشاہیر صحابہؓ اور مشاہیر دنیا میں سے ہوگئے۔ ان سعادت مند بچوں میں زید بن حارثہؓ بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نظروں کے سامنے بچپن کا زمانہ گذارا۔

صحابی بچوں کی طرح بہت ساری صحابی بچیاں بھی ہیں جنہوں نے زمانہ طفولت دربارِ نبوت کے سائے تلے گذارا، اور نبوی لطف و کرم مہربانی و شفقت سے حصہِ وافر پایا۔ من جملہ ان میں نبی کریم ﷺ کی پروردہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ بھی ہیں۔ حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عمر بن ابی سلمہ ہجرت کے زمانے میں حبشہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابوسلمہ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ نکاح کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو پوچھتے این زناب یعنی زینب کہاں ہے؟ زینب کو زناب کہنا یہ زینب کے ساتھ دل لگی کے طور پر تھا۔ ان کے

ساتھ اظہارِ محبت کے طور پر اوران کو خوش کرنے کی غرض سے یہ کلمات فرماتے' تا کہ وہ خوشی کے ساتھ پروان چڑ ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپ ﷺ بچوں کی رعایت فرماتے' ان کی نفسیات اور مزاج کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ فرماتے' اکرام ونرمی سے پیش آتے' حضرت زینب بنت ابی سلمہ سے اکثر یا زناب یا مافعل الزناب کہہ کر دل لگی وخوشگی فرماتے۔

یہ مبارک بچی بھی دربار نبوت سے مکمل طور پر مستفید ہوئی۔ عنایات محمدیہ اور الطاف نبویہ سے بہرہ پایا' چنانچہ اپنے زمانے کی تمام بچیوں اورعورتوں میں سب سے زیادہ فقیہ وعالمہ بنیں۔ مدینہ منورہ میں اگر کسی فقیہ عورت کا مطلق تذکرہ ہوتا تو وہ زینب بنت ابی سلمہؓ ہی ہوتی۔

اسی طرح ان سعادت مند بچیوں میں ام سعد بنت سعد بن ربیع بھی ہیں جنہوں نے رعایتِ نبوت سے خاص طور پر حظّ وافر حاصل کیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ان کے چچا نے ان کے والد کی میراث انہیں دینے سے انکار کیا۔ تو ان کی والدہ عمرۃ بنت حزم بن زید انصاری نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اس کی شکایت کی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔ چنانچہ آیتِ میراث نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا' کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو میراث کا دوتہائی $\frac{2}{3}$ حصہ دو۔ اوران کی والدہ کو آٹھواں حصہ $\frac{1}{8}$ دو جو باقی بچے وہ سب تمہارا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا معاملہ ومہربانی صحابہ کرامؓ کی بچیوں کے ساتھ اپنی بچیوں زینب' رقیہ' ام کلثوم' فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین کے ساتھ مہربانی وشفقت کے معاملے کی طرح تھا۔

ان کی سیرت کو میں نے انتہائی شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتاب ''نساء اھل البیت فی ضوء القرآن والحدیث'' کے اندر بیان کیا ہے ان کی سیرت سے واقفیت اگر مطلوب ہو تو کتابِ مذکور کی طرف رجوع کریں۔

﴿فصلِ دوم﴾

بچوں کے حقوق حدیث کی روشنی میں:

زمانہ جاہلیت میں بعض جاہل قبائل اپنی بچیوں کو عار یا فقیر ہونے کے ڈر سے زندہ درگور کرنے کی رسمِ بد میں مبتلا تھے۔

چنانچہ کسی کے ہاں اگر بچی پیدا ہوتی اور اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہوتا تو چھ سال تک اس کو کچھ نہیں کہتے تھے‘ چھ سال کے بعد اس کی ماں سے کہہ دیتے اس کو خوشبو لگاؤ‘ میک اپ کرو تا کہ میں اس کو اس کے کنویں کی طرف لے جاسکوں۔ صحراء میں ایک کنواں کھودا جاتا اور اس کو اس کنویں تک لے جایا جاتا کنویں کے دہانے پر کھڑی کر کے اس سے کہا جاتا کہ کنویں کے اندر دیکھو جوں ہی وہ کنویں کے اندر جھانکتی تو پیچھے سے دھکا دیکر کنویں کے اندر گرادی جاتی۔ پھر اس پر مٹی ڈال دی جاتی یہاں تک کہ اس گڑھے کو مٹی سے بھر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس عظیم جرم کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (التکویر: ۸۔۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی''۔

زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھنے کا مقصد اس فعلِ قبیح کے مرتکب لوگوں کو خاموش کرانا ہے۔ ورنہ سوال قتل کرنے والوں سے ہونا چاہئے۔ بیان کا یہ انداز اس خباثت کو ظاہر کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لئے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے کہ جب زندہ درگور سے پوچھا جائے گا کہ قتل کسی بڑے عظیم گناہ کی پاداش ہوتا ہے تمہیں کس جرم کی سزا میں قتل کیا گیا؟ تمہارا گناہ کیا تھا؟ جواب میں وہ کہے گی بغیر کسی گناہ کے ارتکاب کے مجھے قتل کیا گیا۔ تو قاتل سخت شرمندہ ہوگا۔ اور مبہوت رہ جائیگا۔

اسلام نے پوری دنیا کو اپنے نور سے منور کیا۔ رسولِ نذیر ہادی وبشیر‘ سراج منیر

سیدنا وحبیبنا محمد ﷺ تشریف لائے تو بچوں کے حقوق کو اجاگر کیا۔ اس سے قبل دنیاءِ انسانیت کی پیشانی پر بچیوں کی زندگیوں کو انتہائی بے دردی سے ختم کر دیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض بچوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا جاتا تھا لیکن اسلام نے لوگوں کو حلال وحرام کی تعلیم دی۔

اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے والدین کی نافرمانی، بخل وسوال، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تم پر حرام کیا ہے اور فضول قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال کو ناپسند فرمایا ہے''

(بخاری باب الرقاق، مسلم باب الاقضیہ)

طبرانی میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے: آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے، والدہ کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، بخل اور مانگنا۔

نبی کریم ﷺ کے اس قولِ مبارک سے ہم بچے کے حقوق معلوم کر سکتے ہیں اور بچوں کو زندگیوں سے محروم کرنے والوں کے انجام کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ مارنا، زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس پر حملہ آور ہونا سخت جرم ہے خواہ مقتول بڑا ہو یا چھوٹا۔

حضور ﷺ نے انتہائی سختی سے بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا ہے اور سخت ناپسند کیا ہے۔ فقر کے خوف سے ہو یا عار کی وجہ سے۔ اس لئے یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اسکی برائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بچی کو زندہ درگور کئے جانے کے وقت شفقت پدری کا جنازہ نکلتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بچے کے لئے بہت سارے حقوق مقرر فرمائے ہیں، من جملہ ان حقوق کے ایک حق محبت کرنا، چیزیں عطاء کرنا، عام معاملات حتیٰ کہ دیکھنے اور بوسہ لینے میں برابری کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ہاں بچی ہو اور اس کو زندہ درگور نہ کیا ہو اور نہ ہی اس کی اہانت کی ہو اور نہ ہی بچے کو اس پر ترجیح دی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے''۔

(مسند احمد: ج۔۲۲۳/ ابوداؤد)

حضور اقدس ﷺ صحابہؓ کو بھی بچوں کے درمیان مساوات کرنے، عدل سے کام لینے کا حکم فرمایا کرتے تھے، حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ ان کے والد ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ میں نے نعمان کو خصوصی طور پر یہ چیزیں عطا کی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمام بچوں کو عطا کیا ہے؟ کہنے لگے: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کسی اور کو گواہ بناؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تابعداری میں سب برابر ہوں؟ کہنے لگے، جی ہاں کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر؟

(الادب المفرد: ۹۳)

ایک روایت یہ ہے: کیا تمام بچوں کو عطاء کیا ہے؟ کہا کہ: نہیں، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنی اولاد کے معاملات میں برابری کرو۔

اس حدیثِ مبارک سے بچوں کے حقوق بلاتفریق ظاہر ہو رہے ہیں، اور والدین کو تمام بچوں کے ساتھ بلاتفریق عدل و مساوات کی ترغیب ہے۔ کوئی چیز عطاء کرنے میں بعض کو بعض پر فوقیت نہ دے اس لئے کہ ایسا کرنے سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کدورت پیدا ہوگی، اور یہ عمل ظلم میں شمار ہوگا، اور انصاف سے کوسوں دور ہوگا۔

حضور ﷺ نے بچوں کے درمیان مساوات کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور فرمایا:

﴿ساووا بین اولادکم فی العطیة﴾

''بچوں کو چیزیں عطاء کرنے میں مساوات سے کام لو''

بلکہ بچوں کے درمیان مساوات کو آپ ﷺ واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اعدلوا بین اولادکم فی النحل کما تحبون ان یعدلوا بینکم فی البر واللطف﴾ (الطبرانی، ابن حبان)

''عطایا میں بچوں میں برابری کرو جیسا کہ اطاعت اور فرماں برداری میں ان سے تم برابری کے خواہاں ہو''

اسلام نے بچوں کے درمیان برابری' عدل وانصاف کو اس وقت بیان کیا تھا جبکہ تمام عالمی تہذیبوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی تھی' چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا' اتنے میں اس کا بچہ آیا' تو اس شخص نے اس کو اٹھایا' بوسہ دیا اور اپنی ران پر بٹھا دیا' اس کے بعد اس کو بچی آئی تو اس کے اپنے سامنے بٹھا دیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿الا سویت بینهما؟﴾ (نسائی)

''ان کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟''

کیا اس قسم کی باریک ولطیف برابری کی مثال کسی ملّت و مذہب میں مل سکتی ہے؟ اور اس شخص کو دونوں بچوں کے درمیان مساوات وعدل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کس قدر لطف ومہربانی سے تعلیم فرمائی؟۔

یہی ہے وہ ذات جو ہادیِ اکبر ہیں' بشیر ہیں' اولاد کے حقوق کی معرفت حاصل کرنے کی کس طرح عظیم الشان تعلیم؟ حتیٰ کہ بوسہ دینے اور بٹھانے تک میں برابری کا ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اہتمام کیا ہے معلّم اعظم' امت پر انتہائی مہربان' امت پر رحم کرنے والے' جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿لَقَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبۃ:۱۲۸)

''تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق ومہربان ہیں''۔

❖ ❖ ❖

❖

فصلِ سوم

بچوں کے ساتھ عنایات نبوی کی مختلف صورتیں:

بچوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مہربانیاں اوران کی توجہات کو بیان کرنے سے قبل ایک سوال اوراس کا جواب بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بعض والدین کی طرف سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ بچوں کی تربیت کے لئے ہم ان کے ساتھ کھیل کود' بھاگ دوڑ کیسے کرسکتے ہیں؟ یہ تو وقار کے خلاف ہے بڑوں کے لئے مناسب نہیں ہے۔

کیا ایسا کرنے سے بچوں کے دلوں سے ہماری ہیبت ختم نہیں ہوگی؟ بلکہ ایک عالم' فاضل' سنجیدہ باوقار شخص کو یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ کھیلے کودے اور بھاگ دوڑ کرے؟۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ: ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ بچہ چھوٹا مرد نہیں کہ بڑوں کی طرح سوچ اور فکر کرے اور بڑوں کی طرح ہر چیز کا لحاظ کرے' اور جیسا چاہے ایسا ہی کرے' اسی طرح ماں باپ چھوٹے نہیں جو اموراور ذمہ داریوں سے بے خبر رہیں بلکہ بچے کی ایک علیحدہ دنیا ہے' جدا سوچ اور تصورات ہیں' لہٰذا ہم بڑوں پر لازم ہے کہ بچوں کے ان جذبات' احساسات وتصورات کا کما حقہ ادراک کریں۔ بچے کی دنیا سے باخبر رہیں' مربی کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تربیت کو اگر ہم اپنالیں گے تو بچوں کے دلوں کے اندر محبت' والفت کے رنگ بھرسکتے ہیں اور آپس کے تعلق کو مزید مستحکم کرسکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں بچوں کی تربیت کے حوالے سے بہت خوبصورت انداز اور بہترین طریقہ موجود ہے جسکو اپنا کر ہم اپنے بچوں کے اخلاق وکردار کے اعلیٰ اقدار کو عظیم زیور سے آراستہ کرسکتے ہیں۔

اگلی سطور میں بچوں اور بچیوں کی نبوی تربیت کی چند جھلکیاں آپ ملاحظہ

کریں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بچوں کے ساتھ رعایت واحسان کا معاملہ فرماتے تھے؟ اور کس طرح اپنی توجہات وارشادات سے ان کی تربیت کرتے تھے؟۔

بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں باوجود اپنی جلالتِ قدر اور عظیم مقام کے بچوں کا بھی کافی حصہ تھا۔ اپنے ارشادات سے ان کو نوازتے' ان کے ساتھ خوش کن کلام کرتے' ان کی خوشی کا مکمل خیال کرتے حتی کہ سخت دل والدین کے دلوں میں بھی بچوں کی محبت ڈال دیتے' جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا اسوقت آپؐ کے پاس اقرع بن حابس بھی بیٹھے ہوئے تھے' اس نے کہا: میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکی طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے:

﴿من لا یرحم لا یُرحم﴾ (الادب المفرد)

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائیگا''۔

زندگی کے ہر معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مثالی نمونہ ہیں حتی کہ بچوں کی تربیت ہو یا زندگی کا اور کوئی گوشہ۔ آپؐ یتیم بچوں اور شہداء کے بچوں پر خصوصی توجہ فرماتے : چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالب چند صحابہ کے ساتھ موتہ میں شہید ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر کے بیٹے عبداللہ اور اس کے بھائی کے پاس آئے ان کے سروں پر دست شفقت رکھا اور آپؐ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے ہماری والدہ کو والد صاحب کی شہادت کی اطلاع دی۔

عبداللہ بن جعفر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر کمال عنایت مبذول کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دستِ شفقت میرے سر پر رکھتے ہوئے میرے ہاتھ پکڑ کر مسجد نبوی تشریف لے گئے۔ منبر پر چڑھے۔ مجھے اپنے سامنے نیچے

زینے پر بٹھا دیا۔آپؐ کے چہرہ انور پر غم کے آثار نمایاں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے جعفر شہید ہو گئے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انہیں دو بازو (پر) عطا کئے ہیں جن کے ذریعے وہ جنت میں اڑتے ہیں۔

پھر ممبر سے نیچے اترے۔اپنے گھر تشریف لے گئے۔میں بھی ان کے ہمراہ گھر میں آیا۔گھر میں کھانا پکانے کا حکم صادر فرمایا: کھانا تیار ہوا۔میرے بھائی کو بلوایا۔ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا: خدا کی قسم انتہائی پاکیزہ اور مبارک کھانا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ نے جَو پیس کر روٹی بنا کر تیل لگا کر دیا تھا۔

اسی طرح ہم تین دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔آپ ﷺ جن زوجہ مطہرہ کے مکان میں تشریف لے جاتے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے۔پھر ہم اپنے گھر واپس آ گئے۔

میں اپنے بھائی کی ایک بکری کو فروخت کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اور فرمایا: اللّٰهم بارك فی صفقتة "اے اللہ اسکی بیع میں برکت ڈال دے"۔

اس کے بعد میں جو بھی خرید و فروخت کرتا اس میں برکت ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کے شہداء کے بیٹوں کے ساتھ لطف و مہربانی کے متعلق حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بن عمیسؓ فرماتی ہیں: حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف لائے' جعفر کے بچوں کو بلایا۔ان کو چوما۔آپؐ کی آنکھیں پرنم تھیں۔میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جعفر کے متعلق کوئی خبر آئی ہے؟ فرمانے لگے: ہاں آج وہ شہید ہو گئے ہیں' تو میں بھی رونے لگی۔ آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے' گھر والوں سے فرمایا: آلِ جعفر کے لئے کھانا تیار کرو انہیں بڑا صدمہ پہنچا ہے۔

آپ ﷺ کی مہربانی یہاں تک محدود نہیں رہی بلکہ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں۔کہ وہ رونے لگیں اور اپنے بچوں کے یتیم ہونے کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ ان کی تنگ دستی کا خوف کر رہی ہیں' حالانکہ میں دنیا اور آخرت میں ان کا سرپرست و ولی ہوں۔آپ ﷺ کی مہربانیاں ہر وقت ان کے ساتھ شامل رہی ہیں۔روایت میں

آتا ہے جب موتہ سے لشکر واپس لوٹا اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچا۔ تو نبی کریم ﷺ ان کے استقبال کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرات صحابہؓ بھی ساتھ تھے' بچے ملاقات کے لئے بڑی تیزی دکھا رہے تھے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار سب سے آگے آگے تشریف لے جا رہے تھے' اور فرما رہے تھے۔ بچوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ سوار کرو' اور ابن جعفرؓ کو مجھے پکڑا دو۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ کو آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ج۔۴' ص:۲۵۲)

بچوں کے ساتھ الفت و محبت اور شفقتِ نبوی' پر وہ لوگ بھی غور کریں جو بچوں کے ساتھ الفت و شفقت نہیں کرتے' حالانکہ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ گھل مل جاتے' ان کو مانوس کرتے اور ان کو خوش کرتے تھے' یہ سب کچھ ہمیں تعلیم دینے کے لئے تھا۔

آیئے درسگارہِ نبوت کے ایک ہونہار اور ہوشمند شاگرد انس بن مالکؓ کی زبانی شفقت نبوی سنتے ہیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ہم سے گھل مل جاتے' یہاں تک میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے:

﴿یااباعمیر مافعل النغیر﴾

''اے ابوعمیر تیرے پرندے کو کیا ہوا؟''۔

بھائی کے پاس ایک پرندہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ ہم آپؐ کے لئے جائے نماز بچھا دیتے جس پر آپؐ نماز پڑھتے ہمیں اپنے پیچھے کھڑے کر دیتے۔ اور بچوں کے دلوں کے اندر بھی دوسروں کے لئے محبت' الفت کی بیج بو دیتے۔ تا کہ بچپن ہی سے صحیح نہج پر چل پڑیں' چنانچہ دوسروں کو سلام کرنے کی عادت ڈلواتے تبھی بچے بڑے ہو کر انہی اعمال صالحہ کے عادی اور خوگر ہو جاتے' جیسا کہ آپؐ کے پروردہ وتربیت یافتہ حضرت انس بن مالکؓ جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو سلام کرتے' اور فرماتے' آپ ﷺ بھی بچوں کو سلام کرتے تھے۔ (بخاری' مسلم)

تربیت نبویؐ اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی' حتی کہ آپ مریض بچوں کی عیادت بھی فرماتے' ان سے حال احوال پوچھتے' آپ ﷺ کی ان عاداتِ کریمہ کے اثرات بچوں

کے دل و دماغ کی گہرائیوں تک پہنچتے اور جگہ پکڑتے' ان کے قلوب بھی ان سے منور ہوتے اور لطف مہربانی' شفقت و مروت کے خوگر ہوتے' آپ ؐ کی عظیم ذات کو اپنے پاس پاکر اپنی تمام تکالیف بھول جاتے' ان کی ہمت بندھ جاتی اور امیدیں بر آتیں' آپ ﷺ کی زیارتِ مبارکہ بہت جلد ثمر آور ہوتی' آپ ﷺ نے اسی طرح اپنے صحابہ کی تربیت کی ہے' یعنی خود عمل کر کے دکھا دیا اور ان کے لئے بہترین نمونہ ثابت ہوئے۔

اس طرح کا ایک واقعہ حضرت انسؓ یوں بیان فرماتے ہیں: ایک یہودی لڑکا آپ کی خدمت کیا کرتا تھا' ایک دفعہ وہ بیمار ہوا' آپ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے' اس کے سرہانے پر تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمانے لگے' ''مسلمان ہو جاؤ'' وہ اپنے والد کی طرف دیکھنے لگا' باپ نے کہا ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مانو' تو اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا' نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے تشریف لے جاتے ہوئے فرمانے لگے۔

﴿الحمد لله الذی انقذه من النار﴾ (بخاری)

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو جہنم کی آگ سے بچا لیا''

بچیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی مہربانیاں:

اس عنوان کے تحت بچیوں کی تربیت' ان کے ساتھ معاملہ اور شفقت کے نبوی طریقے سے آپ کو روشناس کرائیں گے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت اماں عائشہؓ سے مروی ایک روایت آئی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میری چند سہیلیاں بھی کھیلنے کے لئے میرے پاس آیا کرتی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر وہ چھپ جاتی تھیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ ان کے میرے پاس آنے اور کھیلنے سے خوش ہوتے تھے۔ (بخاری)

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ ان گڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: ''مـــا هــذا'' یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے

جواب دیا: میری بیٹیاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ان کے درمیان میں یہ کیا ہے؟

حضرت عائشہؓ: گھوڑا۔

رسول اللہ ﷺ: اس کے اوپر کیا لگا ہے؟

حضرت عائشہؓ: یہ اس کے پر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟

حضرت عائشہؓ: کیا آپ نے سنا نہیں۔ کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے دو پر تھے۔

اس جواب پر آپ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک آپ کے دندانِ مبارک ظاہر ہونے لگے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں بچیوں کی تربیت کا بھی مکمل طریقہ' ان کے ساتھ الفت مہربانی' عنایات و شفقت حضرت اماں عائشہؓ کی زبانی ہمیں ملتی ہے۔ کیوں کہ آپؓ کا بچپن زیر شفقت و زیر تربیت نبویؐ گذرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الطاف محمدیہؐ اور تربیت نبویہؐ کا اثر ان کی ساری زندگی میں نمایاں طور پر موجود رہا۔ چنانچہ وہ والدین کو بچیوں کے ساتھ محبت کرنے اور ان کو زندگیوں کی معرفت حاصل کرنے کے متعلق نصیحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''کھیل کود کی خواہش کرنے والی نوعمر لڑکیوں کے جذبات و احساسات کا ادراک کیا کرو''۔ (نساء اہل البیت: ۱۲۱)

رعایت نبوی اور تربیت محمدی ﷺ کا دائرہ کار صرف اپنے گھر یا رشتے داروں کے اندر محدود نہیں تھا' بلکہ دوسرے صحابہ کرامؓ کی بچیاں بھی اس رعایت و تربیت سے بہرہ مند تھیں۔

اس عظیم الشان تربیت نبویؐ جو اپنی مکمل نورانیت کے ساتھ بچوں کے سینوں کو منور کرتی تھی۔ اسی تربیت گاہ سے تربیت حاصل کر کے صحابہ کرامؓ اخلاق و مکارم' جود و سخاوت اور خصال عالی سے متصف ہو کر خاندان اور معاشرے کا ایک پاکیزہ حصہ بنے' اور صالح افراد پر مشتمل ایک' پاکیزہ معاشرہ تشکیل پایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا' اطفال المسلمین کے ساتھ آپ ﷺ کی مہربانی' لطف و عنایت کا اہتمام کا واقعہ' حبشہ سے مہاجرین کے ساتھ آنے والی ایک بچی ام خالد بنت خالد یوں بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ

کے پاس کچھ کپڑے آئے۔ اس میں ایک چھوٹی سی کالے رنگ کی یمنی چادر بھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون چاہتا ہے کہ میں اس کو یہ چادر پہنادوں؟ ام خالد فرماتی ہیں: سب لوگ خاموش ہوگئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ام خالد کو میرے پاس لاؤ۔ مجھے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے وہ چادر مجھے پہنا کر فرمایا: ''ابلی واخلفی''یعنی اس کے بدن میں پرانی ہوجا اور اپنا نائب چھوڑ' ان الفاظ کو آپ ﷺ دو یا تین مرتبہ دھرایا اور اس چادر میں چند نقش نگار تھے' اپنے انگلی مبارک سے ان اعلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے''ھد سنایا ام خالد'' (اے ام خالد! یہ کتنی اچھی ہے) فرمانے لگے۔

(بخاری باب اللباس)

اس تکریم نبویؐ اور عنایت محمدیؐ کا اثر اس بچی پر ساری زندگی رہا یہان تک کہ بڑی ہوئیں' اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی بڑی راویہ بن گئیں' بلکہ بنات صحابہؓ کی عالمات میں شمار ہونے لگیں' بلکہ آپ ﷺ کی دعا کی بدولت لمبی زندگی پائی اور اس ساری زندگی کو جو نوے ۹۰ سال کی طویل مدت پر محیط تھی' احادیث مبارکہ کی حفاظت میں صرف کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

بچیوں کے ساتھ لطف وعنایات اور ان کی دلجوئی کی ایک صورت وہ بھی ہے جس کو ایک شاہد عدل' درسگاہ نبوت کے تعلیم یافتہ حضرت ابوقتادہؓ بیان فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم ظہر یا عصر کی نماز کے لئے آپ ﷺ کا انتظار کررہے تھے اور حضرت بلالؓ آپ ﷺ کو بلا رہے تھے۔ اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ کی نواسی حضرت زینب کی بیٹی امامہؓ بنت ابی العاص آپ ﷺ کی گردن پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور مصلی پر کھڑے ہوگئے اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بندی کی اور امامہ برابر آپ ﷺ کی گردن میں بیٹھی رہی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہی' ہم نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا۔ جب آپ ﷺ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو امامہ کو نیچے بٹھادیا۔ رکوع سجدہ کرنے کے بعد پھر اس کو اٹھا کر سابقہ جگہ پر بٹھادیا۔ ہر رکوع وسجود کے بعد ان کو نیچے بٹھادیتے' یہ عمل ساری نماز میں ایسا ہی رہا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے' حضرت

امامہؓ کے ساتھ آپ کی اور بھی مہربانیاں رہی ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ فرماتی ہے: نجاشی بادشاہ کی طرف سے کچھ زیورات بطور ہدیہ خدمت اقدس ﷺ میں آئے ہوئے تھے' اس میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی جس میں حبشی نگینہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو امامہؓ کو عطاء فرمایا (طبقات ابن سعد)۔ ایک اور مرتبہ جواہر کا ایک ہار کسی نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا' نبی کریم ﷺ نے اسی کو بھی حضرت امامہ کے گلے میں ڈال دیا۔

بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی مہربانیوں اور عنایات کی بے شمار مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں' یہاں اس کا احاطہ ممکن نہیں ہے' البتہ عمل کرنے والے کے لئے اتنا بھی کافی ہے جو اوپر سطور میں بیان ہوا ہے۔

﴿فصلِ چہارم﴾

طفل اور محبتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

جس کو اللہ تعالیٰ محبت نبی ﷺ کی دولت سے سرفراز فرمادیں اس سے بڑھ کر نیک بخت کون ہوسکتا ہے؟۔اس لئے کہ حضور ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کیا ہے، جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿فوالذی نفسی بیدہ لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ﴾ (بخاری: ج۔۱/ص:۵۸)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے ہر کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک میں اس کے والد اور والدہ سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں"

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَایُؤْمِنُ عَبْدَ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾ (مسلم: ج۔۱/ص۶۰)

"تم سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے اہل، اس کے مال اور دوسرے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"

نبی کریم ﷺ کی محبت، ایمان کی شیرینی کے حصول کے اسباب میں سے ہے۔ جس نے بھی ایمان کی حلاوت کا مزہ چکھا تو اس نے رضاءِ الٰہی سے حظ وافر پایا۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت نقل فرماتے ہیں: حضرت انسؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: تین صفات جس کے اندر موجود ہوں وہ ایمان کی حلاوت سے لطف اندوز ہوگا، ایک یہ کہ اللہ اور رسول کے ساتھ اس کی محبت، سب

چیزوں سے بڑھ کر ہو۔ وہ جو پسند کرے اس کو اللہ ہی کے لئے پسند کرے۔ اسے کفر میں جانا ایسے ناپسند ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا۔ (بخاری/مسلم)

حلاوتِ ایمان کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مزہ آئے' دین کی ترویج کے لئے مشقت برداشت کرے' آخرت کو دنیاوی اغراض پر ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی محبت جنت میں آپؐ کی رفاقت کا سبب بنے گی' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جسے کسی قوم کے ساتھ اس کی محبت ہے مگر ان کے ساتھ ملحق نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿المرء مع من احب﴾ (بخاری' مسلم)

''انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہے''

جب کسی کو آپ ﷺ کی شخصیت' فضائل' اخلاق' اور احوال کی معرفت حاصل ہو جائے تو وہ آپ صلعم کی محبت کا اسیر بن جاتا ہے اور جب آپ ﷺ کی محبت اس کے دل و دماغ میں رچ بس جائیگی تو آپ کے ساتھ تعلق انتہائی مضبوط ہوگا۔ تو محبت کرنے والا اپنے اہل و عیال' اور مال و اولاد سب کچھ کو آپ ﷺ پر قربان کرنے کو انتہائی سعادت سمجھے گا۔

آپ ﷺ کی اس صحیح محبت کے متعلق بچے کو معلومات فراہم کرنی چاہییں۔ اور اس کو یہ بھی سمجھا دینا چاہیے' کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دل و دماغ میں حضور ﷺ کی محبت رچ بس گئی تھی' آپ ﷺ کی صحبت و معیت کو دل و جان سے چاہتے اور تمام متاع اس کے لئے لٹا دیتے تھے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت مختلف مواقع پر کھل کر ظاہر ہوتی تھی' اس محبت کی ایک جھلک ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت کے والہانہ اظہار میں نظر آتی ہے' اسی طرح غزوہ احد میں حضرات صحابہ کا کردار کہ آپ ﷺ کو مشرکین کے تیروں اور نیزوں سے بچانے کے لئے خود کو ڈھال بنا کر تیروں کو اپنے سینوں اور پشتوں پر برداشت کرنا اپنی جانِ پر محبت

رسول کو ترجیح دینے کی اعلیٰ مثال ہے۔

بچوں کو حضرات صحابہؓ سے تابعین کی طرف اس محبت کے منتقل ہونے سے روشناس کرائیں۔ کہ صحابہ کرامؓ نے کس طرح محبتِ رسول بعد میں آنے والوں کے لئے ورثے میں چھوڑی' کہ ایک مرتبہ مشہور تابعی حضرت ثابت بنائیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے فرمایا: لایئے آپؓ کی مبارک آنکھوں کو چوموں جن سے آپؓ نے دیدارِ محمدؐ کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن رزین فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ وہ اوران کے چند ساتھی حج کو چلے' جب مقامِ ربذہ میں پہنچے تو انہیں پتہ چلا' کہ یہاں صحابی رسول ﷺ حضرت سلمہ بن اکوعؓ تشریف فرما ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور سلام کیا پھر ان سے کچھ دریافت کرنے لگے' تو انہوں نے اپنے ہاتھ باہر نکال کر فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہیں جن سے ہم نے آپ ﷺ کے دست مبارک میں بیعت کی ہے' حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ ہم کھڑے ہوئے اور آپؓ کے دونوں ہاتھوں کو ہم سب نے انتہائی عقیدت سے چوما۔

صحابہ وتابعین کی والہانہ محبتوں کے قصے بچوں کو سنا کر ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کا بیج بودیں' اور محبتِ رسول کو ان کے دلوں میں جاگزیں کریں۔ اور ان کو یہ بھی سمجھائیں کہ رسول اللہ کے ساتھ محبت دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو پیدا فرمایا' اور رحمت للعالمین بنا کر جہاں کے لئے مبعوث فرمایا: اللہ خود بھی ان کے ساتھ محبت فرماتے ہیں اور ہمیں بھی ان کے ساتھ محبت اور ان کی پیروی کا حکم دیتے ہیں۔ آپ کی محبت پر مشتمل کتابوں کی نشاندہی بھی فائدے سے خالی نہیں' مثلاً کتاب ''جلاء الافهام فی زیارة خیر الانام'' وغیرہ اور اس میں منتخب مضامین جو محبت الرسول ﷺ کے متعلق ہیں پڑھ کر بچوں کو سنائے جائیں' مثلاً اسی ''جلاء الافہام'' میں حضرت ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: کسی بھی انسان کے ساتھ محبت اس وقت جائز ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی تعظیم کے تابع ہو' جیسا کہ رسول پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت ہے کہ رسول کی محبت مکمل اللہ تعالیٰ کی محبت ہے' اس لئے آپ ﷺ کی امت آپ

ﷺ سے اس لئے محبت کرتی ہے کہ آپ ﷺ محبوب خدا ہیں' اور ان کی تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو معظم بنایا ہے اس لئے یہ محبت و تعظیم عین اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم ہے۔

مربی یا والد پر یہ بھی لازم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کے میدان میں آپ ﷺ کے اداب و احترام اور توقیر کی طرف بھی بچے کے ذہن کو متوجہ کرے' چنانچہ جب آپ ﷺ کے نامِ مبارک سامنے آئے تو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہدے۔ جب بچہ درود شریف پڑھنے کی عادت ڈالے گا تو اس کی برکت سے محبت خود بخود حاصل ہو جائے گی' اور یہ آپؐ کے نام کے اداب میں سے ہے' اور بچوں کو ادب سکھانا والدین کا شرعی فریضہ ہے' فرمانِ رسول ﷺ ہے: اپنی اولاد کو تین آداب سکھاؤ' اپنے نبیؐ کے ساتھ محبت' ان کے اہل بیتؓ کے ساتھ محبت' قرآنِ کریم کی تلاوت۔ بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (فیض القدیر شرح جامع)

اگر نبی اکرم ﷺ کی محبت کا معاملہ اتنا اہم اور ضروری ہے تو مربی پر نبی کرم ﷺ کی محبت' آپ کی تعظیم اور بڑائی بچے کے دل پر بٹھانا انتہائی لازمی ہے' البتہ اس کا آسان ترین اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ مربی خود سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرے' اس کو اپنائے اور آپ ﷺ کی سیرت بچے کے گوش گذار کرے' یا آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ' آپؐ کے اخلاقِ حسنہ' آپؐ کے فضائل' سیرت یا شمائل کی کتابوں سے پڑھ کر سناتا رہے' جس سے اس کے دل و دماغ پر اور اعضاء و جوارح پر بہترین اثر پڑے گا۔

اگر والد رسول اللہ ﷺ کی محبت اپنے بچے کے دل میں جاگزیں کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یقیناً مستقبل میں وہ بچہ بہترین سیرت والا مرد صالح بن سکتا ہے' خصوصاً بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت' آپ کی مہربانی اور الطاف و عنایت کے واقعات پڑھ پڑھ کر سنائے کہ آپ ﷺ کس طرح بچوں کے احوال کی رعایت فرماتے اور اس کا اہتمام کرتے تھے' حضرات حسنینؓ کے ساتھ آپؐ کی محبت' حضرت امامہ بنت ابی العاصؓ کے ساتھ شفقت و محبت' حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کے ساتھ آپؐ کا حسنِ معاملہ

اور دوسرے بچوں کے ساتھ آپ کی مہربانیوں کے واقعات بھی بار بار پڑھ پڑھ کر سنائے اور اس محبت میں مزید اضافہ کرے' اس طرح بچے کے دل میں آپ ﷺ کی محبت بڑھتی چلی جائیگی' والد یا مربی' نبی کریم ﷺ کا بچوں کے ساتھ سلوک' محبت اور شفقت کو بہتر سے بہتر انداز میں اگر بیان کرے تو بچے کے اندر آپ ؐ کی محبت پیدا ہوگی' اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو اپنانے کا داعیہ پیدا ہوگا' اور وہ آپ ؐ کی سیرت کو اپنانے کی کوشش کریگا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کسی کی محبت کسی کے دل میں ڈالنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' البتہ آہستہ آہستہ خود بخود کسی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ شریعت میں اکراہ وزبردستی نہیں ہے' فرمان الٰہی ہے:

﴿لا اکراہ فی الدین﴾ (البقرہ:۲۵٦)

''دین میں زبردستی نہیں''

اور نہ ہی محبت زبردستی کسی کے اندر گھسنے کی کوشش کرتی ہے' محبت ایک تعلق کا نام ہے۔لہذا یہ ایک انتہائی خاص معاملہ ہے۔لیکن خود بخود محبت پیدا نہیں ہوتی ۔ اس محبت کو بچوں کے دل کے اندر داخل کرنے کے لئے حکمت اور دانائی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ بچوں کے سامنے آپ ﷺ کے کمالات بیان کئے جائیں' ان کمالات سے بچوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عظمت بیٹھ جائیگی اور پھر یہ عظمت محبت میں بدل جائیگی' جب محبت پیدا ہو جائے' تو تابعداری اور پیروی کی راہ میں کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔لہذا ہم پر لازم ہے کہ بچوں کے سامنے آپ ﷺ کے کمالات کا تذکرہ کریں۔ شجاعت کے قبیل سے ہو یا سخاوت کے زمرے سے۔جیسا کہ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں! ایک شخص نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا' آپ ؐ نے بہت ساری بکریاں اس کو عطا کردیں' وہ اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگا ''اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ' محمد ؐ اتنا عطا کرتا ہے کہ اس کے بعد دوبارہ فقر کا اندیشہ تک نہیں رہتا''۔کوئی شخص آپ ؐ کے پاس اگرچہ دنیاوی غرض کے لئے آتا مگر آپ ؐ کے پاس آنے کے بعد اس کا دین دنیا پر غالب آجاتا۔

اسی طرح صفوان بن اُمیہؓ جو سب سے آخر میں یعنی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ان کا کہنا ہے کہ غزوہ حنین کے موقع پر آپ ﷺ نے مجھے کچھ عطا کیا مگر اس وقت وہ میرے نزدیک مبغوض ترین شخص تھے' لیکن آپ ﷺ کی مہربانی اور عطاؤں کا سلسلہ برابر جاری رہا' اور ان ہی عطاؤں کے ذریعے انہوں نے میرا دل موہ لیا' اب تمام لوگوں میں میرے نزدیک محبوب ترین شخص آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی ہے' بہرحال محبتِ رسول ﷺ دین پر چلنے اور ایمان کے کامل ہونے کے لئے انتہائی ضروری اور لازمی ہے' محبتِ رسولؐ کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا' لہذا رسول اللہ ﷺ کی محبت کو بچوں کے دلوں میں بٹھانا سخت ضروری ہے۔ مگر حکمت و دانائی اور درست طریقے کے ساتھ۔ وہ ہے آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا تعارف البتہ اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ بچے کی نفسیات کو پہلے معلوم کرے کہ اس کا میلان کس طرف ہے؟۔

چنانچہ بچہ اگر شجاعت کو پسند کرتا ہے اور شجاعت سے محبت ہے' تو اس کے سامنے آپ ﷺ کی شجاعت کے قصے اور آپؐ کے کمال شجاعت کو بیان کرے۔ بچے کو محبت اگر سخاوت سے ہے اور سخاوت کرنے والوں کو پسند کرتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی بے مثال سخاوت اور جود کے واقعات سے اسے روشناس کرائے' بچہ اگر مظلوم و مجبور قسم کے لوگوں کی مدد کو پسند کرتا ہے' تو آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اس گوشے سے اسے واقف کرائے' اس کے علاوہ وعدہ پورا کرنے' عفو و درگذر' ایثار قربانی اور دوسرے فضائل کا خوگر ہے تو آپ ﷺ کی ان عظیم صفات و عادات کو بیان کرے۔

آپ ﷺ کی شجاعت و سخاوت اور دوسرے شاہکار کارناموں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے آداب کو بجالانے کی بھی تربیت دی جائے۔ آپ ﷺ کی حیات میں آپؐ کے ساتھ پیش آنے کے کیا آداب تھے؟ اور دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد کیا۔ اداب ہیں؟ ان سب سے بچوں کو باخبر کیا جائے۔

آپؐ کا ایک ادب یہ ہے کہ عام انسانوں کی طرح آپؐ کا نام لیکر نہ پکارا جائے' اس ادب کی طرف تعلیم دینے کے لئے قرآن کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

﴿لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (النور:۶۳)

''تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو بلالیتا ہے''۔

ایک دوسری جگہ نبی کریم ﷺ کے سامنے زور سے بولنے سے منع کیا گیا ہے' اس لئے آپ کی آواز سے بلند آواز سے بولنا اعمال کے حبط ہونے کا سبب ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۲)

''اے ایمان والو اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کبھی تمہارے اعمال برباد ہو جاویں اور تم کو خبر بھی نہ ہو''۔

آپ ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ پڑھے جانے کے وقت انتہائی خاموشی کے ساتھ سنی جائیں۔ اور بچے کو بھی اس کی ترغیب دیں' اس سے بچے کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عظمت اور ان کا مرتبہ کتنا بلند ہے؟ ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نامِ نامی آئے زور سے درود شریف پڑھیں تاکہ بچے بھی سنیں اور آپ ان کے لئے ایک نمونہ بن جائیں' اور اگر بچہ درود نہ پڑھے تو تنبیہ کی جائے' اور اس کو سمجھایا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے ساتھ بہت محبت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۵٦)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو''

بچے کو یہ بھی یاد دلایا جائے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنا سخاوت اور آپؐ کے نامِ نامی کو سن کر درود نہ پڑھنا بخل ہے۔ نبی کریم ﷺ خود فرماتے ہیں:

﴿البخيل الذی من ذكرت عنده فلم يصل عليّ﴾ (ترمذی)

''وہ شخص کامل بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام آئے اور مجھ پر درود نہ بھیجے''۔

کثرت سے درود شریف پڑھنا تمامِ محبت کا سبب ہے' خاص کر ان اوقات میں کہ جن میں درود شریف پڑھنے کا خود حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا کثرتِ درود پر مداوت کی عادت ڈالی جائے' اور اس کا اہتمام کیا جائے' خصوصاً جمعہ اور شب جمعہ میں اس کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ اس لئے کہ فرمانِ نبویؐ ہے:

﴿اكثروا الصلوة علٰى يوم الجمعة وليلة الجمعة فمن صلی عليّ صلاة صلی الله عليه عشرا﴾

(سنن بیہقی: ج۔۳/ص۔۲۴۹)

''جمعہ اور شب جمعہ میں مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجو' اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے' اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں''۔

مذکورہ آداب کی رعایت کی اگر بچے کو عادت ڈالی جائے اور اسی طرح اگر بچہ محبت اور عظمتِ رسول کے سائے میں نشو ونما پائے تو رضاءِ الٰہی اور جنت نعیم کا مستحق ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی محبت کو بچے کے دل میں مزید پختہ کرنے اور اس میں اضافہ کرنے کے لئے حضرات صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ایمان اور ان کے اسلام کے بصیرت افروز واقعات سے انہیں آگاہ کرے کہ وہ کس طرح آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرتے'

اورکس طرح آپ پر مرمٹنے کو تیار رہتے تھے؟ ان کے نزدیک آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی دنیا کی تمام مخلوق سے عظیم ترین اور قیمتی ترین تھی، حتیٰ کہ ماں باپ سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی انہیں محبوب تھی۔

صحابی بچوں میں آپ ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کرنے والوں میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی ذات اقدس ہے جو آپ ﷺ کے زیر تربیت رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی، تو آپؓ نے دعوت نبویہؐ پر لبیک کہنے میں تاخیر نہیں کی، بلکہ فوراً اسے قبول کیا اور اسلام کی عظیم دولت سے مالا مال ہوئے حتیٰ کہ اس بارہ میں اپنے والد تک سے رائے لینا گوارا نہیں کیا، حالانکہ ان کے والد ابو طالب قریش میں صاحب الرائے تھے، لوگ ان کی باتوں کو مانتے تھے۔ شریف اور بارعب تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود حضرت علیؓ کے دل میں محبت رسول ﷺ تمام کو چھوڑ کر، ایمان کی طرف آنے اور تمام پر آپ ﷺ کو ترجیح دینے کا موجب بنی۔ اور آپ ﷺ اور سیدتنا خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ نماز پڑھنے کی حلاوت سے حضرت علیؓ نے حصہ وافر پایا۔ جب ان کے والد ابو طالب نے انہیں دیکھا تو آپؓ نہ خوف زدہ ہوئے اور نہ گھرائے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں برابر چلتے رہے، کتنا مبارک بچہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت سے سرشار ہوا اور نبی کریم کی ذاتِ اقدس کا سچی محبت کی آنکھوں سے نظارہ کیا۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه و حشرنا معه۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کرنے والے بچوں میں ایک بچہ حضرت مصعب بن عمیر ہیں، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ان ہی سعادت مند اطفال میں سے ایک طفلِ سعید ہیں کہ جن کی محبت آپ ﷺ سے سب سے بڑھ کر تھی۔

مربی پر لازم ہے ان بچوں کی ان محبتوں کو بیان کرے اس طرح بچوں کے سامنے ان اطفالِ صحابہؓ کا بھی تذکرہ کرے جنہیں حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ آپ ﷺ کی محبت سے سرشار ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کے اشارۂ ابرو کی تعمیل کرنے کے لئے ہر وقت اور ہر آن تیار ہیں۔ ان سعادتمند اور نیک بخت اطفال میں

سے ایک طفل حضرت انس بن مالک الانصاریؓ ہیں جنہوں نے دس سال تک حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کی ہے۔

ایک مرتبہ وہ بچوں کے درمیان کھیل میں مصروف تھے' آپ ﷺ تشریف لائے بچوں کو سلام کیا' اور حضرت انسؓ کو کام کے لئے بھیجا' تو حضرت انسؓ کھیل اور ساتھیوں کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے کام کو انجام دینے کے لئے چلے گئے۔ اور کام کو جلد مکمل کر کے واپس آئے' آپ کا چھوٹا سا دل محبت نبویؐ سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت انسؓ آپ ﷺ کی ذات اقدس کی طرف سچی محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسی سچی محبت کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت کی عظیم سعادت وشرف سے نوازا تھا۔ ورنہ اور بھی بچے بہت تھے۔ خدمت کی ایک جھلکی خود انہی کی زبانی سنیئے: فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ قضاءِ حاجت کے لئے تشریف لے جاتے' تو میں اور ایک اور لڑکا آپ ﷺ کے وضوء کا پانی لیکر آپ ﷺ کے پیچھے جاتے آپؐ اس پانی سے استنجا فرماتے''۔ (بخاری' مسلم' بیہقی)

آپ ﷺ کی خدمت کرنے اور آپ کی محبت میں سرشار بچوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ذات گرامی بھی ہے۔ محبت وخدمت میں وہ حضرت انسؓ سے پیچھے نہیں تھے' آپؐ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت پیش پیش تھے۔ امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپ کے لئے وضوء کا پانی رکھا' پوچھا کہ کس نے یہ پانی رکھا ہے؟ آپ ﷺ کو بتلایا گیا' تو فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ﴾ (بخاری)

''اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما''

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وہ مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے مہاجرین کے بچوں میں سب سے پہلے بچے ہیں۔ جب وہ پیدا ہوئے' تو ان کی والدہ حضرت اسماءِ بنت صدیقؓ انہیں لیکر خدمت اقدس میں تحنیک کی غرض سے حاضر ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے

انہیں اٹھایا۔ گود مبارک میں بٹھایا کھجور منگائی اور اس کو چبا کر ان کے منہ میں رکھا۔ اسی طرح دنیا میں پیدا ہونے کے بعد ان کے پیٹ میں پہنچنے والی چیز آپ ﷺ کا لعاب مبارک تھی۔ آپ ﷺ نے ان پر دستِ شفقت پھیرا' ''عبداللہؓ'' نام رکھا' جب حضرت عبداللہ سات یا آٹھ سال کے ہوئے تو اپنے والدِ گرامی حضرت زبیرؓ کے حکم سے بیعت کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا' اور بیعت لی۔

صحابہ کرامؓ کے بچوں نے نبی کریم ﷺ کی محبت کی شیرینی میں پرورش پائی' خود حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی تربیت گاہِ نبوت میں تربیت پائی اور اپنے بچوں کو بھی اس سرچشمہ ہدایت ومحبت کی پرورش میں پروان چڑھایا جس سے وہ خود بھی محبتِ نبی ﷺ سے سرشار ہوئے' اور ان کے بچے بھی حضور ﷺ کی محبت سے معمور ہوئے۔

وينشأنا شئي الفتيان فينا ❖ عـلـى مــا كـان عوّده ابوه

''بچے انہیں عادات پر پروان چڑھتے ہیں جن عادات کا ان کے والدہ انہیں خوگر بنایا ہوتا ہے''۔

بچپن میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خصوصیت تھی' اس لئے کہ چند ہی صحابیؓ بچے ہیں کہ جن سے آنحضرت ﷺ نے بیعت لی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بچوں میں سوائے حضرت حسن' حضرت حسینؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے کسی بھی بچے سے بیعت نہیں لی ہے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''بچوں سے بیعت لینا ان پر کوئی ذمہ داری ڈالنے کے لئے نہیں تھی' بلکہ یہ بیعت' بیعتِ برکت تھی''۔

(شرح مسلم للنووی)

نبی کریم ﷺ کی محبت کو بچوں کے دل میں مزید پختہ کرنے اور حضور ﷺ کی ذات کے لئے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے کے جذبے کو اجاگر کرنے کے لئے

اُن دو بچوں کے ایمان افروز اقدام کو بھی بیان کیا جائے۔ جنہوں نے فرعونِ امت ابوجہل کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ اس واقعے کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ میں غزوہ بدر میں حاضر تھا' جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے' اچانک میری دائیں طرف کھڑا ایک لڑکا پوچھنے لگا' چچا جان! چچا جان! مجھے بتایئے ابوجہل بن ہشام کہاں ہے؟ میں نے کہا: بیٹے! ابوجہل سے تمہارا کیا کام ہے؟ تو کہنے لگا: خدا کی قسم' اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا' اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچاتا ہے۔ پھر بائیں جانب ایک لڑکا کھڑا ہوا' اس نے یہی سوال کیا' جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی' اور اس میں سخت شدت آ گئی تھی کہ اس سے آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ تو میں نے ان دو لڑکوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: جس کی تم تلاش میں ہو وہ ہے' ابوجہل وہی ہے۔ تو میں نے دیکھا وہ دونوں بچے اپنی چھوٹی چھوٹی تلواروں کو لیکر اس کی طرف انتہائی سرعت سے لپکے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن کو قتل کرنے کا شرف سب سے پہلے اسے حاصل ہو۔ پھر انتہائی تیزی اور قوت کے ساتھ اس پر یک بارگی حملہ آور ہوئے ہیں اور ابوجہل کو ڈھیر کر کے زمین پر گرا دیا۔ اس کے زمین بوس ہوتے ہی دونوں حضور ﷺ کو اس کے قتل کی خوشخبری سنانے کے لئے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ! ابوجہل کو میں نے قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا اچھا اپنی تلواریں دکھاؤ' دونوں نے اپنی اپنی تلوار دکھائیں۔ آپ ﷺ تلواروں پر خون لگا دیکھ کر فرمایا ''کلا کما قتلہ'' تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔

بچوں کے جذبات کو اجاگر کرنے اور آپ کی محبت کو ان کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ پیدا کرنے کے لئے صحابیؓ بچوں کے اس قسم کے ایمان افروز واقعات اور آپ ﷺ کے لئے جان کی بازی لگانے کے قصے بار بار سنائے جائیں۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مقام بحرین (سعودی عرب کا ایک علاقہ جو آج کل احساء کے نام سے معروف ہے) میں چند بچے گیند کے ساتھ کھیل رہے

تھے' اتنے میں گیند ایک پادری کے سینے میں لگی' پادری نے گیند پر قبضہ کر کے بچوں کو دینے سے انکار کیا' بچے اس سے گیند مانگتے رہے اور وہ انکار کرتا رہا۔ ان میں سے ایک لڑکے نے کہا میں محمد ﷺ کا واسطہ دیکر مانگتا ہوں۔ گیند مجھے دیدیں۔ تو پادری گیند دینے سے انکار کرتا ہوا بڑ بڑانے لگا۔ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو گالی بکنے لگا۔ جب بچوں نے اس لعین کو گالی بکتے سنا تو ہاکیوں اور ڈنڈوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوئے۔ مسلسل مارتے رہے حتی کہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور مردار ہوا' جب واقعہ کا علم حضرت عمر فاروقؓ کو ہوا تو اتنا زیادہ خوش ہوئے کہ کسی علاقے کی فتح یا بہت زیادہ مالِ غنیمت ملنے پر اتنا خوش ومسرور نہیں ہوئے تھے اور فرمایا: اب اسلام کو غلبہ حاصل ہوگیا کہ بچوں کو نبی کریم ﷺ کی گالی برداشت نہیں ہوئی اور غضب ناک ہوگئے' اس لعین سے اپنا بدلہ چکالیا یہ سب کچھ دین کے ساتھ محبت اور حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت کا نتیجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملعون پادری کے قتل پر کوئی دارو گیر نہیں فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت رکھنے والے نیک بخت اور سعادتمند بچوں میں سے ایک عظیم' ہوشیار' بیدار مغز' ذہین اور آپ ﷺ کا شیدائی بچہ حضرت زید بن ارقم بھی ہیں جنہوں نے رئیس المنافقین والفاسقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے دل کے کھوٹ کو غزوہ بنی المصطلق کے بعد مدینہ منورہ لوٹتے وقت واضح اور آشکارا کیا اور اسلام کے لبادے میں چھپے نفاق کو واشگاف کردیا۔ نبی کریم ﷺ کے متعلق اس کی دلی عداوت سب کے سامنے بے غبار کی۔ واقعہ اس طرح ہوا' کہ ایک پانی پر ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان اختلاف ہوا' معاملہ لڑائی جھگڑے تک پہنچ گیا' مہاجر یا معشر المہاجرین اور انصاری یا معشر الانصار کہہ کر شور مچانے لگے' تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول مہاجر پر سخت غضبناک ہوا' اس کی ایک جماعت تھی' اس میں ایک نوعمر لڑکا زید بن ارقمؓ بھی تھا۔

رئیس المنافقین مہاجرین سے جھگڑا کرتا ہوا کہنے لگا کیا ان مہاجرین نے ایسا کیا ہے؟ ہمارے ملک میں آ کر ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں؟

اللہ کی قسم جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے معزز ذلیلوں کو ملک سے نکال

باہر کریگا۔اس کے علاوہ اور کچھ بکنے کے بعد آس پاس اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر بولنے لگا' ان (مہاجرین) کو تم لوگوں نے خود اپنے سر پر چڑھایا ہے' اپنے شہروں میں ان کو بسایا ہے۔ اپنے اموال ان میں تقسیم کیے ہیں' اللہ کی قسم' اگر تم اپنے اموال ان کو دینا بند کرو گے تو یہ کسی اور ملک چلے جائیں گے۔اس کی اس ہرزہ سرائی کو حضرت زید بن ارقم نے سنا' اور جلدی سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر سارا وقعہ سنایا' اور ابن سلول کے منافقانہ چہرے سے پردے کو ہٹا کر اپنی قوم اور دوسرے مؤمنین کو اس کے مکروہ عزائم سے باخبر کیا۔

﴿بابِ ثانی﴾

عہد نبوت کے چند بچوں کے احوال

فصل اوّل: حضرت علی بن ابی طالبؓ

فصل دوم: حضرت زید بن حارثہؓ

فصل اول سوم: حضرت زید بن ارقمؓ

فصل چہارم: حضرت انس بن مالکؓ

فصل پنجم: حضرت زید بن ثابتؓ

فصل ششم: حضرت عبداللہ بن عباسؓ

فصل ہفتم: حضرت عبداللہ بن عمرؓ

فصل ہشتم: حضرت فاطمۃ الزہریؓ

فصل نہم: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ

﴿فصلِ اوّل﴾

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ایسے عظیم اور سعادتمند بچے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت وتکریم سے نوزا اور ایسے عظیم منصب کے ساتھ مخصوص کیا جو اس کے علاوہ دوسرے کسی صحابیؓ بچے کے حصے میں نہیں آیا۔

میں اس لائق ہی نہیں کہ اس ہستی کے احوال کما حقہ بیان کروں جو زمانہ طفولیت میں بلوغ سے بھی پہلے ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئی۔ میں ان کی منقبت کس طرح بیان کروں کہ وہ بیت نبوت میں ثانی اثنین تھے' اور اسلام کے گھر سے سب سے پہلے برکت حاصل کرنے والے ہیں۔ بھلا میرے قلم میں اتنی سکت کہاں کہ میں اس ہستی کے احوال قلمبند کرسکوں کہ جو حبیب اعظم سیدنا وحبیبنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے نقشِ قدم پر چلے۔ کیا ہے کوئی بڑے سے بڑا لکھنے والا ہے جو اِن عظیم صحابی کے مکمل احوال ومناقب بیان کرنے کی طاقت رکھ سکے؟۔

البتہ ان سطور میں ان کی مبارک زندگی کی چند جھلکیاں پیش کروں گا جس سے آپ کے دل ودماغ معطر' روح میں تازگی اور دماغ میں بیداری پیدا ہوگی۔ تو سن لیجئے! وہ عظیم ہستی حضرت علیؓ تھے جو پروردہ نبوت تھے' سینہ رسالت کے شیر خوار تھے' اللہ نے ان کو عظیم انعامات سے نوازا تھا' وہ بسترِ ایمان کے باسی تھے' آپؓ مکارم اخلاق کے گہوارے کے وہ عظیم بچے ہیں جو اپنی عظیم قسمت کے اعتبار سے سب سے پیش پیش ہیں۔

جسم کے آہستہ آہستہ بڑھنے کے ساتھ آپ کا ایمان بھی بڑھتا گیا' حتی کے دل و دماغ اور جسم کے ریشہ ریشہ میں رچ بس گیا۔ دل ایمان سے معمور اور روح نورِ ایمان سے منور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں اور ان کی عنایات نے رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی نصیب کی تاکہ آپؓ سعادت کی تمام بھلائیوں پر مکمل طور پر فائز ہوسکیں۔ بھلا بیت نبوت کے سائے میں زندگی گذارنے سے بڑھ کر اور کوئی سعادت و نیک بختی ہوسکتی ہے؟

فضیلت و مکرمت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے والی صدیقۃ المؤ منات' سارے جہاں کی عورتوں کی سردار' ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے زیر پرورش رہنے سے بڑھ کر کیا کوئی نیک بختی اور سعادت مندی ہوسکتی ہے؟

بے شک حضرت علیؓ بہت بڑی اور عظیم قسمت اور فضل والے تھے جنہیں اپنے چچا کے عظیم بیٹے' تمام مخلوق سے اشرف ترین' سردار دو جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کے عظیم گھر میں پرورش پانا نصیب ہوا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت علی پر انعامات الٰہی میں سے سب سے بڑا اور عظیم انعام نبی کریم ﷺ کی سرپرستی کا نصیب ہونا ہے۔ وہ اس طرح ہوا' کہ قریش سخت قحط میں مبتلا ہوئے' اور ابو طالب کثیر العیال تھے' تو نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس سے مشورہ کیا' اور فرمایا کہ چچا جان! آپ کے بھائی' ابو طالب کثیر العیال ہیں' لوگ جس قحط میں مبتلا ہیں اس سے بھی آپ خوب واقف ہیں' جیسے چلتے ہیں ابو طالب کے پاس' کہ ان کے ایک بیٹے کی کفالت کی ذمہ داری میں لے لوں اور ایک کی کفالت آپ کریں' اس طرح کر کے ہم ان کے ساتھ مدد کر سکتے ہیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا: جی ہاں بالکل صحیح ہے' چنانچہ دونوں ابو طالب کے پاس آئے' اور کہنے لگے' ہم آپ کے عیال کی کفالت کر کے آپ کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں تاکہ دوسروں کیلئے آسانی ہو۔

ابو طالب نے کہا: عُقیل کو میرے پاس رہنے دو باقیوں کے بارے میں تمہیں اختیار ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی کفالت کا ذمہ لیا' اور ان کو اپنے ساتھ ملایا اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو لیا اس طرح حضرت علیؓ آپؐ کے زیر کفالت و زیر تربیت آئے اور آپؐ کی پرورش میں رہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم کے لئے رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمایا تو حضرت علیؓ نے آپؐ کی پیروی کی' آپؐ پر ایمان لے آئے' اور آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی' بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو بہترین جزا دی۔ وہ اسطرح کہ جب نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی تو آپؐ کے دادا عبدالمطلب کا انتقال ہوا۔ تو ابوطالب نے آپؐ کی کفالت کی تھی اور آپؐ کی چچی ابوطالب کی اہلیہ فاطمہ بنت اسد نے آپؐ کے ساتھ مہربانی وشفقت کا برتاؤ کیا تھا۔ اور بہترین پرورش کی تھی۔ یہاں تک کہ آپ جوان ہوگئے۔

جب قریش قحط میں مبتلاء ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین کفالت کرکے اپنے چچا اور چچی کے احسان کا بہترین بدلہ دیا۔

حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت علیؓ کی پیدائش بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال قبل ہوئی۔ آپؐ کی پرورش میں آکر آپؐ ہی کے ہوکر رہ گئے۔ آپ سے جدا نہیں ہوئے، اس سے معلوم ہوا حضرت علیؓ دس سال کی عمر میں اسلام سے مشرف ہوئے تھے، جو سن بلوغت سے قبل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور اپنے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ آپؓ نے نشو نما پائی، آپؓ اخلاق محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصف ہوئے، نبوی تربیت کا اثر تادم زیست آپؓ کی زندگی پر برقرار رہا۔ حضرت علیؓ بھانپ گئے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کا سرچشمہ ہیں۔ امین ہیں، خلق عظیم اور ربانی آداب کے حامل ہیں۔ آپؓ نے محمدی تربیت کی مہک کا مشاہدہ کیا جس کا عظیم نتیجہ نکلا کہ وہ تمام اطفال پر فوقیت لے گئے۔ اور عظیم بچوں کے رجسٹر میں سرفہرست ہوئے، اور کہا جانے لگا کہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی ہیں۔ آپؓ کی عظمت اور بے انتہا فخر کے لئے لوگوں کا یہی کہنا ہی کافی ہے۔

حضرت علیؓ پر من جملہ انعامات الٰہی میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچوں میں سب سے پہلے نماز پڑھنے والے بھی ہیں۔ حضرت عفیف الکندی کی حدیث اس پر شاہد ہے۔

اشعب بن قیس کے اخیافی بھائی عفیف الکندی کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں: عباس بن عبدالمطلب میرے دوست تھے، وہ یمن سے عطر خرید کر حج کے موسم میں فروخت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عباس کے ساتھ منیٰ کے مقام میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک کامل

الخلقت شخص اس کے پاس آیا، مکمل وضو کیا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی، وضو کیا۔ اور نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ پھر ایک لڑکا آیا جو سنِ بلوغ کے قریب تھا، وہ بھی وضو کر کے ان کے ایک طرف کھڑا ہو کر نماز میں مشغول ہوا۔ تو میں نے کہا: ویحک یا عباس! یہ کونسا دین ہے؟

تو عباس کہنے لگا: یہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ کا دین ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا پیغمبر بنا کر مبعوث کیا ہے، یہ لڑکا میرے، بھائی ابو طالب کا بیٹا ہے۔ جس کا نام علی ہے جس نے ان کے دین کو تسلیم کیا ہے۔ یہ عورت محمد کی اہلیہ خدیجہ ہیں۔ اس نے بھی ان کی پیروکاری اختیار کی ہے، عفیفؓ اسلام لا کر اسمیں پختہ ہونے کے بعد کہا کرتے تھے:

''یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ رَابِعًا''

''''کاش کہ ان کے ساتھ چوتھا نمازی میں ہوتا''

بے شک حضرت علیؓ انتہائی قابلِ رشک ہیں، خاص کر حضرت عفیف کندیؓ کا رشک کرنا بے حد بجا ہے۔ بلکہ یہ تمام ہوشیار لوگوں کے لئے بھی انتہائی قابلِ رشک ہے۔ حضرت علیؓ نے دعوتِ اسلام کی ابتدائی مراحل کو بنظرِ چشم مشاہدہ کیا۔ اور مؤمنین کے ساتھ قریش کے برتاؤ سے بھی بخوبی واقف تھے، قریش کی ایذاؤں سے بھی محفوظ نہ رہے، دوسرے بچوں کی طرح جنہوں نے اپنے ماں باپ کے ساتھ ہجرت کر کے تکلیفیں اٹھائیں، حضرت علیؓ کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے موقع پر بھی حضرت علیؓ کا بڑا کردار رہا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے جاتے ہوئے، لوگوں کی امانتوں کو ان تک پہنچانے اور بڑے فدائین میں شمار کرنے اور اسلام کے درخشندہ ستارہ بنانے کیلئے اپنے بستر پر آپؓ کو ہی لٹا گئے تھے۔

یہ ہے حضرت علیؓ کا بچپن جو بے شمار مکارم وفضائل پر مشتمل ہے، نفس کو مہذب کرنے، طبیعت کو چمکانے والے اعلیٰ اخلاقی خوشبوؤں سے معطر ہے، ان تمام کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ جو کچھ بیان ہوا آپؓ کی ذات سے ابتدئی واقفیت حاصل کرنے کیلئے کافی ہے۔

﴿فصلِ دوم﴾

زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ہم میں سے کون حضرت زیدؓ کو نہیں جانتا؟ حضرت زیدؓ کے نام سے کون واقف نہیں؟ کہ جن کا تذکرہ قرآن کریم نے خاص طور پر نام لیکر کیا ہے۔ وہ واحد صحابیؓ ہیں جن کا نام صراحۃً قرآن میں آیا ہے، جسے پڑھ کر ہم ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ نے آپؓ کا نام لیکر آپ پر انعام دولت ایمان کی صورت میں اور محمد ﷺ کا احسان آزادی دینے کی صورت میں جتلایا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِ﴾ (الاحزاب:۳۷)

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ کو یہ فرماتے سنا گیا ہے:

﴿احبّ الناس الیّ من انعم اللّٰه علیه وانعمت علیه﴾

(الاستیعاب: ج۔۲، ص۔۵۳)

''تمام لوگوں میں مجھے وہ شخص زیادہ محبوب ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، اور میں نے ان پر انعام کیا''۔

☆ حضرت زید کا واقعہ دلوں کو جلاء بخشنے والا عجیب واقعہ ہے، کہ عنایت ربّانی اور نوازشِ الٰہی نے انتہائی دور جگہ سے اٹھا کر قربِ نبوی ﷺ میں جگہ عطا فرمائی، آپؓ کی شفقتوں، مہربانیوں سے مالا مال ہونے کی توفیق بخشی، آپ کی نگرانی میں تربیت پانے کی عظیم سعادت سے بہرہ مند کیا۔ سب سے بڑھ کر سعادت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا محبوب بنایا۔ بچپن ہی میں دعوتِ اسلام کانوں تک پہنچی، جس پر بلاکم وکاست لبیک کہنا نصیب ہوا، انعام الٰہی کے دسترخوان سے سب سے پہلے خوشہ چیں ہونے کا شرف حاصل ہوا، غلاموں میں سب سے پہلے دینِ اسلام قبول کرنے کا شرف صرف انہیں حاصل ہوا۔

قارئینِ کرام! ہرگز یہ نہ سمجھیں' کہ حضرت زید اصلاً غلام تھے' بلکہ وہ اصل عرب ہیں' بلکہ عرب کے اعلیٰ خاندان وقبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں' حارثہ ابن شراحیل کلبی کے بیٹے ہیں' باپ کی طرف سے ان کا نسب یعرب بن قحطان تک اور ماں کی جانب سے قبیلہ طی تک پہنچتا ہے۔ (الاستیعاب: ج۔۴' ص۔۴۷)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت زید کو دربارِ نبوت کے خادم بننا' اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے محبوب بننے کی سعادت ملنا انعام الٰہی اور نعمت خداوندی ہے۔ آپ ﷺ کا محبوب ہونا کوئی کم سعادت نہیں ہے' اس لئے کہ آپ ﷺ پاکیزہ طیب شخص ہی سے محبت کرتے تھے۔

آپؓ کے بچپن کا عظیم واقعہ ہے جو بچوں' جوانوں اور بوڑھوں سب کے لئے نمونہ ہے۔ حضرت زید کے بیت نبوی ﷺ میں پہنچنے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ ایک مرتبہ حضرت زید کی والدہ سعدیٰ بن ثعلبہ اپنی قوم والوں کی ملاقات کے غرض سے اپنے میکے گئیں' اپنے بیٹے ''زید'' کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ وہاں ان کی والدہ کی قوم بنی معن پر قبیلہ بنی قیس بن جسر نے غارت گری کی اور اس میں زید کو بھی اٹھالے گئے' اور وہ اس وقت تک بالغ بھی نہیں ہوئے تھے' چنانچہ اس کو فروخت کرنے کے لئے بازار عکاظ تک پہنچایا گیا' اور فروخت کرنے کے لئے پیش کیا گیا' حکم بن حزام بن خویلد نے ان کو اپنی پھوپی خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت کے لئے خرید لیا' نبی کریم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہؓ نے حضرت زیدؓ کو آپ ﷺ کو ہبہ کردیا۔

ادھر زید کے والدین اور قوم قبیلے کے لوگ سخت غمگین ہوئے اور ان کو تلاش کرنے کے لئے زمین کا کونہ کونہ چھان مارا اور ہر آنے جانے والے سے ان کے بارے معلومات حاصل کرنے کی انتھک کوشش کرتے رہے۔ اور ان کے والد فراق کے غم میں نڈھال ہوکر ہمیشہ چشم پرنم رہتے' اور ہر وقت آہوں پر آہیں بھرتے رہتے' اور شعر کہتے' اور یوں کہتے: زید کہاں گیا؟ زمین اسے کھا گئی یا پہاڑوں میں غائب ہوگیا؟' اسے کیا ہوا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ ایک قصیدہ ملاحظ فرمائیں:

(۱) بکیت علی زید ولم ادر مافعل أحيّ يرجىٰ ام اتى دونه الاجل

(۲) فواللّٰہ ماادری وان کنت سائلاً اغالك سهل الارض ام غالك الجبل

(۳) تذكّرنیه الشمس عند طلوعها وتعرض ذكراه اذا غربُها الافل

(۱) زید پر میں خوب رویا' مجھے نہیں معلوم اس کے ساتھ کیا ہوا آیا وہ زندہ ہے کہ آنے کی امید کروں یا اس کا انتقال ہو گیا ہے؟۔

(۲) اللہ کی قسم! تمہارے بارے میں معلومات لینے کے باوجود مجھے نہیں معلوم کہ زمین نے تمہیں ہڑپ کیا یا پہاڑوں نے نگل لیا؟۔

(۳) سورج طلوع وغروب کے وقت اس کی یاد دلاتا ہے' اور اس کی یاد ہر غروب ہونے والے (سیارے) کے وقت پھر سے گھوم جاتی ہے۔

حضرت زید کے والد ''حارثہ'' اس قسم کے قصیدے غم فراقِ زید پر مسلسل کہتے رہتے' یہاں تک حج کا زمانہ آیا' تو ان کے قبیلہ ''کلب'' کے کچھ لوگ بھی حج کے لئے مکہ مکرمہ آئے اور زید کو دیکھ کر پہچان گئے' زید نے بھی انہیں دیکھ کر پہچان لیا۔ حضرت زید نہیں چاہ رہے تھے کہ ان کے متعلق ان کے گھر اور قوم والوں کو ان کے متعلق تشویش ہو وہ چاہ رہے تھے کہ انہیں یہ اطمینان ہو کہ میں ایک عظیم الشان مقام میں ہوں' عظیم سعادت کی زندگی گذار رہا ہوں اور ایسے گھرانے سے منسلک ہو گیا ہوں جن کی شرافت وعظمت کی مثال دنیائے تاریخ لانے سے قاصر ہے' پھر حضرت زیدؓ نے حج کے لئے آئے ہوئے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا: کہ میری طرف سے میرے گھر والوں کو یہ اشعار پہنچا دؤ میں سمجھتا ہوں وہ میری وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا:

(۱) احنّ علی قوم وان کنت نائیاً فانی قعید البیت عند المشاعر

(۲) فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر

(۳) فانی بحمد اللّٰہ فی خیر اسرۃ کرام معد کا برا بعد کابر

(۱) میں ایک قوم کا غم کھاتا ہوں جبکہ میں اس سے دور ہوں کیونکہ میں مشاعر کے

پاس گھر میں بیٹھا ہوا ہوں۔

(۲) اس کا غم کھانے سے اپنے آپ کو سنبھال لو جس نے تمہیں زخمی کر دیا ہے اور زمین میں مینگنیوں کی مدد کرنے سے رک جاؤ۔

(۳) میں الحمدللہ ایسے خاندان کا فرد ہوں جو نسل در نسل بڑی شان و شوکت میں شمار کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ قبیلہ کلب کے ان لوگوں نے جا کر حضرت زیدؓ کے والد کو بیٹے کے بارے اطلاع دی، تو ان کے والد فوراً کہنے لگا: رب کعبہ کی قسم: میرا بیٹا وہاں ہے؟۔ چنانچہ ان کے والد حارثہ بن شراحیل اور چچا کعب بن شراحیل فدیہ دیکر ان کو چھڑانے کی غرض سے چل پڑے، وہ مکہ مکرمہ پہنچے اور مسجد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے، اے عبدالمطلب کے بیٹے! اے ہاشم کے صاحب زادے! آپ لوگ حرم کے رہنے والے اور پڑوسی ہیں، ہم اپنے بیٹے کے سلسلے میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں، ہم سے احسان کا معاملہ فرمائیں۔ آپ ہم سے ان کا فدیہ لے لیں آپ جو چاہیں گے ہم اسے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

☆ نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہوسکتی؟ وہ کہنے لگے: شریف زادے وہ کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: زید کو بلا لیتے ہیں انہیں اختیار دیدیتے ہیں اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کریگا تو ٹھیک ہے اسے لے جاؤ، اگر میرے پاس ٹھہرنا چاہے اور مجھے اختیار کرنا چاہے، تو اللہ کی قسم، جس نے مجھے پسند کیا اور مجھے اختیار کیا اسے چھوڑ کر دوسروں کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ تو انہوں نے کہا: آپ نے تو ہم پر مزید احسان کا معاملہ کیا، تو نبی کریم، حبیب اعظم ﷺ نے حضرت زید کو بلوا کر ان سے فرمایا: تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟ کہنے لگا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''من هذا؟'' یہ کون ہے؟ حضرت زید نے فرمایا: یہ میرا والد ہے: اور یہ میرا چچا کعب بن شراحیل ہے: تو آپ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا: تم مجھے بھی جانتے ہو، میری صحبت میں رہ چکے ہو، اب تمہیں اختیار ہے، ان کے ساتھ جانا چاہو، یا میرے پاس رہو اور مجھے اختیار کرو۔

☆ اب بچوں کی دنیا میں ایک عظیم بچے کی عظمت کے اجاگر ہونے کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا عظیم جواب دیا۔ جوان کے والد اور چچا کو ورطہِ حیرت میں ڈال گیا۔ اور ان کو حیران و ششدر کر گیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کے متعلق ایسے کلمات کہے جن سے وفا' اخلاص' انتہائی والہانہ الفت و محبت کی خوشبو مہک اٹھی' انہوں نے فرمایا: میں آپؐ کے مقابلے میں کسی کو بھی اختیار نہیں کرسکتا۔ اور آپؐ پر کسی کو کیسے ترجیح دے سکتا؟ آپؐ تو میرے باپ اور چچا سے بڑھ کر ہیں۔ زید کے جواب سے ان کے والد اور چچا کو سخت حیرت ہوئی۔ اور وہ انتہائی اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں یقین تھا کہ زید ہمیں دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سمائے گا۔ خوشی کی انتہا کو پہنچ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ان کے گمان کے مطابق قید یا غلامی سے خلاصی پانا چاہتا تھا۔ مگر خلاف توقع جواب سن کر کہنے لگے' اے زید! تیرا ناس ہو تم آزادی' اپنے والدین' چچوں اور خاندان والوں پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو؟۔

☆ حضرت زیدؓ تھوڑی دیر خاموش رہے' ان کے چھوٹے سے ذہن پر نبوی مہربانیاں اور عنایات اور خود پر رکھے گئے دست شفقت اور دل میں آپؐ کی محبت گھومنے لگی' آپؐ نے خاندان محمدیہؐ میں جو کچھ دیکھا تھا دنیا اس سے بے خبر تھی' آپ ﷺ کی وہ عظیم شفقت جو شفیق باپ سے کئی گنا بڑھ کر تھی آپ کے دل و دماغ میں گھومنے لگے' تو جواب میں فرمایا: نعم یا ابتاہ' جی ہاں ابا جان! اس ذات میں ایسی چیز دیکھی ہے کہ میں کبھی بھی کسی اور کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

☆ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت زیدؓ کے اندر وفا' رقت و محبت کا یہ رنگ دیکھا' تو حضرت زید کو اپنے گود میں اٹھا کر فرمایا: اے لوگو! تم گواہ بن جاؤ زید میرا بیٹا ہے' یہ میرا وارث ہے' میں اس کا وارث ہوں۔

☆ جب زید کے والد اور چچا نے یہ منظرِ دل آویز کا بچشم خود نظارہ کیا تو بہت خوش ہوئے' ان کو الوداع کہا' اور انتہائی سرور و فرحت کے عالم میں واپس لوٹے۔ اور زیدؓ آج سے زید بن محمد کہہ کر پکارے جانے لگے۔ جب قرآن نازل ہوا' تو یہ حکم بھی آیا کہ:

﴿ادعوھم لا بائھم﴾ (الاحزاب:۵)

''تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو''۔

اس کے بعد زید بن محمدؓ کے بجائے زید بن حارثہ کے نام سے پکارے جانے لگے اور دوسرے لے پالکوں کو بھی ان کے اصل اباء کے ناموں کے ساتھ پکارا جانے لگا۔

☆ حضرت زید بن حارثہؓ نے آغوشِ نبوت میں انہی مبارک اخلاقِ کریمانہ کے ساتھ پرورش پائی' اور الہام الٰہی سے رسول اللہ ﷺ کو اپنے والدین' خاندان' قوم قبیلے اور تمام لوگوں پر ترجیح دیکر آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کو اختیار کر کے تاریخ طفولیت میں ایک عظیم کارنامہ ریکارڈ کیا ہے۔اسی وجہ سے حضور پرنور جناب حضرت محمد ﷺ کو ان کے ساتھ خاص محبت تھی' اور حِبِ رسول ﷺ کے عظیم نام سے معروف ہوئے' آپ ﷺ لوگوں سے فرماتے ہیں:

﴿لاتلومونا علی حبّ زید﴾

''تم زید کی محبت کے متعلق مجھے ملامت نہ کرو''

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا:

﴿یَا زَیدُ! اَنتَ مَولَایَ وَمِنِّیَ وَاَحَبُّ القَومَ اِلَیَّ﴾

(طبقات ابن سعد:ج۔۳'ص:۴۳)

''اے زید! تو میرا دوست ہے اور مجھ سے ہے اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے''۔

آپؓ نے بچپن کی زندگی آغوش نبوت میں اس طرح شیریں اور قابل رشک گذاری کہ جس کے نتیجے میں مشاہیر صحابہ میں شمار ہوئے' اور اعلیٰ مقام پایا۔رضی اللہ عنہ وارضاہ

❖❖❖

❖

﴿فصلِ سوم﴾

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

وہ کتنا عظیم بچہ ہے جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کی۔ جس کو خوشخبری سنانے کے لئے صدیق اکبرؓ اور عمر فاروق ؓ جیسی شخصیات ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتی ہیں، کون ہے وہ مبارک طفل جس کی سچائی کی شہادت خود زبان محمد سردار دو جہاں ﷺ بنفسِ نفیس دیتی ہے، جس کو کہا جارہا ہے ''ان اللہ صدقك'' تیرے قول کی سچائی کی شہادت رب دو جہان نے دی۔

یہ بیدار مغز، صادق طفل جسکو دنیا زید بن ارقم الانصاری الخزرجی کے نام سے جانتی ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورۃ تشریف لانے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی محبت سے سرشار تھے، انصار کے دوسرے بچوں کے ساتھ استقبالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیش پیش تھے، اور انتہائی سرورخوشی میں اللـــہ اکبـر جـآء رسـول اللہ، اللہ اکبر جآء محمد، کے نعرے لگارہے تھے۔

حضرت زید بن ارقمؓ نے اپنا بچپن، مدینہ منورہ میں یتیمی کی حالت میں گزارا، والد کے انتقال کے وقت آپؓ ایک بچے تھے، مگر اپنا بچپن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی پرورش میں گذارا، حضرت عبداللہؓ نے ان کی نگرانی کی، جب اسلام کی کرنیں مدینہ منورہ تک پہنچیں، تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے حضرت زیدؓ کو بھی اس سے باخبر کیا اور اس طرح وہ اسلام کی عظیم دولت سے مالا مال ہوئے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر آپؓ نے ایک عظیم کارنامہ اس طرح انجام دیا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی قلبی خواہش کو دنیا کے سامنے واشگاف کیا۔

واقعہ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر راستے میں ایک پانی پر دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا۔ ایک ان میں سے انصاری تھا، دوسرا مہاجر، تو عبداللہ

بن ابی ابن سلول غضبناک ہوکر اپنی قوم کو ملامت کرنے لگا' اور کہنے لگا' تم محمدؐ کے ساتھیوں کی مدد کرنا چھوڑ دو' اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا' جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے معزز لوگ ذلیلوں کو ملک سے نکال باہر کریں گے۔

☆ اس کی اس ہرزہ سرائی کو حضرت زید بن ارقمؓ نے سنا' اور ابن سلول سے مخاطب ہوکر کہنے لگے' خدا کی قسم! تم ہی ذلیل وخوار ہو' خدا کی قسم! آئندہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں عبداللہ بن سلول حضرت زید سے کہنے لگا' تم خاموش ہوجاؤ' یہ باتیں میں مذاقاً کہہ رہا تھا' لیکن حضرت زید بن ارقمؓ نے سیدھا خدمت نبوی ﷺ میں جاکر اس کی ساری باتیں نقل کردیں' آپ ﷺ نے ابن سلول کو بلا بھیجا۔ چنانچہ وہ آیا' اور کہنے لگا' ہوسکتا ہے اس بچے کو غلط فہمی ہوئی ہو' حضرت زیدؓ کسی طرح اپنے قول کو ثابت نہ کرسکے' اور عبداللہ بن سلول کی اس منافقت پر سخت رنجیدہ ہوئے' اور محسوس ہونے لگا کہ ابن سلول کی منافقت کے سبب اس کا دل نہ پھٹ جائے۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون نازل فرمائی' جس میں منافقین کا کچا چٹھا سب کچھ ظاہر کردیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت زید بن ارقم کو بلا کر سورۃ المنافقون سنائی اور فرمایا:

﴿ان اللّٰه قد صدقك يا زيد﴾ (الاستیعاب: ج۔۴' ص۳۹)

''اے زید! رب ذوالجلال نے تیری تصدیق کی ہے''۔

حضرت ابن عبدالبرؒ حضرت زیدؓ کی تصدیق کے متعلق فرماتے ہیں: جب حضرت زیدؓ کی تصدیقِ ربانی آئی تو ان کو خوشخبری سنانے کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ مگر صدیق اکبرؓ پہل کر کے خوشخبری سنا کر بازی لے گئے تو عمر فاروقؓ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا: آئندہ میں کسی چیز میں بھی تجھ سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کروں گا۔

☆ حضرت زید بن ارقمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خوشخبری کو سنکر خود رسالت مآب کی زبانی سننے کے لئے جلدی جلدی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ کو آتے دیکھ

کر آپ ﷺ تبسم فرمایا: اور فرمایا کہ زید آج تمام لوگوں میں عظیم سعادت سے بہرور ہو رہا ہے۔

اس واقعے کو حضرت زیدؓ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں:

آپ ﷺ نے میرے کان کو ہاتھ لگا کر مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ آپؐ کی اس کیفیت سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر ساری دنیا کو ہمیشہ کے لئے میرے حوالہ کر دیا جاتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ مجھ سے ملے اور فرمانے لگے' رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا؟: میں نے کہا کچھ نہیں۔

پھر حضرت عمرؓ ملے' اور انہوں نے بھی یہی پوچھا' ان کو بھی وہی جواب دیا جو ابوبکرؓ کو دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے سورۃ المنافقون سنائی۔

(الاستیعاب: ج۔۴' ص۔۴۹)

حضرت زیدؓ نے آپ ﷺ کے راز کی حفاظت کی حتی کہ وہ راز ابوبکرؓ اور عمرؓ تک کو نہیں بتایا اس طرح مدرسہ محمدیہ ﷺ کے عظیم شاگردی کا حق ادا کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

❖❖❖
❖

فصلِ چہارم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے جب ان کا نام آجاتا ہے تو ذہن کو بہت خوشی ہوتی ہے پھروہی ذہن پر چھائے رہتے ہیں۔ یہ ہوشمند اور دانشمند بچہ جس نے قربِ نبوی اور خدمت نبوی ﷺ میں دس بہاریں گذاریں حضرت انسؓ ہیں' جب آپ کی خدمت میں آئے تو بچے تھے آپ ﷺ کے قرب رہ کر آپ ﷺ کی خدمت کرتے کرتے جوانی میں قدم رکھا' بیتِ نبوی کے آغوش میں آپ کا بچپن برکتوں' سعادتوں اور شرافتوں سے بھرا بچپن تھا' نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے وقت حضرت انسؓ کی عمر دس سال تھی' اور دس سال آپ ﷺ کی خدمت کرتے گذاری' آپ ﷺ نے ان کے لئے مال اور اولاد میں کثرت و زیادتی اور برکت کی دعاء کی تھی' چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے آپؓ کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا' اس باغ میں ریحان کا پھول تھا' جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

☆ آپ کا بچپن انتہائی منور رہے۔ والد کے انتقال کے وقت آپؓ چھوٹے سے تھے' آپؓ اپنی والدہ ماجدہ امّ سلیم بنت ملحان کی زیر تربیت رہے' ام سلیم وہ عظیم عورت ہیں جو انصار کی عورتوں میں نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں انہوں نے اپنے لختِ جگر حضرت انسؓ کو بھی دارین کی عظیم سعادت یعنی آپ ﷺ پر ایمان لانے کی تلقین کی' سعادت مند بیٹے نے بے کم و کاست والدہ محترمہ کی نصیحت کو قبول کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھنے کی سعادت حاصل کی' یوں دارین کی عظیم سعادت پر فائز ہوئے۔

حضرت انسؓ اپنی اس عظیم فاضلہ والدہ کی تربیت میں رہے۔ ان کی والدہ ہر طرح ان کا خیال کیا کرتی تھیں' ان کے والد کا جب انتقال ہوا تھا اس وقت وہ شیر خوار تھے' والدہ نے یہ عزم کیا کہ جب تک انسؓ خود دودھ نہیں چھوڑتے' دودھ نہیں چھڑاؤں گی' اور

کسی مرد سے اس وقت تک شادی نہیں کروں گی جب تک انسؓ اجازت نہیں دیتے' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

☆ شیر خوارگی ہی میں حضور ﷺ کی عظمت واحترام آپؓ کے دل ودماغ میں بیٹھ گئی تھی' آپ ﷺ کی محبت سے اس وقت سے واقف تھے جب آپؓ کا دودھ بھی نہیں چھڑایا گیا تھا۔ اس لئے کہ ان کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ کی عظمت' آپؐ کے رتبے اور آپ کے خاتم المرسلین ہونے کے بارے اسے روشناس کراتی رہتی تھیں۔

☆ حضرت انسؓ اپنی والدہ سے یہ سب کچھ سنکر دیدار نبویؐ کے مشتاق رہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا دیدار کب نصیب ہوگا؟ آپ ﷺ کب مدینے میں قدم رنجہ فرمائیں گے۔

☆ نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ام سلیم کو اپنے لختِ جگر کے علاوہ اور کوئی قیمتی ترین متاع نہیں ملی جس کو خدمت اقدس میں پیش کیا جاسکے' چنانچہ حضرت ام سلیم نے اپنے اس نورِ نظر کو خدمت نبوی علی صاحبہا الصلوات تسلیم میں پیش کیا۔ چنانچہ انتہائی حیاء کے ساتھ اپنے سعادتمند بچے کو لیکر آپ کے دربار میں حاضر ہوئیں کہنے لگیں: یا رسول اللہ! یہ چھوٹا سا انس ہے جس کو لیکر آپ کے دربار میں حاضر ہوئی ہوں' یہ آپؐ کی خدمت کیا کریگا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کیجئے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اللھم اکثر مالہ و ولدہ﴾ (دلائل النبوۃ: ج۔۶' ص۔۱۹۴)

''اے اللہ! ان کے مال و دولت کو زیادہ فرما''۔

آپ ﷺ کی اس دعا کی برکت تھی کہ حضرت انسؓ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ اولاد والے تھے۔ (تہذیب الاسلام)

حضرت انسؓ خود فرمایا کرتے تھے' کہ میں آپ ﷺ کی دعا کی برکت کو اپنی ذات' اپنے مال واولاد میں خوب دیکھتا ہوں۔

☆ حضرت انسؓ کی والدہ انتہائی صاحبِ بصیرت خاتون تھیں انہوں نے ان کی اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ پڑھنے پڑھانے کا بھی انتظام کیا تھا' یہی وجہ ہے کہ آپؓ

بلوغ سے پہلے ہی اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں خادم بننے کا شرف بخشا تو عزت و تکریم کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ ساداتِ صحابہؓ میں شمار ہونے لگا۔

☆ ہوشیار و سعادت مند بچے نے بیت نبویؐ میں پہنچ کر عزت پائی' مربی اعظم محمد مصطفیٰ ﷺ کی مہربانیوں اور رعنائیوں کو سمیٹا اور خادمِ رسول ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ چنانچہ لوگوں میں خادمِ رسول کے مبارک نام سے معروف ہوئے۔ خود حضرت انسؓ بڑے فخر سے خود کو مزے لےلیکر خادم رسول کہتے تھے۔ واقعۃً یہ قابل فخر ہے' اور ان کا فخر بجا ہے' حضرت انسؓ فرماتے تھے۔ مجھے امید ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کروں گا' اور ان سے کہوں گا' یہ آپ کا چھوٹا سا خادم حاضر ہے' رسول اللہ ﷺ حضرت انسؓ سے بے حد محبت کرتے تھے' ان کی رعایت فرمایا کرتے تھے' ان کے ساتھ مزاح بھی کیا کرتے تھے' فرماتے: (یا ذاالاذنین) ''اے دو کانوں والے''۔

حضرت انسؓ بھی اپنے دل میں اس مزاح کی ٹھنڈک صاف طور پر محسوس کرتے' اپنے دل کو سعادت سے بھر جانے کا احساس کرتے۔ آپ ﷺ کی محبت کا انہیں ادراک تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ آپ کے گیسو مبارک پکڑ کر کھینچ دیتے۔

☆ یہ ہے طریقہ نبویہ جو بچوں کی تربیت میں کارفرما رہا ہے اور یہ ہے وہ نمایاں شفقت نبوی ﷺ جس نے حضرت انسؓ کو اعلیٰ اخلاق نبوی سے مزین کیا حضرت انسؓ خود فرماتے ہیں: میں نے کوئی عنبر یا مشک کی خوشبو آپؐ کے بدنِ مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر نہیں دیکھی اور نہ ہی کوئی ریشم و حریر دیکھے جو آپ کے جسم اطہر سے زیادہ نرم ہوں۔

☆ حضرت انسؓ کے متعلق حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کے پاس جا کر عرض کیا: آپؓ کی آنکھیں زیارتِ نبوی سے مشرف ہیں؟ کہنے لگے: ہاں' ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ان آنکھوں کو چوما' میں نے کہا: آپ کے قدم نبی کریم ﷺ کے کسی ضرورت اور کام کے لئے چلے ہوں گے؟ کہنے لگے: جی ہاں' تو میں نے انہیں بھی بوسہ دیا۔ پھر میں نے کہا: آپ کے ہاتھوں نے آپ

ﷺ کے دستِ مبارک پر پانی ڈالنے کی سعادت حاصل کی ہوگی؟ تو حضرت انسؓ نے فرمایا: ہاں، میں نے انہیں بھی چوما۔ اس کے بعد حضرت انسؓ نے مجھ سے فرمایا: ثابت! ایک مرتبہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر پانی بہانے کی سعادت حاصل کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیٹے! خوب اچھی طرح وضوء کرو، تمہاری عمر میں زیادتی ہوگی، سلام کو پھیلاؤ، تیری نیکیاں زیادہ ہوں گی، قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کرو، قیامت کے دن قرآن ان دو انگلیوں کی طرح تمہارے ساتھ ساتھ ہوگا۔ آپؐ نے دونوں انگلیوں کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کیا۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج۔۵، ص۔۶۹)

☆ حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ عظیمہ سے بہت کچھ حاصل کیا، آپ ﷺ کے راز کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے، سب سے زیادہ آپؐ کے اقتداء کرنے والے بھی یہی تھے، آپؓ کی طفولت انتہائی بابرکت اور نتیجہ خیز تھی، آپؓ نے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ہوکر خوب استفادہ کیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

آپؓ کی زبان سے حکمت کی باتیں ظاہر ہوئیں، ایسا لگتا تھا گویا کہ نبوت کی زبان بول رہی ہے۔ مثلاً ان کا قول ہے:

﴿لَا يَتَّقِي اللّٰهَ عَبْدٌ حَتّٰى يُخْزِنَ مِنْ لِّسَانِهٖ﴾ (طبقات ابن سلام)

"کوئی بھی شخص اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جس وقت تک کہ وہ اپنی زبان کی نگہداشت نہ کرے"۔

اسی طرح اپنے بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يا بنّي قيدوا العلم بالكتاب﴾

"بیٹے علم کو لکھ کر محفوظ کرو"

❖❖❖

❖

﴿فصلِ پنجم﴾

حضرت زید بن ثابتؓ:

امام المرسلین حضور پرنور محمد ﷺ کے زیر تربیت رہنے والے سعادت مند بچوں کی زندگی کے احوال اور قصوں میں دنیا کے سارے بچوں کے لئے نصیحت' عبرت اور رہنمائی وہدایت ہے' اس لئے کہ یہ بچے اخلاص ومحبت کے پیکر تھے' اور محبتِ رسول اللہ ﷺ کے میدان کے سب سے پہلے شہسوار تھے۔ ان صفحات میں انہی عظیم بچوں میں سے ایک بچے کا تذکرہ ہوگا۔ جو انصار کے قبیلہ بنونجار کے ایک عظیم سپوت ہیں بڑے ہوکر کاتب وحی' کاتب قرآن ہونے کی اعلیٰ سعادت پر فائز ہوئے' علم میراث کے ماہر ہوئے' خود زبانِ رسالت سے علم میراث میں ان کی مہارت کی تصدیق ان مبارک الفاظ ﴿اَفْرَضُ اُمَّتِیْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ﴾ ''زید بن ثابت میری امت میں علم میراث میں سب سے زیادہ ماہر ہے'' سے ہوئی۔ اس عظیم انصاری بچے کو دنیا زید بن ثابت انصاریؓ کے نام سے جانتی ہے' یہ وہ عظیم اور ہونہار طفل ہے جو بعد میں کبار علماء صحابہؓ میں شمار ہونے لگے' جنہوں نے شیخ القراء' شیخ علم المیراث' مفتیِ مدینہ اور کاتبِ وحی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ (علماء صحابہ)

اخلاق ومکارم کے آسمان میں بلند سے بلندتر ہونے کے لئے یہ اعزازات ہی کافی ہیں جو حضرت زید بن ثابتؓ کو حاصل رہے۔

☆ یہ ہیں زید بن ثابتؓ ' کہ حضور نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے ہی ایمان نے ان کے دل میں اپنے لئے جگہ بنالی تھی آپؓ انتہائی کم عمری میں قرآنِ کریم کی کئی صورتیں اپنے دل ودماغ کے خزانے میں محفوظ کرنے کی سعادت حاصل کرچکے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے موقع پر آپؓ کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔

حضرت زید بن ثابت نے بھی اپنا بچپن حالت یتیمی میں گذارا' تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کے والد ہجرت سے پانچ سال قبل جنگ بعاث میں

قتل ہو گئے تھے۔اس وقت ان کی عمر کم وبیش پانچ چھ سال تھی' مگر ان کی والدہ ایک ذی فہم ذی عقل اور شریف خاتون تھیں' آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل ہی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئی تھیں' اور اپنے لخت جگر حضرت زیدؓ کو روحانی غذا بذریعہ قرآن کریم پہنچانے کا انتظام کر چکی تھیں۔

سید الاولین والآخرین محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت سے اپنے نور نظر کے قلب کو سرشار کرنے کا بھی اچھی طرح اہتمام کیا تھا' جس کی وجہ سے ان کا یہ سعادتمند صاحبزادہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کی دولت عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گیا تھا۔

☆ آخر کار وہ دن آ ہی گیا کہ جس سے سارا مدینہ جگمگا اٹھا' نبوت کی نورانی کرنوں سے سارا مدینہ منّور ہو گیا مدینہ کے تمام لوگ دیدار نبوی سے مشرف ہونے کے لئے استقبال کی غرض سے گھروں سے باہر نکل آئے تو حضرت زید بن ثابتؓ بھی دوسرے بچوں کے ساتھ اپنے پیارے محبوب' محبوبِ خدا سید الانبیاء والمرسلین کو خوش آمدید کہنے اور آپؐ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے باہر نکل آئے۔

حضرت امام بخاریؒ حضرت براء بن عازبؓ کا قول نقل کرتے ہیں: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگوں کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی' میں نے اس سے پہلے کبھی بھی کسی بھی خوشی کے موقع پر ان کو اتنے خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا جتنا آج وہ اظہارِ مسرت وفرحت کر رہے تھے۔حتی کہ میں نے عورتوں' بچوں اور باندیوں تک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ آ چکے ہیں رسول اللہ تشریف لائے ہیں حتی کہ قبیلہ بنو نجار کی چھوٹی بچیاں آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں یہ اشعار بڑے مزے لے لے کر گا رہی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار ❖ یا حبذا محمد من جارٍ

نبی رحمت ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ کہنے لگیں: ہاں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جانتا ہے میرے دل میں بھی تمہاری محبت ہے۔

☆ اسی والہانہ محبت کی وجہ سے انصار کے بچوں نے حضور اقدس ﷺ کا پرتپاک

استقبال کیا۔ ان جذبات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے معصوم دلوں کے اندر خاتم المرسلین، شفیق ومہربان نبی کی محبت کی کتنی وقعت وتوقیر تھی؟۔

☆ ان انصاری بچوں کے قلوب میں آپ ﷺ کی محبت اس لئے اتنی زیادہ تھی کہ ان کے بڑوں نے انہیں بتایا تھا کہ ایمان کی اصل اور خلاصہ محبتِ رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔ اور آپ ؐ کا احترام، آپ ؐ کی عظمت ہر چیز سے بالاتر ہے یہ ایمان ویقین کی قندیل وچراغ ہے۔

☆ آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے اوقات کتنے مبارک اور مزیدار ہوں گے کہ جس میں محبت سے سرشار یہ چھوٹے چھوٹے دل آپ ؐ کا استقبال کر رہے ہیں، حضرات انصار اور مدینہ کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور مرد وزن سبھی نے دلیل سے ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ پر ان کا ایمان، ایمانِ محبت تھا، ان کے قلوب حب رسول سے بھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ بس گئی ہے اور آپ ﷺ کے قلب اطہر میں بھی ان کے لئے محبت تھی یہ محبت ان سب کے لئے یکساں تھی بچے ہوں یا بوڑھے، یا نوجوان سبھی کے ساتھ یکساں اظہارِ محبت تھا۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

﴿واللہ وانا حبّکم، ویعلم اللہ ان قلبی یحبکم﴾

''خدا کی قسم! میں تمہارا محبوب ہوں اور اللہ جانتے ہیں کہ میرا دل بھی تم سے محبت کرتا ہے''

حضرت زید بن ثابت ؓ آپ ﷺ سے پہلی ملاقات ہی میں اس محبت کی برکات کا ادراک کر چکے تھے۔ اس لئے پہلے دن ہی آپ ﷺ کا بہترین اکرام کیا اور اعلیٰ ترین ضیافت کی۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے خدمتِ اقدس میں ہدیہ پیش کرنے کی سعادت بھی حضرت زید بن ثابت ؓ کو حاصل رہی۔

☆ حضرت زید خود بتاتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد پہلا ہدیہ جو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، وہ برتن تھا جس میں گھی اور دودھ میں ثرید کردہ روٹیاں تھی، جس کو میری والدہ نے مجھے دیکر خدمتِ اقدس ﷺ میں

پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس برتن کو آپ کے سامنے رکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کو میری والدہ نے آپ کی خدمتِ عالیہ میں بھیجا ہے۔ تو زبانِ نبوت نے ہمارے لئے ان الفاظ میں دعاء دی:

﴿بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ وَ فِىْ اُمِكَ﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری امی کو برکتوں سے مالا مال کر دے''

☆ حضور اقدس ﷺ نے اس ہونہار بچے کے اندر بھلائی اور خیر کو دیکھ کر انہیں خطِ یہود سیکھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا ''یہود پر مجھے یقین نہیں آتا'' چنانچہ حضرت زیدؓ نے ارشادِ نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے خط کو نہ صرف سیکھا بلکہ اس میں مہارت بھی حاصل کر لی' نبی کریم ﷺ یہود کو جب خط لکھتے تو حضرت زید سے لکھواتے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی بھی تھے' دوسرے مراسلات بھی لکھا کرتے تھے' حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں بھی انہوں نے کاتب ہونے کا کام بحسن وخوبی سرانجام دیا۔

(تہذیب الاسماء: ج۔۱ص ۱۹۷)

☆ حضرت زید بن ثابتؓ کی طفولت نبی کریم ﷺ کی مختلف مہربانیوں اور شفقتوں سے بھری پڑی ہے۔ آپؓ علم اور صحبتِ رسول ﷺ دونوں عظیم سعادتوں سے بہرہ مند ہوئے۔ جب آپؓ نے عالم جوانی میں قدم رکھا تو کبار علماءِ صحابہ کے صفِ اول میں شمار ہونے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان سے علم حاصل کرنے کے لئے ان کے گھر تشریف لایا کرتے تھے' اور فرماتے' علم کے پاس آیا جاتا ہے' علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔

حضرت زید بن ثابتؓ جب سواری پر سوار ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی سواری کا رکاب پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے ''علماء کرام کے ساتھ اس طرح ادب سے پیش آنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے''۔

حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابن عباسؓ کے ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی کو چوم کر فرماتے: اہل بیتِ رسول ﷺ کے ساتھ اس طرح پیش آنے کا ہمیں حکم ہے۔

''رَضِىَ اللّٰهُ عَنْ زَيْدٍ وَ حَشَرَنَا فِىْ مَعِيَّتِهٖ''

فصلِ ششم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ:

اس فصل کے تحت عظیم خاندانی شرافتوں، فضیلتوں، جود و سخا کے پیکر، عظیم اور شریف آباء و اجداد اور امہات کی آغوش میں پروان چڑھنے اور تربیت پانے والے سعادتمند طفل عبداللہ بن عباس القرشی الہاشمیؓ کا تذکرہ کیا جائیگا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہر طرف سے مکارم و شرافت میں گھرے ہوئے تھے۔ آپؓ نے فضائل و بزرگی کا لباس زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ کیوں نہ ہو سردار دو جہاں، سید الاولین والآخرین رحمۃ اللعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ ان کے چچا زاد بھائی تھے اور خود ان کے والد حضرت عباسؓ انتہائی بزرگی و فضل کے مالک تھے، اور ان کی والدہ لبابہ بنت الحارث الھلالیۃ اسلام و ایمان کی عظیم نعمت حاصل کرنے میں اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے مقدم تھیں اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ ہیں۔ اور اسد النبی حضرت حمزہ کے وہ بھتیجے ہیں۔ بھلا ان تمام شرافتوں کے ہوتے ہوئے دنیا کا کوئی خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاندان کی ہمسری کرسکتا ہے؟ شعر:

ان کان اسرته بين الورى علما ❖ فانه علم فى ذالك العلم

''ان کا خاندان اگر تمام لوگوں میں ممتاز ہے تو وہ اپنے خاندان میں ممتاز ہے''

اپنی خاندانی شرافت و پاکیزگی کو حضرت عبداللہؓ خود بیان فرماتے ہیں: ''ہم اہل بیت رسول ہیں، شجر نبوت ہیں، اہل بیت رحمت ہیں، علم کے معدن و کان ہیں''

☆ یہ نجابت پیدائش سے ہی آپؓ کا ساتھ رہی، بچپن سے لیکر زندگی کے آخری سانس تک یہی خاندانی شرافت آپ کی زندگی سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ آپؓ کی پیدائش ہجرت سے تقریباً تین سال قبل شعب بنی ہاشم میں ہوئی۔ پیدائش کے فوراً بعد آپؓ کو خدمت اقدس میں لایا گیا، حضور اقدس ﷺ نے بطور تحنیک اپنا لعاب مبارک ان

کے منہ میں ڈالا یوں ان کے پیٹ میں سب سے پہلے جانے والی چیز لعابِ مبارکِ رسول ﷺ تھا۔ حضرت مجاہد بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ کسی بچے کو آپ ﷺ کو تحنیک اپنے لعاب مبارک سے دی ہو۔ اس عظیم سعادت کا اثر ان کے بچپن سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ شرافت' ذکاوت' اور دانشمندی کی علامتیں اول عمر سے ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھیں اور' آپؓ کی عظمت کی شہادت دے رہی تھیں:

فی المهد ينطق عن سعادة جده ❖ اثـر الـنـجـابة ساطع البرهان

خاندان کی شرافت کے آثار اور عظیم کامیابی کے براہین۔ گہوارے ہی سے نمایاں تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس عظیم فضل کے ساتھ ساتھ اپنی والدہ ماجدہ ام فضل کا دودھ پیا ہے۔ سیادت و قیادت کا نور بچپن سے ہی ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جسے ان کی والدہ محترمہ ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔

ثـكـلـت نفسی و ثكلت بكری ❖ ان لـم يسـد فهراً و غير فهر

بـحـسـب زاكٍ و بـذل الـوفـر ❖ حتى يواری فی ضريج القبر

''اگر میرا بچہ قہر اور دوسرے لوگوں کا پاکیزہ حسب میں اور مرتے دم
تک فیاضی کرنے میں جانشین نہ بنے تو میں نے اپنے بچے کو اور خود
کو ضائع کر دیا''

دنیا میں آنکھ کھولتے ہی ان کے دل و دماغ حب رسول' حبِ علم و اہل علم سے معمور ہوئے' جس کی بنا پر صفِ اول کے ہوشمند' ہونہار و سعادت مند صحابی بچوں میں شمار ہونے لگے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان چند حضرات میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری خوبصورتی' جمال و کمال علم' اور باطنی زینتوں سے خوب نوازا تھا۔ چنانچہ وہ انتہائی خوب صورت چہرے' لمبے قد' بارعب' کامل العقل' زکی النفس اور کامل مرد تھے' حضرت امام ذہبیؒ ان کی توصیف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

﴿كـان ابـن عبـاس! بيـض' طويلا' مشربا' صفرة' جسيما'

وسیما' صیح الوجه' له و فرة' نحضب بالحناء' دعاله النبی بالحکمة ﷺ (سیر اعلام النبلاء: ج۔۳'ص۔۳۳۶)

''حضرت ابن عباسؓ کا سفید زردی مائل رنگ تھا' آپؓ دراز قد' جسم' خوبرو اور نورانی چہرے والے تھے' آپؓ اپنی زلفوں کو مہندی سے رنگا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے آپؓ کے متعلق حکمت کی دعاء کی تھی''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے چہرے کی چمک دمک اور مکمل شکل کی بناء چاند سے مشابہ تھے' مشہور عالم تابعی حضرت عطا ابن رباحؒ فرماتے ہیں: ایسا کبھی بھی نہ ہوا کہ میں نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا ہو اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا چہرہ یاد نہ آیا ہو۔

حضرت امام مسرو بن الاجزعؒ فرماتے ہیں: میں جب حضرت عبداللہ بن عباس کو دیکھتا تو کہتا' اجمل الناس 'تمام لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ وادی مکہ میں فتح مکہ کے قریب تک رہے۔ آٹھ ہجری میں حضرت عباسؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کیلئے تشریف لے جارہے تھے' راستے میں مقامِ جحفہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی' تو حضرت عباس اور انکے سعادت مند بیٹے عبداللہؓ بھی اس عظیم قافلے میں شامل ہو گئے' یہ جمعہ ۷ ارمضان المبارک کا دن تھا۔

اس وقت عبداللہؓ کی عمر دس سال اور کچھ مہینے تھی' تقریباً اڑھائی سال صحبت نبوی میں رہنے کا شرفِ عظیم نصیب ہوا' اس مدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس مبارکہ میں ہمیشہ حاضر باش رہنے کی بھرپور کوشس کی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور احوال کو حاصل کیا' دل ودماغ میں انہیں جگہ دی' محفوظ کیا' ان عظیم سعادت مند صحابی بچوں کی صف میں شامل ہوئے' جو صحبت نبوی کے عظیم سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور جنہوں نے شفقت نبوی حصہ وافر پایا' چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کے سر پر دستِ شفقت رکھا' ان کے لئے حکمت اور حصولِ علمِ قرآن کی دعاء کی۔

☆ حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر دستِ شفقت رکھا اور میرے لئے حکمت کی دعا کی۔ (طبقات ابن سعد: ج۔۲ص۔۳۶۵)

☆ یہ تو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ کرام حصول علم کی طرف بے انتہا توجہ دیتے تھے' خصوصاً علوم القرآن کے حصول کے انتہائی حریص تھے' چنانچہ بعض حضرات قرآن کریم کے مکمل حافظ تھے' مثلاً حضرات خلفاء راشدینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ (رضی اللہ عنہم وحشرنا معھم)

البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے لحاظ سے چھوٹے تھے' ان حضرات سے خوب علم حاصل کیا' خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کیلئے ان الفاظ میں دعاء کی تھی۔

﴿اللھم فقه فی الدین وعلمه التاویل﴾

''اے اللہ ان کو دین کی سمجھ عطا فرما' اور تفسیر قرآن کے علم سے نوازدے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابن عباس عالم الامہ اور ترجمان القرآن کے عظیم لقب سے ملقب ہوئے' حقیقت بھی یہی ہے کہ عظیم علم' درست اور اصابت فہم' فصاحت بیان اور جمال سے مکمل طور پر بہرہ مند تھے۔ ان کی ان صفات کی بناء پر حضرت عمرؓ علماء میں ان کے مقام اور مرتبے سے خوب واقف تھے' چنانچہ حضرت عمرؓ ان کو اپنی مجلس میں اپنے قریب بٹھاتے' اور ان سے محبت کا معاملہ فرماتے' اور بڑے فخر سے ان کو' ذاکم فتی الکھول ان له لسانا سئو ولا قلبا عقولا ''یہ ہے جوان بوڑھا ان کی زبان علمی موشگافی کرنے والی ہے اور سمجھ دل سے بھرا ہوا ہے۔ فرماتے تھے

صحیح بخاری میں ہے: کہ حضرت عمرؓ ان کو شیوخ بدر اور اکابر صحابہ کرام کی مجلس میں بٹھاتے' اور ان سے علمی سوال کرتے' اور وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیتے' حضرت عمرؓ ایک علمی مجلس میں اپنے ہم نشینوں کی توجہ اس عظیم عالم بچے کی علمی کمال کی طرف مبذول کراتے ہیں' امام بخاریؒ نے ابو ملکہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے

متعلق نقل کیا ہے کہ ملیکہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے صحابہ کرامؓ نے دریافت کر کے فرمایا کہ اس آیت: ﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّة ﴾ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

❖

فصلِ ہفتم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

☆ آپؓ بچپن ہی سے علم و فضل کی بلند چوٹیوں پر فائز تھے اور بہت سے علوم میں اپنے اقران پر فضیلت رکھتے تھے' یہاں تک کہ آپؓ کا شمار ذہین ترین بچوں میں ہونے لگا۔ آپؓ بلند ہمتی اور بلند مرتبہ میں اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ کے مشابہ تھے۔ اگر ایک بیٹا اپنے باپ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے تو اس میں کیا تعجب ہے آپؓ کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ محبوب تھے۔ اسی لئے آپؓ ہر کام میں آنحضرت ﷺ کی تقلید اور پیروی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؓ کا لقب المؤتسی برسول اللہ (آپ ﷺ کی پیروی اور اقتداء کرنے والا) پڑ گیا۔

☆ یہ صاحب علم و فضیلت لڑکے جنہیں دنیوی اور اخروی سعادت سے بہرہ مند کیا گیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ الخطاب القرشی تھے۔

☆ آپؓ اس مبارک زمانہ میں متولد ہوئے جب کہ مکہ کی بابرکت وادی ایمانی عطریات سے معطر ہو رہی تھی' آپؓ کی پیدائش سن بعثت والے سال ہوئی۔ جب آپؓ نے دور لڑکپن میں قدم رکھا تو آپؓ نے دینی سعادات و برکات اور عظمتِ اسلام کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا۔ آپؓ اپنے لڑکپن میں ہی اپنے والدین کریمین کے ساتھ شرفِ اسلام سے مشرف ہوگئے۔ آپؓ بھی اسلام کے خوان کرم کے ابتدائی خوشہ چینوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء جوانی میں ہی علم کے ساتھ ساتھ اپنی معرفت سے بھی نوازا تھا۔ مسلمانوں کے دل آپؓ کی طرف کھنچتے تھے۔ بلکہ حضرت عمر فاروقؓ کی دلی توجہات بھی آپؓ پر مبذول رہتی تھیں اور وہ آپؓ کا پاس اور عزت کیا کرتے تھے۔ جس شخص کی حضرت عمرؓ جیسے صحابی رسول ﷺ عزت کرتے ہوں اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ فخر کرے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے وزیر ثانی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

کے بعد قریب ترین اور قابل قدر ساتھی تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپ ﷺ کے خلیفۂ اول وزیر اول اور تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے قابل قدر دوست تھے۔

یا اسرة الصدق والصديق انكم ❖ فی كل عصرلعین المجد انسان

اذاذان قوما بالمناقب واصف ❖ ذکرنا له فضلا یزین المناقبا

''اے سراپا صدق اور صدیق ؓ کے خاندان یقیناً آپ حضرات ہر زمانہ میں شرافت کی آنکھ کے لئے پتلی کے قائم مقام ہیں جب کوئی تعریف کرنے والا کسی قوم کو مناقب سے مزین کرے گا ہم اسے ایسی فضیلت بتائیں گے جو مناقب کو مزین کردے گی''۔

☆ آپ ؓ نے ایک پاکیزہ بچپن گذارا۔ آپ ؓ اپنی معصوم آنکھوں سے مسلمانوں پر کفار کی طرف سے مسلط کردہ پریشانیوں کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تو آپ ؓ کا صاف ستھرا دل غم واندوہ سے لبریز ہو جاتا اور آپ ؓ کی پاکیزہ نگاہوں میں وہ منظر ثبت ہو جاتا کہ کس طرح قریش کے چند فاسق و فاجر لوگ اہل ایمان اور ان کے خاندان پر وحشت و بربریت کی انتہا کر رہے ہیں؟۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے چند سال بعد فرمان خداوندی آگیا کہ مسلمان مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں۔ حضرت عمرؓ کا مکمل خاندان اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عازم مدینہ منورہ ہوا۔ حضرت عبداللہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے اس وقت آپ کی عمر مبارک گیارہ برس سے متجاوز نہیں تھی' اس ہجرت مبارکہ کے احوال وواقعات لوگوں میں مشہور ومعروف ہیں' بہت کم لوگ اس سے ناواقف ہونگے۔ یہ واقعہ تاریخ کے گلے کا ہار اور ماتھے کا جھومر ہے۔

☆ حضرت عبداللہؓ کی زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ میں گذرا۔ آپ ؓ نے اپنی زندگی کے ابتدائی بیس سال آنحضرت ﷺ کے سایۂ رحمت میں گذارے۔ اور آپ ﷺ کے

انفاس مبارکہ آپ ﷺ کی علمی مجالس اور آپ ﷺ کے علوم و فیوض کے بحر نا پیدا کنار سے خوب سیراب ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ؓ کا شمار علماء صحابہؓ میں ہونے لگا اور صحابہ کرامؓ بھی آپؓ کے علمی تفوق کا اعتراف کرنے لگے۔

☆ بچپن ہی سے آپؓ شرافت و نجابت کے پیکر اور علم و ادب کے طالب تھے۔ جب مسجد نبوی ﷺ میں آپ ﷺ تشریف فرما ہوتے اور صحابہؓ مجلس لگا کر آپ ﷺ کے فیوض سے مستفید ہو رہے ہوتے تو حضرت عبداللہؓ بھی ضرور اس مبارک مجلس میں شرکت فرماتے۔ آپؓ ایک شریف اور ہر دلعزیز طالب علم بن کر صحبت نبویؐ سے بہرہ مند ہوتے اور اپنے خداداد حافظہ کے سبب آپؐ کے فرامین حفظ فرما لیتے۔

☆ آپؓ کو دلی اطمینان مسجد نبویؐ کی شفیق فضاء سے ہی میسر آتا تھا۔ جب آپؓ مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتے تو آپؓ کو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے آپؓ کے سر پر دست شفقت رکھ دیا ہو۔ اسی لئے آپؓ نے مسجد نبویؐ کو اپنی امیدوں کی دنیا اور دنیا کی امید بنا لیا تھا۔ آپؓ اس بات پر حریص تھے کہ طلب علم میں منہمک ہو کر جنت کے راستے پر گامزن رہیں۔ لہذا آپؓ معلم انسانیت حضور اکرم ﷺ کی درس گاہ سے وابستہ ہو گئے اور علم کی منازل طے کر کے عہدِ نبویؐ کے بڑے علماء میں شمار ہونے لگے۔

☆ آپؓ آنحضرتؐ سے علم دین حاصل کرتے رہے۔ آپ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں باادب ہو کر بیٹھتے اور آپ ﷺ کے ارشادات کو خاموشی سے سنتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے ایک روز ارشاد ہوا۔ ''عبداللہ اچھے انسان ہیں'' ایک روایت میں ہے: ''یقیناً عبداللہ صالح انسان ہیں''۔

☆ آپ ﷺ کی اس تعریف کے سبب حضرت عبداللہ کو صحابہؓ میں ایک خاص مقام عطا ہوا' نیز آپؓ میں حضور اکرم ﷺ کی اتباع کی خواہش بھی دو چند ہوتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؓ ایسی جگہیں تلاش کر کر کے نمازیں ادا کیا کرتے تھے جس جگہ آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہو۔

☆ آپؓ کے غلام حضرت نافعؒ روایت فرماتے ہیں کہ آپؓ ان جگہوں کے متلاشی

رہتے تھے جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہو۔حتیٰ کہ ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا تو حضرت عبداللہؓ اس درخت کی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور اس درخت کی آبیاری کیا کرتے تھے کہیں خشک نہ ہو جائے۔

☆ آپؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان: ''عبداللہ اچھے انسان ہیں اگر رات کے وقت نماز پڑھتے رہیں'' کا یہ اثر لیا کہ ساری زندگی رات بھر نہیں سوتے تھے بلکہ نماز اور مناجات وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔آپؓ کے غلام حضرت نافعؒ فخر سے یہ بات تحریر فرماتے ہیں'' حضرت عبداللہؓ ساری رات عبادت کیا کرتے تھے اور مجھ سے پوچھتے تھے آیا سحری کا وقت ہو چکا ہے؟ میں جواب دیتا کہ نہیں تو آپؓ دوبارہ عبادت میں مشغول ہو جاتے اور جب میں بتاتا کہ سحری کا وقت ہو چکا ہے تو آپؓ استغفار میں مشغول ہو جاتے اور صبح تک اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے رہتے تھے''۔

مازال یضرع فی الدعاء لربه ❖ سرا و جهرا مجملا و مفصلا

متوجها بخلوص قلب صادق ❖ فیما انتحاه تضرعا و تبتلا

''وہ اپنے رب سے دعاء کیا کرتے تھے آہستہ بھی بلند آواز بھی، اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی۔اپنے قلبِ صادق کے خلوص کے ساتھ متوجہ ہو کر اور اپنی دعا میں عاجزی کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر''۔

آپؓ اپنی نماز اور دیگر عبادات اسی طرح سرانجام دیا کرتے تھے جس طرح کہ حضور ﷺ کو دیکھتے تھے آپؓ حضور اکرم ﷺ کی ہر بات میں تقلید کیا کرتے تھے اور پوری کوشش کرتے تھے کہ کوئی بھی فعل سنت نبوی ﷺ سے یک سرِ مُو منحرف نہ ہو۔اس بات کے گواہ اہل بیت کے ایک فرد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔فرماتی ہیں: ''آثار نبوی ﷺ کی کوئی بھی اتنی اتباع نہیں کرتا تھا جتنی کہ ابن عمرؓ کیا کرتے تھے''۔

☆ آپؓ نے صحبت نبوی ﷺ سے بہت فوائد حاصل کئے، اسی کی برکت سے آپؓ کو علمی پختگی اور وسعت حفظ کی دولت حاصل ہوئی۔آپ نے چار برس سورہ بقرہ کی تعلیم

حاصل کی۔ بلکہ علامہ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ نے سورہ بقرہ کی آٹھ برس تعلیم حاصل کی۔ حضرت ابن عمرؓ بذات خود مجلس نبوی ﷺ میں مناظر قرآن اور مناظر ایمان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ''ہم نے ایسا زمانہ بھی گزارا ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ قرآن سے پہلے ایمان کو دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ پر سورت نازل ہوتی تب ہمیں اس کے حلال وحرام اور امرونہی کا پتہ چلتا تھا۔

☆ حضرت عبداللہؓ کا شماران خوش قسمت ترین صحابہؓ میں ہوتا ہے جنہیں حفاظت حدیث کی توفیق نصیب ہوئی۔ سب سے زیادہ روایات (۵۳۷۴) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے سوا کوئی صحابیؓ ایسے نہیں جن کی روایات حضرت ابن عمرؓ سے زیادہ ہوں۔ آپؓ سے ۲۶۳۰ احادیث منقول ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں سات حفاظ ایسے ہیں جنہوں نے بہ کثرت روایات نقل کی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت انس بن مالکؓ' ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت جابر بن عبداللہؓ' حضرت ابوسعید خدریؓ (سعد بن مالکؓ)۔ کسی شاعر نے ان سات ناموں کو ایک شعر میں ذکر کیا ہے۔

سبع من الصحب فوق الالف قد نقلوا ❖ من الحدیث عن المختار خیر مضر
ابوھیریرہؓ سعدؓ جابرؓ انسؓ ❖ صدیقةؓ وابن عباسؓ کذا ابن عمرؓ

''سات صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے ہزار سے زیادہ روایت نقل کی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ' حضرت سعدؓ' حضرت جابرؓ' حضرت انسؓ' حضرت صدیقہؓ' حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ''۔

☆ ارکان اسلام کے بارہ میں مشہور حدیث جو دنیائے اسلام کے ہر چھوٹے سے چھوٹے بچے کو بھی یاد ہے حضرت ابن عمرؓ ہی کی رویات کردہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اس بات کی گواہی پر کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اقامت صلوٰۃ' ایتاء زکوٰۃ' حج بیت اللہ اور صوم رمضان پر۔

☆ بچوں کو یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ آپؓ کا شمار عبادلہ اربعہ میں ہوتا ہے۔ اگرچہ عبداللہ نامی صحابہؓ کی تعداد ۲۲۰ ہے لیکن زیادہ مشہور یہ چار حضرات ہیں جو آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں پل بڑھ کر جوان ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور تمام علماءِ محدثین اور فقہاءِ کرام سے اسی طرح منقول ہے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثله ❖ اذا جمعتنا یا جریر المجامع

''اے جریر! یہ ہیں ہمارے آباء و اجداد' اے جریر: جب ہمیں مقامات تفاخر جمع کریں تو ان جیسا لاکر تو دکھاؤ''۔

☆ یہ عبادلہ اربعہؓ جیسے حسب ونسب میں بلند ترین مقام پر فائز تھے اسی طرح علم و فضل کی بلند ترین چوٹیوں پر براجمان تھے۔

العلم یرفع اقواما بلاحسب ❖ فکیف من کان ذاعلم له حسب

''علم تو کم نسب لوگوں کو بھی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے' اگر صاحب حسب ونسب علم حاصل کرے تو اس کا کیا مقام ہوگا؟''۔

☆ آپؓ کو بچپن ہی سے جہاد سے محبت تھی۔ غزوۂ بدر میں آپؓ اپنی کم سنی کے سبب شریک نہ ہوسکے۔ اسی طرح غزوۂ احد میں بھی آپؓ ان تین کم عمر بچوں میں شامل تھے جنہیں کم عمری کے سبب جہاد میں شامل نہ کیا گیا تھا' لیکن آپؓ ایک مجاہد کے فرزند ارجمند تھے' اسی لئے بچپن ہی سے آپؓ کے دل و دماغ میں ایمان راسخ اور خدا اور رسول ﷺ کی محبت جاگزیں تھی۔ بچپن ہی سے ان پر یہ دھن سوار تھی کہ کسی طرح خدا تعالیٰ اس خلد بریں میں پہنچا دے جس کے عرض کی پہنائیاں زمین و آسمان کے احاطۂ وسعت سے باہر ہیں۔

☆ آپؓ کے بچپن کے قابل تقلید واقعات و حالات بہت زیادہ ہیں جو اس مختصر کتاب میں نہیں سما سکتے۔ اسی لئے چند ایک پر اکتفاء کرتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

❖❖❖
❖

﴿فصلِ ہشتم﴾

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما:

☆ آنحضرت ﷺ کی لختِ جگر، نیک اور صالح دلبند۔ زینتِ بناتِ نبی ﷺ آپ ﷺ کی مشہور ترین دختر حضرت فاطمۃ الزہراؓ، جو اپنے زمانہ کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ جنکے بارہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاطمۃ ام ابیہا (فاطمہؓ اپنے باپ کی اصل ہے)

☆ حضرت فاطمہؓ کے عہدِ طفولیت کا مبارک تذکرہ یقیناً ہماری اس کتاب کے لئے باعثِ برکت اور سبب زینت ہے، آپؓ کے ذکر مبارک سے انسانی زبان اور انسانی کان غذا حاصل کرتے ہیں۔ تربیت و اصلاح کے میدان میں آپؓ جیسا بابرکت کون ہوسکتا ہے؟ اسی لئے ہماری اس کتاب میں سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کا تذکرہ باعث سعادت و کرامت ہے۔

☆ جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چوتھی دہائی کے نصف تک پہنچی اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کی تعمیر میں حصّہ لیا اور قریش کے مابین پیدا ہونے والا اختلاف رفع کیا اور حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب فرمایا، اسی سال یعنی بعثت سے پانچ سال قبل، ایک نوید مسرت کا پیامبر یہ خوشخبری ساتھ لایا کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے گھر ایک خوبصورت بیٹی کی ولادت ہوئی ہے۔ یہی خوبصورت بیٹی سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کے نام سے موسوم ہوئیں۔

☆ ادھر حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ہو رہی تھی اُدھر قریش خانہ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو آپؓ کی پیدائش کی خبر دی گئی۔ آپؓ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ آپؓ کا رنگ سفید، سرخی مائل تھا جبکہ آپؓ کے بال مبارک سیاہ تھے۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت فاطمہؓ کے بارہ میں فرماتی ہیں: ''فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک لوگوں میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ انور کے مشابہ تھا''۔ نیز ارشاد فرماتی ہیں: ''میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کی حدیث و گفتار حضرت فاطمہؓ سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے ملتی ہو''۔

☆ شرف و بزرگی اور عزت و شرافت میں آپؓ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ کسی اور کو کیسے میسر ہو سکتی ہے؟ آپؓ کے والد ماجد آنحضرت ﷺ ہیں اور آپؓ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔ دنیائے فضل و شرافت میں ان دونوں کی ہمسری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟۔

☆ زمانۂ رضاعت میں آپؓ نے اپنی والدہ ماجدہؓ سے فطرت اسلام اور توحید خالص کا دودھ نوش فرمایا۔ آپؓ نے عالم شہود میں آنکھیں کھولیں تو آپؓ کو طہارۃ و الفت اور عطف و محبت کے پیکر چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ آپؓ کا بچپن ایک مبارک و سعید بچپن تھا۔ آپؓ کے والدین کریمین نے آپؓ کو اور آپؓ کی دیگر بہنوں حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ کو رحم و کرم کے بادلوں میں ڈھانپ رکھا تھا۔

☆ جب آپؓ اپنی زندگی کی پانچ بہاریں دیکھ چکیں اور آپؓ کے والد ماجد آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آنحضرت ﷺ غارِ حراء میں خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ''اقراء'' کی وحی لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ گھر لوٹے اور فرمانے لگے: ''مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو''۔ آنحضرتؐ نزولِ وحی سے سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ شاید حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد ماجد کی اس کیفیت کا مشاہدہ کیا ہو، ہو سکتا ہے کہ آپؓ نے اپنی والدہ ماجدہ کی تسلی کے وہ عظیم الشان الفاظ بھی سنے ہوں جو تمام کے تمام نور ہی نور اور رحمت و الفت سے بھرے ہوئے تھے۔ آپؓ کی والدہ ماجدہؓ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! واللہ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں فرمائیں گے، بیشک آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں،

ناداروں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں''۔

☆ آپؓ کی والدہ ماجدہ حضور ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ کہنے لگا یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰؑ پر وحی لایا تھا۔ پھر وہ حضور ﷺ سے کہنے لگا۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی۔ حضور ﷺ فرمانے لگے: ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے''؟۔ ورقہ نے کہا: ''جی ہاں! کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ وہ آپؐ کی طرح وحی الٰہی کا حامل ہو اور اس کے ساتھ دشمنی نہ کی جائے، اگر مجھے وہ دن نصیب ہوا تو میں آپ کی پوری مدد کروں گا۔

☆ آنحضرت ﷺ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ گھر لوٹ آئے۔ جب حضور اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو ورقہ بن نوفل کی اس بات کا علم ہوا تو یقیناً حضرت فاطمہؓ کے ذہن میں ان سوالات نے جنم لیا ہوگا کہ حضور ﷺ کی قوم انہیں کیوں نکال دے گی؟ وہ ان کی دشمن اور مخالف کیوں بن جائیگی؟ نہ جانے آپؓ کے ننھے سے دماغ میں کیا کیا سوالات پیدا ہوئے ہونگے؟۔

☆ حضور اکرم ﷺ نے تبلیغِ رسالت کا فریضہ سرانجام دینا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ لوگوں کو چھپ چھپ کر دعوت دیا کرتے تھے۔ یہ بدیہی بات ہے کہ انسان اس طرح کے کاموں کی ابتداء اہل بیت اور مخلص دوستوں سے کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی سب سے پہلے اہل بیت کو تبلیغ کی۔ اسی لئے حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔ اس کارِ خیر میں کوئی بھی مرد یا عورت آپؓ پر سبقت نہ لے جاسکا۔ آپؓ کی بنات طاہرات نے بھی قبول اسلام میں آپؓ کی تقلید کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔

☆ اسرۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا قبولِ اسلام میں سبقت لے جانا ایک طبعی امر تھا کیونکہ وہ ہدایت کے چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ اور ان کی دیگر ہمشیرگان کا قبولِ اسلام آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی حسنِ تربیت کا آئینہ دار ہے۔

☆ امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: ''خداوند

تعالیٰ نے آنخضرت کے سر پر تاج نبوت رکھا ہی تھا کہ حضرت خدیجہؓ اور ان کی بیٹیاں مشرف بہ اسلام ہو گئیں''۔

☆ حضرت فاطمہؓ اور آپؓ کی بہنیں حلقہ بگوش اسلام ہو کر آنخضرت ﷺ کی بہترین معاون اور مددگار ثابت ہوئیں۔ آپؓ نے اپنی بہترین صلاحیتوں کے سبب خود میں بہترین اخلاق حسنہ پیدا فرمائے اور مقام صدیقیت حاصل کیا۔

☆ جب قریش تک اسلام کی دعوت پہنچی تو بعض صاحب حیثیت لوگ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ جیسے حضرات اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ تاہم قریش کا عام ردعمل معاندانہ اور مخالفانہ تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت میں اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے اور تمام وسائل بروئے کار لائے' جن لوگوں کے سرخیل اور راہبر ابولہب' اس کی بیوی ام جمیل' ابوجہل بن ہشام اور عقبہ بن ابی معیط جیسے فاسق و فاجر اور غریب کش لوگ ہوں ان کا ردعمل چند نادار اور کمزور مسلمانوں کے متعلق کیا ہو گا؟۔

☆ قریش آنخضرت ﷺ کی مخالفت میں دن رات سرگرم عمل تھے۔ حضرت فاطمہؓ کم سنی میں مسلمانوں پر ٹوٹنے والے یہ مظالم دیکھ رہی تھیں۔ آپؓ حضور اکرم ﷺ کے خلاف قریش کی سازشات کا بھی مشاہدہ کر رہی تھیں۔ آنخضرت ﷺ پر قریش کے تمام مظالم انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے کیونکہ آپؓ ابتداء وحی سے لے کر حضور ﷺ کی وفات تک ان کے ساتھ رہیں۔

☆ جب بھی مخالفین دعوت محمدی ﷺ کا رد کرتے آپؓ دفاع فرماتیں' آپؓ کی آنکھیں اور دل ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتے۔ حضور اکرم ﷺ جب بھی کسی مجلس میں دعوت کے لئے تشریف لے جاتے تو آپؓ ہمراہ ہوتیں تا کہ آنخضرت ﷺ کو کفار کی ایذا سے محفوظ رکھ سکیں۔

☆ ایک روز آنخضرت ﷺ مکہ کی گلیوں میں تبلیغ کی غرض سے نکلے' آپؓ ہمراہ تھیں۔ یہاں تک کہ آنخضرت ﷺ بیت اللہ کے قریب پہنچ گئے۔ بہت سے مشرکین

وہاں جمع تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو گھیرے میں لے لیا اپنے سینہ میں چھپی حسد اور بغض کی آگ ظاہر کرتے ہوئے گویا ہوئے "اے محمد! کیا تو ہی ایسے ایسے کہتا ہے؟" انہوں نے وہ تمام باتیں دہرائیں جو آنحضرت ﷺ تکفیر آباء اور معبودان باطلہ کی عیب گوئی کے متعلق ارشاد فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں وہی کچھ ارشاد فرمایا جو اپنے رب کی مدد اور نصرت پر یقین رکھنے والا ہی کہہ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا: "جی ہاں! میں نے ہی یہ کہا ہے"۔ یہ جواب سن کر مشرکین آگ بگولہ ہو گئے۔ ابوجہل آگے بڑھا اور آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال دی۔ حضرت فاطمہؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو دہشت زدہ ہو رہ گئیں۔ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے اور اپنی قوت ایمانی کو بروئے کار لاتے ہوئے گویا ہوئے "کہا تم اس ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے"۔ یہ سنتے ہی قریش کا سارا مجمع بجلی کی مانند حضرت ابوبکر صدیقؓ پر لپکا اور انہیں مار مار کر ادھ موا کر دیا۔

☆ حضرت فاطمہؓ نے اپنے بچپن میں جرأت و بہادری کے ساتھ بہت سے امور سرانجام دیئے، آپؓ قریش کے بڑے بڑے مجرموں کے سامنے سینہ سپر ہو جاتیں اور ان کا رد فرماتیں، مشرکین میں سب سے رذیل ترین انسان نے ایک روز آنحضرت ﷺ پر جبکہ آپ بارگاہ ایزدی میں سجدہ کناں تھے گندگی ڈالی۔ بہت سے مواقع کی طرح یہ بھی ایک موقع تھا جب حضرت فاطمہؓ نے جرأت و استقلال کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا دفاع فرمایا۔

☆ آنحضرت ﷺ ایک روز حرم مبارک میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ چند ایک صحابہؓ بھی تھے۔ یہ مٹھی بھر صحابہؓ خانہ کعبہ کے گرد بیٹھ گئے جبکہ آنحضرت ﷺ دعاء و مناجات اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ قریب ہی ایک ذبح شدہ اونٹ کی خون آلود اوجھڑی پڑی تھی، اس اوجھڑی کو دیکھتے ہی گھن آتی تھی کیونکہ اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات جمع تھے۔ فرعون امت ابوجہل بن ہشام اور عقبہ بن ابی معیط بھی دیگر مشرکین کے ساتھ حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔

☆ اسی اثناء میں جب آنحضرت ﷺ سجدہ ریز ہوئے ابوجہل دیگر مشرکین کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا تم میں سے کوئی شخص یہ اوجھڑی اٹھا کر محمد پر نہیں ڈال سکتا؟ ان میں سب سے کمینہ اور گھٹیا شخص مجہول النسب عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور اوجھڑی اٹھا کر آنحضرت ﷺ کی پشت پر ڈال دی' اور ٹھٹھا و مذاق شروع کر دیا۔ سبھی مشرکین قہقہے لگانے لگے اور آنحضرت ﷺ پر فقرات کسنے لگے۔ مسلمان اپنی قلت وضعف کے باعث آپ ﷺ کا دفاع نہ کر سکے جبکہ حضور ﷺ اسی حالت میں سجدے میں پڑے تھے۔ اس وقت ایک چھوٹی سی بچی آنحضرت ﷺ کے دفاع کے لئے آگے بڑھتی ہے اور آنحضرت ﷺ کی پشت مبارک سے اس اوجھڑی کو دور پھینکتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے کپڑوں کو دھو کر گندگی سے پاک کرتی ہے۔ اور جرأت و بہادری کے ساتھ ابوجہل' عبقہ بن ابی معیط' شیبہ بن ربیعہ' ابی بن خلف اور ولید بن عقبہ جیسے مشرکین کے استہزاء و تمسخر کا ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہے اور یہ مشرکین اپنے تمام تر ظاہری طمطراق کے باوجود پر مبہوت اور ایسے انگشت بدنداں ہوتے ہیں کہ ان کے ہونٹوں پر مہر سکوت ثبت ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ چھوٹی سی بچی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ تھیں۔

☆ آنحضرت ﷺ نے اپنی نماز مکمل فرما کر عجز و انکساری کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چہرۂ اقدس کر کے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''یا اللہ شیبہ بن ربیعہ سے تو خود بدلہ لے' اے اللہ! ابوجہل سے تو خود بدلہ لے' اے اللہ! عقبہ بن ابی معیط سے تو خود بدلہ لے' اے اللہ! امیہ بن خلف سے تو خود بدلہ لے۔

☆ جب ان مشرکین نے سنا کہ آنحضرت ﷺ ان کا نام لے لے کر بددعاء فرما رہے ہیں تو ان کے قہقہے بند ہو گئے' ان کی فرحت و مسرت اور ساری خوشی خاک میں مل گئی۔ شدت خوف نے انہیں آن گھیرا اور انہیں اپنا انجام صاف نظر آنے لگا۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ (الشعراء: ۲۲۷)

''اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے''۔

☆ مکہ مکرمہ کے اندر زندگی کے لیل و نہار اسی طرح گذرتے رہے۔ مشرکین کے کینہ و حسد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر مشرک بڑھ چڑھ کر اسلام اور آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا اور جن مسلمانوں پر بس چلتا تھا انہیں طرح طرح کے عذاب دیتا تھا۔ لیکن مسلمان کب دین اسلام کو چھوڑنے والے تھے۔ کیونکہ جسے ایک بار ایمان کی حلاوت نصیب ہو جائے وہ اسلام کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟۔

☆ مشرکین مسلمانوں کو ایذاء دینے کے لئے نت نئے منصوبے بناتے تھے۔ ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ پر دست اندازی کا منصوبہ بنایا۔ حضرت فاطمہؓ کو جب علم ہوا تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر اپنے والد ماجدؐ کو اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ میرا محافظ خدا تعالیٰ ہے' یہ مشرکین میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

☆ حضرت فاطمہؓ ایک روز خانہ کعبہ کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ مشرکین ابو جہل کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کے خلاف منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں ''جب محمدؐ یہاں سے گذریں تو ہم سب انہیں ماریں'' حضرت فاطمہؓ نے جب یہ سنا تو ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ آپؓ دوڑ کر حضور ﷺ کے پاس پہنچیں اور سارا قصہ ذکر کیا کہ مشرکین آپ ﷺ کے خلاف کیا کیا منصوبے بنا رہے ہیں۔

☆ آنحضرت ﷺ نے انہیں نظر شفقت سے دیکھا اور آپؓ کے سر پر پیار بھرا ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اے میری پیاری بیٹی نہ رو' بیشک اللہ تعالیٰ تیرے باپ کی حفاظت فرمائیں گے''۔ آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ کو یہ دکھانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کیسے حفاظت فرمائے گا۔ خانہ کعبہ کی طرف چل دیئے۔ مشرکین بے بس آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی طرف آتا دیکھ رہے تھے لیکن آپ ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے مشت خاک اٹھا کر مشرکین کی طرف پھینکی اور فرمایا: ''ان کے چہرے بدشکل ہو جائیں''۔ آپ ﷺ آرام سے اپنی نماز ادا فرماتے رہے' کسی بھی مشرک کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپ ﷺ کی شان میں زبان درازی کر سکے۔ بلکہ وہ خوف زدہ نگاہوں سے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھتے رہے۔

☆ حضرت فاطمہؓ کے قصہ میں خاص لطف وسرور ہے کیونکہ آپؓ آنحضرت ﷺ کی لخت جگر اور نور نظر ہیں۔ لیکن اس تمام شرافت کے باوجود آپ ﷺ کو تکالیف بھی برداشت کرنا پڑیں۔ ایک بار ابوجہل نے اپنے غصے اور کینے وحقد کو ظاہر کرتے ہوئے آپؓ کو طمانچہ رسید کیا تھا۔

☆ ایک بار حضرت فاطمہؓ ابوجہل ملعون کے قریب سے گذر رہی تھیں پہلے تو ابوجہل دیر تک آپؓ کو گھورتا رہا پھر وہ اپنی قساوت قلبی کے سبب اپنے کینہ پر قابو نہ رکھ سکا اور اٹھ کر حضرت فاطمہؓ کو ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

☆ آپؓ کو اس بدبخت کی اس بزدلی سے بہت افسوس ہوا کہ ایک معصوم بچی پر ہاتھ اٹھانا جس کا کوئی گناہ نہ ہو یقیناً پرلے درجے کی بے غیرتی ہے۔ آپؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا تو حضرت ابوسفیانؓ کو قریب میں موجود پایا۔ آپؓ ان کے پاس تشریف لے گئیں اور ابوجہل کی بے غیرتی کے متعلق بتایا۔ حضرت ابوسفیانؓ کو جو اِن دنوں قریش کے حاکم تھے بہت غصہ آیا۔ وہ ابوجہل کے پاس آئے اور حضرت فاطمہؓ سے کہنے لگے: تم بھی ابوجہل کو طمانچہ رسید کرو۔

☆ حضرت فاطمہؓ نے ہاتھ اٹھایا اور ابوجہل کو تھپڑ رسید کیا ابوجہل کا سر ندامت اور رسوائی سے جھک گیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ اپنے والد گرامیؐ کے پاس تشریف لے گئیں اور سارا قصہ سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ قصہ سن کر ابوسفیانؓ کو دعاء دی فرمایا: ''اے اللہ ابوسفیان کو نہ بھولنا''۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی یہ دعاء قبول فرمائی بدیں طور کہ حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور صحابہ کرامؓ کی مبارک جماعت میں شریک ہو گئے۔

☆ یہ حضرت فاطمہؓ کے مختصر حالات ہیں ان کے تقریباً مکمل حالات ہم نے اپنی مشہور کتاب ''نساء اهل البيت'' میں ذکر کر دیئے ہیں' تنشیط قاری کے لئے مختصراً یہ احوال ذکر کر دیئے گئے' وگرنہ فن بلاغت کا بڑے سے بڑا ماہر بھی حضرت فاطمہؓ کی سیرت حسنہ کا چند اوراق میں احاطہ نہیں کر سکتا۔

☆ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی سیرت انفاس نبوی ﷺ کی آئینہ دار ہے۔ آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے فضل وکمال اور علم وتقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز فرمایا تھا۔

ماکل من طلب السعادة نالها ❖ ان السعادة اصلها التخصیص

ایسا نہیں ہے کہ جو شخص بھی نیک بختی کو طلب کرے اسے پالے' بیشک سعادت کی اصل تخصیص ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت فاطمہؓ کو اپنی خوشنودی عطاء فرمائے اور قیامت میں ہمیں بھی ان کی رفاقت عطاء فرمائے اور ہمارے ساتھ بھی فضل وکرم کا معاملہ فرمائے' اور ہمارے بچوں کو بھی ایسا بنادے کہ وہ صحابہؓ کی طریقہ پر چل کر دینی ودنیوی دونوں قسم کی برکات کو حاصل کرسکیں۔

❖❖❖

❖

﴿فصلِ نہم﴾

حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ:

☆ حضرت ابو بکرؓ کی لختِ جگر اور نورِ نظر کا فضل و کرامت سے لبریز تذکرہ یقیناً ہم سب کے لئے باعث صد فخر و مباہات اور سبب سعادت ہے۔ حضرت اسماءؓ کا شمار اسلام کی ان عظیم خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے تاریخ کے اوراق پر گہرے نقوش ثبت کئے' اور فضیلت و کرامت کے نئے ابواب تحریر کئے۔

☆ کون ایسا مسلمان ہے جو حضرت اسماءؓ کے فدایانہ کارناموں سے واقف نہیں جن کی جرأت و بہادری نے ساری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالا ہوا ہے۔

☆ آپؓ کو فضیلت و کمالات اپنے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے وراثت میں ملے جس کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے صحابیؓ ہوں' اس کی رفعت و بلندی میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ مسلمانوں کے لئے کوششیں احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ آپؓ خاندانِ ابو بکرؓ کے روح رواں اور اس کی عزت کو چار چاند لگانے والے تھے۔ آپؓ کو حضور اقدس ﷺ سے صدیق کا لقب عطاء ہوا۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی رفاقت اور غار ثور میں حضور ﷺ کی خدمت گذاری آپؓ ہی کے حصے میں آئی۔ اے اسماء بنت ابی بکر تجھے آفریں ہے صد آفریں۔

ثانی اثنین من اتت فی ابیھا ❖ ایت المدح فی کلام الباری

ھو قول الالہ فیہ تعالیٰ ❖ ثانی اثنین اذھما فی النار

جس کے والد ماجدؓ کے بارہ میں ثانی اثنین جیسا مدحیہ لقب اللہ تعالیٰ کے کلامِ مقدس میں نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ﴾ (سورۃ التوبہ)

''جبکہ دو آدمیوں جس وقت کہ دونوں غار میں تھے''۔

کوئی بھی صحابی رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

لاتفضل علی العتیق صدیقا ❖ فھو صدیق احمد المختار

وان ارتبت فی الاحادیث فاقرأ ❖ ثانی اثنین اذھما فی الغار

''حضرت ابوبکر صدیقؓ پر کسی کو فضیلت نہ دو۔ کیونکہ وہ تو حضور اقدس ﷺ کے صدیق ہیں، اگر تمہیں احادیث میں شک ہے تو قرآن مقدس کی یہ آیت دیکھ لو:

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ ﴾

☆ نور ایمانی سے منور اس فضائے مبارک میں حضرت اسماءؓ نے پرورش پائی۔ ابھی آپؓ کم سنی کے مراحل میں تھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا اور مکہ کی سرزمین کو نور ایمان سے تاباں و درخشاں کردیا۔ لوگوں کو دین اسلام کی دعوت پہنچی بہت سے خوش نصیبوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور حلقہ بہ گوش اسلام ہوگئے۔

ولم یتلعثم بالا جابة عندما ❖ دعاہ الی الاسلام خیرالوری الطھر

فقال نعم واللہ انك صادق ❖ وانك انت المصطفی من بنی فھر

''جب محمد مصطفیٰ خیرالوریٰ نے آپؓ کو دعوت اسلام دی تو آپ نے اسے قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا' آپؓ نے فرمایا واللہ آپ صادق ہیں اور آپؐ ہی بنی فہر کی برگزیدہ ہستی ہیں''۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ کو آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام دی تو انہوں نے ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی اور فرمایا۔ جی ہاں! واللہ آپ ﷺ سچے ہیں' اور یقیناً آپ ﷺ بنی فہر کی برگزیدہ ہستی ہیں۔

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی بیٹی کو اسلام کی دعوت دی۔ لہٰذا حضرت اسماءؓ بچپن ہی سے شرفِ اسلام سے مشرف ہوئیں' اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بچیوں میں سب سے پہلے حضرت اسماءؓ نے اسلام قبول فرمایا۔ آپؓ کا شمار ان خوش قسمت ترین بچیوں میں ہوتا ہے جن پر آنحضرت ﷺ خصوصی طور سے نظر

شفقت فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت اسماءؓ بچپن ہی سے حلاوت ایمان سے محظوظ ہو رہی تھیں۔ آپؓ اپنے والد گرامی کو جب بھی دیکھتیں' انہیں اسلام کے لئے جدّ و جہد میں مصروف پاتیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دن رات یہی دھن رہتی کہ کسی طرح اسلام کی دعوت کو ہر ایک ذی روح تک پہنچا دیا جائے۔ آپؓ کے ہاتھ پر صاحب ثروت حضرات کی ایک معتد بہ جماعت نے اسلام قبول کیا۔ آپؓ کی کوشش سے ہی حضرت عثمانؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ' حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور سعید بن زیدؓ وغیرہ صحابہ کرام مشرف بہ اسلام ہوئے جنہوں نے بعد میں تاریخ اسلامی میں عظیم الشان کارناموں کا اضافہ کیا۔

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کوششوں میں مصروف تھے جبکہ دوسری طرف مشرکین کی انتہائی کوشش تھی کہ کسی طرح اسلام کی اشاعت کو روکا جائے۔ اسی لئے وہ مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب دیتے اور انتقامی کاروائیاں کرتے تھے۔ اسی طرح کی انتقامی کاروائی کا شکار ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ہوئے۔

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہ پہلے جانباز ہیں جنہوں نے جرأت و بہادری کے ساتھ اسلام کی برملا حمایت کی۔ ایک روز مسجد الحرام میں جب چند بد بخت مجرموں نے آنحضرت ﷺ پر دست اندازی کی تو آپؓ نے کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں اس فعل شنیع سے روکا اور فرمایا: ''کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔'' یہ سننا تھا کہ قریش کا سارا مجمع آپؓ پر پل پڑا اور آپؓ کو مارنے لگا' عقبۃ بن ربیع بد بخت و تیرہ قلب آگے بڑھا اور ایک شدید ضرب لگائی جس کے سبب آپؓ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ آپؓ شہید ہو گئے ہیں۔ آپؓ کے بعض حامیوں نے قسم اٹھائی کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کو کچھ ہو گیا تو عقبہ بن ربیعہ کو نہیں چھوڑیں گے۔

☆ بے ہوشی کی حالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنے والد کی یہ حالت دیکھی تو مشرکین کو بد دعائیں دینے لگیں۔ انہیں اس بات سے سخت قلق ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حالت بگڑتی گئی۔ یہاں تک کہ دوپہر کا وقت

ہوگیا۔سورج کے ڈھلتے ہی آپؓ کی بیماری بھی ڈھل گئی اور آپؓ کوافاقہ ہوگیا۔حضرت اسماءؓ، گھر کی دیگر خواتین اور حضرت اسماءؓ کی دادی حضرت ام الخیر سلمیٰؓ کو آپؓ کے افاقہ سے بہت خوشی ہوئی۔حضرت ابوبکرؓ نے آنکھیں کھولیں اور سب سے پہلے یہ دریافت فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کیسے ہیں؟ انؐ کا کیا حال ہے؟ انہیں تو کچھ تکلیف نہیں پہنچی؟۔

☆ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ خیریت سے ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ جواب سن کر بہت زیادہ مسرور ہوئے اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ اس وقت کہاں ہیں۔حضرت اسماءؓ نے جواب دیا کہ دارارقم میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ موجود ہیں۔

☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ جلد از جلد سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے تھے آپؓ اپنی والدہ ماجدہ حضرت سلمیٰؓ کے ہمراہ دارارقم بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کا سخت رنج تھا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے دعاء کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میری والدہ کو دولت اسلام سے مالا مال کردیں۔ آنحضرت ﷺ نے بارگاہِ ایزدی میں عاجزانہ ہاتھ بلند کئے۔اللہ تعالیٰ نے نقد قبولیت کا پروانہ عطاء فرمایا اور حضرت سلمیٰؓ کی آنکھوں سے کفر و جہالت کی پٹیاں اتار کر اسلام کا منور اور روشن راستہ دکھادیا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ساتھ حضرت اسماءؓ کو بھی بہت خوشی ہوئی۔آپؓ کے قبولیتِ اسلام سے خاندان ابوبکرؓ کو اسلام کی خاطر قربانی دینے والوں میں ممتاز مقام حاصل ہوا۔

حضرت اسماءؓ جانتی تھیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وزارت رسول ﷺ تک پہنچانے والی ہستی حضرت سلمیٰؓ کی ہے، اسی لئے حضرت اسماءؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بچپن کے دلچسپ واقعات سناتی تھیں۔جسے محمد بن ظفر صقلی نے اپنی کتاب ''انباء نجباء الابناء'' میں یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ حضرت سلمیٰؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چارسال کی عمر تک دودھ پلایا۔چارسال بعد جب دودھ چھڑانا چاہا تو حضرت سلمیٰؓ نے اپنے پستان پر کڑوی چیز لگالی۔جب حضرت ابوبکر صدیقؓ دودھ پینے لگے تو اپنی والدہ سے کہا۔امی

جان! پستان دھولیں، مجھے کڑواہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت سلمیٰؓ کہنے لگیں۔ میرا دودھ خراب ہو گیا ہے۔ اب اس کا ذائقہ صحیح نہیں رہا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا امی جان! یہ کڑوی چیز لگانے سے پہلے آپ کے دودھ کا ذائقہ صحیح تھا۔ اگر آپ مجھے دودھ نہیں پلانا چاہتیں تو میں آئندہ کبھی دودھ نہیں پیوں گا۔

☆ اپنے بیٹے کی یہ ذہانت دیکھ کر حضرت سلمیٰؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تعریف میں اشعار کہنے شروع کر دیئے آپؓ خوشی سے اشعار گنگنا رہی تھیں کہ آپؓ کے شوہر نامدار حضرت ابوقحافہؓ گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت سلمیٰؓ کو دیکھ کر فرمانے لگے کیا بات ہے؟ کیوں گنگنا رہی ہو؟ انہوں نے اپنے بیٹے کے ذہانت سے بھرپور کلمات دھرائے تو حضرت ابوقحافہؓ فرمانے لگے' اے سلمیٰ کیا تجھے اس بات پر تعجب ہو رہا ہے؟ اس ہستی کی قسم جس کی قسم ابوقحافہ اٹھاتا ہے' میں جب بھی تیرے بیٹے کو دیکھتا ہوں مجھے اس کی آنکھوں میں سرداری نظر آتی ہے۔

☆ شاید حضرت اسماءؓ نے اپنی دادی جان سے یہ دلچسپ قصہ سن کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضرت ابوقحافہؓ کے اسلام لانے کی دعا کی ہو' تاکہ ان کے اسلام سے تمام خاندان کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کو بھی خوشی اور مسرت حاصل ہو۔

☆ دن اسی طرح گذرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؓ کی شادی مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت زبیر بن عوامؓ کے ساتھ ہو گئی۔ آپؓ کے حالات بہت دلچسپ ہیں بالخصوص ہجرت مکہ کے موقع پر آپ کی قربانی زبان زد خاص و عام ہے۔ ہم نے کتاب کی تزئین کے لئے چند قصوں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (بنات الصحابہؓ)

﴿باب ثالث﴾

فصلِ اوّل: تربیت کے معانی اور مطالب

فصلِ دوم: بچپن میں آنحضرتؐ کی تربیت کا اثر

فصلِ سوم: عہدِ نبویؐ میں بچوں کا تعلیمی سلسلہ

فصلِ چہارم: بچے کی تربیت کے بارہ میں آنحضرتؐ کی ترجیحات

فصلِ اوّل

تربیت کے معانی اور مطالب:

☆ ہم میں سے ہر شخص بہ خوبی جانتا ہے کہ انسان کے مستقبل کا تمام تر دارو مدار بچپن پر ہوتا ہے۔ اسی بات سے انسانی بچپن کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انسان کا بچپن جتنا اچھا گذرے گا اس کی زندگی اتنی ہی اچھی ہوگی۔ بہترین اور درخشندہ مستقبل کے لئے بچپن کا صحیح سمت میں چلنا ازبس ناگزیر ہے۔

☆ بچے روئے زمین کا قیمتی ترین سرمایہ ہیں' اسی لئے اسلام نے بچوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت پر انتہائی زور دیا ہے۔ نیز انسان کو اس بات کا بھی مامور کیا ہے کہ وہ انکی تادیب و تہذیب میں قطعاً غفلت کا مرتکب نہ ہو۔ اسی لئے شریعت نے اس تعلیم کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے جس کا نفع دین اور دنیا دونوں پر مشتمل ہو۔ سب سے پہلی بات جو بچوں کے کانوں میں ڈالی اور سکھائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا مبارک' پاکیزہ اور میٹھا نام ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''بچوں کے کان میں سب سے پہلے کلمہ'' لا اله الا الله'' کی آواز ڈالو''۔

☆ آپؐ نے خود بھی ایسا فرمایا تھا' حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں: ''میں نے آپؐ کو اذان دیتے سنا کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کے کان میں اذان دی جب حضرت فاطمہؓ کے بطن سے آپؓ کی پیدائش ہوئی۔

ایک اور حدیث میں مذکورہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔

☆ شاید اپنے نواسے کے کان میں اذان دینے کی حکمت آپ ﷺ کے پیش نظر یہ ہو کہ بچے کو سب سے پہلے وہ کلمات سنانے چاہییں جس میں توحید ورسالت کی شہادت ہو کیونکہ دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح انہی شہادتین پر موقوف ہے۔ گویا دنیا میں داخل ہوتے

ہی بچے کو شعائر اسلام کی تلقین کی جارہی ہے اسی طرح دنیا سے جاتے ہوئے بھی انسان کو کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہی اسلامی حکمت اور انسانی سعادت کی عظیم تربیت ہے۔

☆ تربیت کے مختلف معانی ہیں' نشو ونما پانا' مہذب بنانا' تعلیم دینا' غذا رسانی' بلند ہونا وغیرہ وغیرہ۔

ربی' تربیۃ کا معنی ہوتا ہے نشو ونما پانا' ربی اصل میں ربب تھا۔ بائے ثانی کو تخفیف کی غرض سے ی سے تبدیل کردیا۔ قرآن کریم میں جو ربیانی مذکور ہے وہ اسی مادہ سے بنا ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء:۲۴)

''اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا اور پرورش کیا ہے''

اور'' نربك'' بھی اسی مادہ سے معرض وجود میں آیا ہے۔

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ﴾ (الشعراء:۱۸)

''فرعون کہنے لگا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا؟ اور تم اپنی عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے''

☆ عام طور پر تربیت سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ تربیت انسانی زندگی کے مختلف ادوار کے ان اثرات کا نام ہے جو انسانی جسم' عقل اور تخلیق پر مرتب ہوں خواہ قصداً ہوں یا از خود۔

☆ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں وہ دور بھی شامل ہے جو دور انسان کو ولادت سے قبل ماں کے پیٹ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت کے اثرات کو بھی تربیت کے عام معنی میں شامل سمجھا جائیگا۔ اسی طرح ولادت سے لے کر موت تک کے تمام اثرات تربیت انسانی کا حصہ ہیں۔

☆ تربیت ایک اجتماعی نظام ہے۔ اسلامی تربیت کی اساس دو چیزیں ہیں۔

☆ قرآن کریم اور سنت رسول امین ﷺ۔ آپ ﷺ نے امور تربیت کو اپنے فرامین کی روشنی میں خوب واضح فرمایا ہے اور اپنی امت کی اس سلسلہ میں بھی خوب رہنمائی فرمائی ہے۔ فجزہ اللہ خیراو احسن الجزاء۔

فصلِ دوم

بچپن میں آنحضرت ﷺ کی تربیت کا اثر:

☆ خاتم الانبیاء والمرسلین سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بچپن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے افضل ترین تربیت فرمائی اور بڑی عمر میں اعلیٰ ترین اخلاق پر فائز فرمایا تا کہ آنحضرت ﷺ سے رہبریٔ عالم کا کام لیا جا سکے۔

☆ ہر شخص آنحضرت ﷺ کے بچپن سے بہ خوبی واقف ہے۔ آپ ﷺ ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا' پھر چند سال کے اندر اندر آپ ﷺ کی والدہ بھی چل بسیں۔ آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں آ گئے۔ لیکن بہت جلد ان کا سایۂ شفقت بھی سر سے اٹھ گیا' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ظاہری اسباب ختم فرما کر خود دستگیری کرنا چاہتے تھے۔

☆ اسی لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہمیں خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے عجیب وغریب کرشمے دکھائی دیتے ہیں۔ نیز بچپن اور بڑی عمر دونوں میں آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کی مانند برستی دکھائی دیتی ہے۔

☆ آنحضرت ﷺ کی نظر رحمت میں بچوں اور ان کے بچپن دونوں کی بڑی اہمیت تھی' اور یہ احساس اہمیت صرف اپنے قریبی بچوں تک ہی خاص نہیں تھا بلکہ بلا امتیازِ امتیازِ خویش وبیگانہ آپ ﷺ بچوں کو ان کا مقام عطاء فرمایا کرتے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن حارث بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبیداللہ بن عباسؓ دونوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے ارشاد فرماتے: ''جو مجھ تک پہلے پہنچے گا اسے یہ یہ ملے گا'' وہ دونوں دوڑتے اور آپ ﷺ کی پیٹھ اور سینہ پر چڑھتے' آپ ﷺ انہیں چومتے اور اپنے ساتھ لپٹا لیتے۔

☆ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے نواسوں پر لطف وکرم اور حسن تربیت کا ذکر فرماتے

ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز جنازہ کی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپس میں الجھتے نظر آئے حضرت علیؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاباش! حسینؓ! حسنؓ کو پکڑ لو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ حضرت حسنؓ کی مخالفت کر رہے ہیں حالانکہ وہ بڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جبرائیل کھڑے کہہ رہے ہیں'' شاباش! حسنؓ! حسینؓ کو پکڑ لو۔ حضرت جبرائیل حضرت حسنؓ کو جبکہ آنحضرت ﷺ حسینؓ ایک کو دوسرے کے خلاف ابھار رہے تھے تاکہ دونوں کا ایک ایک سپورٹر ہو۔

☆ آنحضرت ﷺ بذات خود بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ آپ ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیتے تھے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت حاضر ہوا دیکھا کہ آپ ﷺ چار پاؤں پر چل رہے ہیں اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپ ﷺ کی پشت پر سوار ہیں اور آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں تمہاری سواری (اونٹ) بہت اچھی سواری (اونٹ) ہے اور تم دونوں بہت اچھے سوار ہو۔

☆ آنحضرت ﷺ کا برتاؤ دیگر صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ بھی ایسا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ شدید محبت رکھتے تھے اور یہی محبت ان کی سعادتِ دارین کا سبب بنی۔

مثلاً حضرت عطاء بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو چھوٹی عمر کے تھے۔ آپؓ کو چیچک کے مرض نے آ پکڑا۔ اس کی ریزش ان کے منہ پر دکھائی دیتی تھی۔ حضرت عائشہؓ انہیں گندآلود سمجھتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ ایک روز گھر داخل ہوئے ان کے چہرے کو دھویا اور انہیں چوما' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ واللہ میں اب حضرت اسامہؓ کو کبھی دور نہیں کروں گی۔

☆ حضرت عائشہؓ حضور اکرم ﷺ کی حسن تربیت کا ایک اور نقشہ اس طرح کھینچ کر ارشاد فرماتی ہیں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ دروازہ کی چوکھٹ سے پھسلے جس سے آپؓ کے

سر میں زخم آ گیا۔ مجھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس کا خون صاف کردو مجھے وہ گند آلود معلوم ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے خود خون صاف کرنا شروع کیا اوران کے چہرہ پر لعاب ڈالا اور فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے اور زیور پہناتا۔

☆ اس طرح کی تربیت سے بچے میں خوداعتمادی پیدا ہوتی ہے جو ساری زندگی اس کے کام آتی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی بچے کے ساتھ شفقت سے پیش آئے تو اس کے دل میں احساس محرمی پیدا نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کی رحم وعطف سے بھرپور تربیت کسی بھی بچے کو ایک عبقری شخصیت بنانے کے لئے انتہائی کافی ہے۔ اسی سے بچے میں پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اور بچے میں عقلمندی اور ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے۔

﴿فصلِ سوم﴾

عہدِ نبوی ﷺ میں بچوں کا تعلیمی سلسلہ:

☆ اس کتاب کی تمام فصول میں یہ فصل سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اس لئے کہ ہم اس فصل میں مسلمان بچوں کے نزدیک عہد نبوی ﷺ میں پڑھنے لکھنے کی اہمیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ نیز ہم اس فصل میں صحابی بچوں' تابعین اور تاریخ اسلامی کے جلیل القدر علماء کے بچپن کے حالات کے متعلق بھی بیان کریں گے۔

☆ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زمانہ نبوت اور عہد خلفاءِ راشدینؓ میں بچوں کو ابتدائی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا تھا؟ اگر کیا جاتا تھا تو ابتدائی تعلیم کیا تھی؟ کیا اس زمانہ میں مدارس اور مکاتب موجود تھے؟ بالخصوص دنیائے اسلام کے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں؟

☆ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بچوں کو لکھنے کی تعلیم دینا مدینہ منورہ میں رائج تھی۔ آنحضرت ﷺ اچھا لکھنے والے صحابہؓ کو اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ دوسرے لوگوں کو لکھنا سکھائیں' بالخصوص بچوں کو۔ صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی ایک معتد بہ مقدار لکھنے پڑھنے سے واقفیت رکھتی تھی۔ جن میں حضرت عبادۃ بن الصامتؓ اور حضرت شفاء بنت عبداللہؓ جنہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کو لکھنا سکھایا' وغیرہ بہت سے صحابہؓ کے نام گنوائے جا سکتے ہیں۔

☆ مسلمان بچوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینے کا صحیح تعلیمی سلسلہ شاید غزوہ بدر کے فوراً بعد شروع ہوا۔ سہیلی "مدوض الانف" میں خبر یقینی کے طور پر تحریر فرماتے ہیں "بدر کے بعض قیدی لکھنا جانتے تھے' اس وقت تک انصار میں اچھا لکھنے والے موجود نہیں تھے۔ جن قیدیوں کے پاس مال نہیں تھا ان سے یہ فدیہ لیا گیا کہ وہ دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو انہیں آزاد کر دیا جائیگا۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور بہت سے دیگر انصار بچوں نے اس زمانہ میں لکھنا سیکھا"۔

☆ کتانی اپنی کتاب ''التراتیب الاداریۃ'' میں ھودینی سے ایک اور مستند روایت ذکر کرتے ہیں کہ ہجرت نبوی ﷺ کے ایک سال بعد مدینہ منورہ میں عربی لکھنے کا زیادہ رواج ہوا۔ پھر انہوں نے بدر کے قیدیوں کا قصہ ذکر فرمایا اور فرمایا۔ اس کے بعد اہل مدینہ میں عربی لکھائی بہ کثرت رائج ہوئی حتی کہ آنحضرت ﷺ کے کاتبین کی تعداد بیالیس (۴۲) تک پہنچ گئی۔

☆ ابن قتیبہ اپنی کتاب ''المعارف'' میں عرب کے نزدیک لکھنے پڑھنے کی اہمیت ذکر کرتے ہیں کہ عرب کے نزدیک لکھنے کا بہت بڑا فائدہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چار ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ حتی کہ بعض لوگوں کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو لکھنا سکھادیں کیونکہ عرب کے ہاں لکھائی کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ عرب لوگ لکھائی کے فائدے کو بہت بڑا فائدہ شمار کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو ارشاد فرمایا:

﴿اِقْـرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْـرَمُ الَّـذِیْ عَـلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق:۳۔۵)

''اے پیغمبر آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں جیسے اپنے کرم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ اسی طرح تعلیم بالقلم کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اسے اپنی عظیم نعمت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مقدس میں قلم کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿نٓ وَالقلمِ وَمَایَسْطُرُوْنَ﴾ (القلم:۱)

''ن قسم ہے قلم کی اور ان کے لکھنے والوں کی''

قلم اور قلم کی تحریر دونوں کی قسم کھائی ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ان الکتابة راس کل صناعة ❖ وبھا تتم جوامع الاعمال

’’یقیناً لکھائی ہر صنعت کی بنیاد ہے۔ اسی لکھائی سے تمام اعمال تکمیل کے مراحل سے گذرتے ہیں‘‘۔

☆ اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ کیا عہد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ میں کوئی مدرسہ یا فرد بشر ایسا تھا جس سے طلباء لکھائی سیکھتے ہوں؟ ہم آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اس زمانہ کے کاتبین کی طرف لطیف اشارہ موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ’’میں نے اور زید بن ثابتؓ نے جو چوٹی کے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے‘ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ستر سورتیں سیکھیں۔

☆ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو حضرت زید بن ثابتؓ کی عمر مبارک گیارہ سال تھی۔ چند صفحات قبل ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے لکھائی بدر کے قیدیوں سے سیکھی‘ شاید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اشارہ بھی اسی جانب ہو۔ جو قیدی فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان کے ذمہ ضروری تھا کہ وہ دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ یہ دس بچے اپنے قیدی استاد کے پاس یقیناً اتنا وقت تو لگاتے ہونگے کہ لکھائی پڑھائی پر مکمل عبور حاصل کر سکیں۔

☆ لیکن اس زمانہ میں بچوں کی تعلیم کا منظم طریقہ یہ تھا کہ بچوں کو پہلے صرف لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ بعد ازاں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی تھی۔

☆ بچوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق علامہ ابن عربی اپنی کتاب احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ جب شعور کی دہلیز پر قدم رکھے تو اسے مدرسہ بھیج دیں جہاں وہ صرف لکھنا سیکھے اور عربیت کی تعلیم حاصل کرے‘ بعد ازاں اسے قرآنِ کریم کی تعلیم دی جائے۔

☆ ابن جبیر مشرقی ممالک میں بچوں کی تعلیم کا ایک عمدہ طریقہ تحریر فرماتے ہیں کہ مشرقی ممالک میں بچوں کو ابتداء قرآن کریم کی تعلیم نہیں دیتے‘ بلکہ انہیں اشعار وغیرہ کے

ذریعہ پہلے لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ اگر انہیں ابتداءً قرآن کریم کی لکھائی سکھائیں گے تو لڑکے قرآنی حروف مٹائیں گے جو بے ادبی ہے۔ جب بچے لکھنے پڑھنے میں ماہر ہو جائیں تب انہیں قرآن کریم کی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ استاد اور طالب علم کی تمام تر توجہ تحصیل قرآنِ کریم پر ہو سکے۔

☆ اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ فقہاءِ کرام مساجد میں لکھائی سیکھنے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ حضرت امام مالکؒ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اسے جائز نہیں سمجھتا کیونکہ بچے نجاست سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

☆ کتب فقہ میں موجود ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ مسجد کو بچوں اور مجنونوں سے پاک رکھو۔ کیونکہ وہ مسجد کی دیواروں پر سیاہی لگا دیں گے نیز بچے نجاست سے بھی محفوظ نہیں رہتے۔ بچوں کی تعلیم کے لئے بازار میں کوئی مکان وغیرہ یا کوئی مستقل جگہ لینی چاہیئے۔

☆ بچہ جب لکھنا پڑھنا سیکھ لے اور پھر مدرسہ وغیرہ میں قرآنِ کریم حفظ کر لے بعد ازاں اسے مسجد میں منتقل کرنا چاہئے تاکہ وہ علوم فقہ وحدیث میں مہارت حاصل کر سکے۔

☆ ماوردی اپنی کتاب ''نصیحۃ الملوک'' میں بچوں کو عربی زبان کی تعلیم کی اہمیت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جب بچہ تعلیم وتادیب کے قابل ہو جائے تو اسے قرآنِ کریم اور عربی زبان کی تعلیم دی جائے' کیونکہ اسی زبان میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مقدس کو نازل فرمایا' اسی زبان میں دینی شرائع اور فرائض کو بیان فرمایا' اسی زبان میں آنحضرت نے سنت کی تعلیم دی' اسی زبان میں دینی کتب مدون ہیں اور اسی زبان میں علوم آلیہ وغیرہ موجود ہیں۔ اسی لئے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان کی تعلیم حاصل کرے وگرنہ وہ دین سے جاہل اور ملت اسلامیہ کے اصولوں سے ناواقف رہے گا۔

☆ انہیں مبارک اصولوں پر اسلام کے ابتدائی دور میں بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ بچے انہی اصولوں کو اپنا کر اوجِ ثریا تک جا پہنچتے تھے اور اپنی ذکاوت وذہانت میں ضرب المثل سمجھے جاتے تھے۔

﴿فصلِ چہارم﴾

بچے کی تربیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی ترجیحات:

☆ چھوٹا بچہ والدین کے ہاتھ میں خدا تعالیٰ کی امانت ہے۔ لہٰذا والدین اور دیگر مربی حضرات کے ذمے ضروری ہے کہ حالات کی تلخی سے پہلے پہلے بچے کی بہترین تربیت کا فریضہ سرانجام دیں۔ احنف بن قیس کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بچوں کو دیگر کاموں میں مشغولیت سے پہلے تعلیم دو' اگرچہ بڑی عمر کے لڑکے میں عقل زیادہ ہوتی ہے مگر اس کی دلی مشغولیت بھی تو زیادہ ہوتی ہے۔

☆ مربی کے ذمہ ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بیان فرمودہ قوانینِ تربیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بچوں کی دینی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے' بچے کو آنحضرت ﷺ کے ہدایت فرمودہ راستے پر گامزن کر کے اسے حضور اقدس ﷺ کا فرمان بردار بنائے' اگر مربی بچے کی تربیت کر کے اسے حضور اقدس ﷺ کے نقشِ قدم پر چلا دے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنا حق ادا کر دیتا ہے بلکہ اپنے کندھوں سے امانت کا بوجھ بھی اتار دیتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر ہی انسان دنیوی واخروی سعادات حاصل کر سکتا ہے۔

☆ آپ ﷺ کے بیان فرمودہ راستے پر چلنا ہی تمام مسلمانوں کے روحانی اطمینان کا باعث ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ لوگوں کی نجات اور انہیں حق راہ پر چلانے پر بہت زیادہ حریص تھے۔ خداوند عالم کا فرمان یقیناً برحق ہے' ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبہ:۱۲۸)

''تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو

تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے مہربان ہیں''۔

ہوسکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کفار کے عدم ایمان کے سبب افسوس کے باعث جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے بیشک آپ ﷺ ہدایت یافتہ رحمت ہی رحمت تھے' آپ ﷺ نے لوگوں تک ایمان کی دعوت پہنچانے کے لئے اتنی مشقتیں اور تکالیف برداشت کیں جن کا تحمل پہاڑ بھی نہ کرسکتے تھے۔

☆ آپ ﷺ مخلص مربی اور ناصح معلم تھے۔اسی لئے آپ ﷺ ہر چیز کو اتنی وضاحت سے بیان فرماتے تھے کہ وہ انسانی قلوب میں راسخ ہوجاتی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر انہیں سیدھے راستے پر چلا سکیں۔آپ ﷺ سے استفادہ میں چھوٹے اور بڑے بھی برابر ہیں۔آپ ﷺ کی تربیت ہر اس مریض کے لئے باعث شفاء ہے جو سعادت دارین کا متمنی ہو ہے۔

☆ **ابھی ہم قارئین کے سامنے آنحضرت ﷺ کی تربیت کے چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام ان سے رہنمائی حاصل کرسکیں۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ** اپنے بچپن کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے مجھے فرمایا:''اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں' اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت' اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا' اللہ تعالیٰ کو یاد کر تو اسے اپنے روبرو پائے گا' جب بھی تجھے سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کر' جب تو نے مدد مانگنی ہو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ' جان لینا چاہئے کہ اگر ساری امت اس بات پر جمع ہوجائے کہ تجھے فائدہ پہنچائیں وہ تجھے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر اسی چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے' اور اگر تمام لوگ اس بات پر جمع ہوجائیں کہ تجھے نقصان پہنچائیں وہ تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اسی چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے' تو فراخی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر وہ تجھے تنگی میں یاد کرے گا جان لے کہ مدد صبر کے ساتھ ہے' اور کشادگی تکلیف کے ساتھ اور آسانی مشکل کے ساتھ ہے''۔

☆ سب سے پہلے تو مربی بچے کو اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی بتائے' مثلاً تجاهك' آمنے سامنے' روبرو۔ الرخاء' وسعت' فراخی۔ تعرف الی اللہ' اللہ تعالیٰ سے ذلت کے ساتھ اور گڑگڑا کر مانگو' الکرب' غم اور حزن۔

☆ پھر مربی بچے کو آنحضرتؐ کے ارشاد عالی کے متعلق وضاحت سے بتائے کہ آپ ﷺ نے پہلا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کرنا' یعنی اس کے اوامر ونواہی پر مشتمل حقوق کی حفاظت کرنا اور اس کی شریعت مقدسہ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا' یہ ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کا مطلب' اس مراقبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ انسان ہر عمل کرتے وقت دیکھے گا کہ اس میں خدا تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ اور اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ لہذا بہت سے گناہوں سے خود بخود حفاظت ہو جائیگی۔ جس بچے کو خدا تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کا خیال ہوگا وہ باآسانی خود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت گذاری میں لگا سکے گا' اور جب کوئی بچہ خدا تعالیٰ کی فرمان برداری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول کرتا ہے اور اسے خیر کثیر اور نفع عظیم سے نوازتا ہے۔

☆ دعاء اور سوال صرف خدا تعالیٰ سے ہی کیا جا سکتا ہے' تو جب بھی خداوند عالم سے کسی بھی دینی یا دنیاوی امور کے متعلق سوال کرے تو اکیلے خدا سے مانگ' صرف اسی کو پکار' اس کے سوا کسی کا سوالی نہ بن' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے سوال کرنا شرک ہے اور شرک ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔

☆ مربی بچے کے دل میں یہ بات بھی جاگزیں کرے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو عزتِ نفس اور کسی بھی دنیاوی امور میں لوگوں سے سوال نہ کرنے کی وصیت اس لئے فرمائی ہے کیونکہ لوگوں سے سوال نہ کرنا مومن کے لئے باعث کرامت و فضیلت اور خدا تعالیٰ پر اعتماد اور ایمان بالقضاء وقدر کا آئینہ دار ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر چیز کو پیدا فرمانے والے ہیں انہی کے ہاتھ میں ہر چیز کی کنجی ہے۔

☆ انسان مدد بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے حاصل کرے' کسی جن' فرشتے یا روح وغیرہ سے مدد حاصل نہ کرے' کیونکہ یہ راستہ شرک کی طرف جاتا ہے' اللہ تعالیٰ سے

مدد مانگنا اس کی عبادت کا ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس سے مدد مانگ کر اس کی عبادت کی جائے۔ نیز اس سے مدد مانگنا اس پر ایمان کے اثر اور اس کے ذکر کی فرع ہے۔

☆ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم' ارادے اور اسکی اجازت کے بغیر معرض وجود میں آجائے۔ نفع اور نقصان سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ فرمائیں تو نہ کوئی نفع مند چیز فائدہ دے سکتی ہے اور نہ ہی نقصان دہ چیز نقصان پہنچا سکتی ہے۔

☆ وسعت اور فراخی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر' اس کا شکر بجالا' اسکی تعریف کر اور اس کے حقوق ادا کر۔ جب تو یہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرا سوال پورا فرمائیں گے اور تیری امید کو بار آور کریں گے اور تیری پریشانیوں کو ختم فرمادیں گے۔ مربی اسی طرح حدیث کے مطالب اور مفاہیم کو بیان کرتا رہے۔

☆ اگر مربی چاہے تو بعض دقیق نکات اور گہری باتیں بھی بیان کرسکتا ہے' مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھا' اور اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی توجہ چند مفید اور اہم باتوں کی طرف دلائی۔ آنحضرت ﷺ نے راہ چلتے چلتے ہی عقیدۂ اسلام کی اہم ترین باتیں حضرت ابن عباسؓ کو سکھادیں' استاد آنحضرت ﷺ تھے' شاگرد حضرت ابن عباسؓ تھے اور مدرسہ تھا مدینہ منورہ کی پاکیزہ گلیوں کا راستہ۔

☆ مربی حدیث مبارک سے مستفاد چند فوائد بھی بچے کو بتا سکتا ہے۔

۱۔ بچے کو عقائد کی بنیاد بتانا' نرمی اور شفقت کے ساتھ تعلیم دینا' طالب علم کو محبت کے ساتھ پڑھانا تاکہ اس کے دل میں آپ کی بتائی ہوئی بات اچھی طرح گڑ جائے۔

۲۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق بجالائے گا اللہ تعالیٰ اس کی خواہشات کو مکمل فرمائیں گے۔

۳۔ مومن کا دلی تعلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے دعاء کرے اور نہ ہی کسی سے مدد چاہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے بعد آتی ہے' کشادگی مصیبت کے بعد اور آسانی مشکل کے بعد۔

۶۔ بچوں کو ابتدائی عمر میں ہی اس بات کا شوق دلانا کہ وہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمر بستہ رہیں اور گناہوں سے بچے رہیں۔

☆ آنحضرت ﷺ کی تربیت کا ایک انداز دیکھیں۔ مدرسۂ رسول ﷺ مسجد نبویؐ میں کبار صحابہؓ بھی موجود ہیں اور چند ایک نوعمر صحابہ کرامؓ بھی آنحضرتؐ کے چشمۂ فیض سے استفادہ کر رہے ہیں۔

☆ آنحضرتؐ صحابہ کرامؓ اور بچوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے سامنے مومن کی اصل حقیقت اس سہل اور دلکش انداز میں بیان کی کہ سامعین محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

☆ اسی مجلس میں ایک نوعمر حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی موجود تھے' وہی اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا مومن کی مثال اس سرسبز درخت جیسی ہے جس کے نہ پتے جھڑتے ہوں اور نہ چھال گرتی ہو۔ صحابہؓ عرض کرنے لگے فلاں درخت ہے' فلاں درخت ہے' میرا ارادہ ہوا کہ میں کہوں وہ کھجور کا درخت رہے' پھر مجھے شرم محسوس ہوئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

☆ مربی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد بچے کو تربیت کے حوالہ سے یہ بات بتائے کہ آداب مجلس کی رعایت کتنی ضروری ہے اور مجلس کے آداب کیا کیا ہیں؟۔

☆ آنحضرت ﷺ نے جب صحابہ کرامؓ سے استفسار فرمایا کہ وہ درخت کون سا ہے جس کے ساتھ مومن کو مشابہت ہے؟ ہر صحابیؓ نے اپنے زاویہ نظر کے مطابق اس سوال کو پرکھا اور اپنی سوچ کے مطابق اس کا جواب دیا۔ لیکن کوئی بھی صحابیؓ اس کا درست جواب نہ دے سکا' تاہم ایک چھوٹے سے بچے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ذہن رسا نے اس سوال کا جواب معلوم کرلیا' اگرچہ وہ اپنی شرم کے باعث جواب بتا نہ سکے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ مجلس میں موجود تھے لیکن سب خاموش بیٹھے رہے۔ محفل برخاست ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے کہا کہ میرے ذہن میں اس کا جواب آ گیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں شرم کے باعث بتا

نہ سکا۔ تو آپؐ کے والد حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اگر تو جواب دے دیتا تو مجھے زیادہ پسند ہوتا بہ نسبت اس کے کہ مجھے فلاں فلاں چیز مل جائے''۔ حضرت عمرؓ کو اپنے بیٹے پر افسوس ہوا کہ انہوں نے جواب کیوں نہ دیا کیونکہ باپ کو اپنے بیٹے کی ذہانت سے بہت خوشی ہوتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ ذہانت ایسی پاکیزہ اور مبارک محفل میں ظاہر ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ذہن میں اگرچہ جواب آ گیا تھا لیکن وہ بڑوں کے شرم اور ان کی بڑائی کے سبب خاموش رہے۔ آپؐ نے مومن کو درخت کھجور کے مشابہ اس لئے قرار دیا کہ اس کی بنیادیں مضبوط اور برکت عام ہے۔ وہ لوگوں کو فائدہ تو پہنچاتا ہے مگر نقصان نہیں پہنچاتا۔

☆ مربی اس حدیث سے تربیت کی باتیں بچے کے سامنے بیان کرے کہ مومن میں بھلائی ہی بھلائی ہونی چاہیئے۔ اسے چاہیئے کہ وہ تمام لوگوں سے محبت رکھے اور انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے کوشاں رہے۔ اور جیسے کھجور کے پتے نہیں اترتے اسی طرح مومن سے تقویٰ کا لباس نہیں اترنا چاہیے جیسے انسان کا ظاہری لباس اسے سردی گرمی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح تقویٰ بھی انسان کے نفس اور دل کو محفوظ رکھتا ہے۔

☆ مومن کو درخت کھجور کی مانند مسلسل عمل کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہئے اس کے کسی قول و فعل سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہونی چاہیئے' اُسے چاہیئے کہ فضولیات سے احتراز کرے تاکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اسے سعادت و فلاح کے بلند مرتبوں پر فائز فرمائے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی تعریف بیان فرماتے ہیں:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (المؤمنون:۱۔۳)

''بالتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو بات سے برکنار رہنے والے ہیں''۔

اسے چاہئے کہ مفید اور نافع بات کہے اور مفید اور نافع عمل کرے' اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دے' زمین میں فساد نہ پھیلائے اور نہ ہی مخلوق خدا

کے خلاف سرکشی اختیار کرے۔ جیسے کہ کھجور نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنے کام میں مگن رہتی ہے۔ نہ وہ فساد پھیلاتی ہے اور نہ ہی اسے فساد پھیلانے کے طریقوں کا علم ہے اسی طرح مومن کو چاہئے کہ ہر وقت ہر ایک کو نفع پہنچائے جیسا کہ کھجور جو ہر ایک کو ہر وقت فائدہ پہنچاتی ہے۔

☆ مومن کو کھجور کے ساتھ اس لئے بھی مشابہت ہے کہ کھجور ہر حال میں فائدہ مند ہے' اس کے پھل کو کاٹ کر رکھ لیا جائے' برسوں کام آتا ہے۔ اس کے پتے رسی وغیرہ بننے میں کام آتے ہیں۔ اس کی گٹھلیاں جانوروں کے چارہ میں کام آتی ہیں اور اس کی لکڑی آگ جلانے کے کام آتی ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی چاہئے کہ وہ ہر حال میں دوسرے کو فائدہ پہنچائے حتیٰ کہ موت کے بعد بھی۔

☆ ایک اور طریق تربیت جس کی رہنمائی مربی کے ذمہ ضروری ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: '' اچھے اور برے ساتھی کی مثال مشک فروش اور بھٹی دھونکنے والے کی ہے۔ خوشبو فروش یا تو تمہیں خوشبو دیدے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تمہیں اسکی خوشبو ہی حاصل ہو جائے گی' اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا تمہیں اس کی بدبو ہی آتی رہے گی۔

☆ مربی سب سے پہلے تو مشکل الفاظ کی تشریح کرے' بعد ازاں حدیث کے مطالب اور مفاہیم کو بیان کرے کہ آنحضرت ﷺ نے اچھے ساتھی کو خوشبو فروش اور برے ساتھی کو بھٹی دھونکنے والے سے کیوں تشبیہ دی ہے؟ نیک ساتھی تو مشک اور خوشبو ہے جو انسان کے مشام جاں کو معطر کر دیتی ہے۔ جیسے خوشبو سے انسان کو دلی فرحت اور سکون نصیب ہوتا ہے اسی طرح اچھا ساتھی بھی باعث اطمینان ہوتا ہے' اور برے ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی ہے جو خود بھی پریشان ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے۔ بھٹی دھونکنے والا ساری فضاء کو مسموم اور متاثر کر دیتا ہے جس سے انسان کو گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح برا ساتھی بھی سارے ماحول کو خراب کر دیتا ہے۔

☆ یہ دو متضاد صورتیں ہیں انسان ان میں سے کسے اختیار کرے؟ مربی اس کی وضاحت

کرے۔اور بچوں کو اچھی صحبت کے فوائد اور برے صحبت کے نقصانات سے آگاہ کرے۔

☆ میل ملاپ عادات کی منتقلی کا سبب ہے۔ جیسے کہ مرض ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اسی طرح عادات بھی ایک انسان سے دوسرے انسان میں پہنچ جاتی ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں ''طبیعتیں مشابہت اور اقتداء کو کھینچ لیتی ہیں بلکہ طبیعتیں تو چوری کرتی ہیں جس کا انسان کو علم بھی نہیں ہوتا''۔

☆ اہل طب کا یہ قاعدہ مشہور ہے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔اسی لئے وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ متعدی امراض میں مبتلا مریضوں سے دور رہیں اسی طرح انسان کو بری صحبت سے دور رہنا چاہئے' حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں ''برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا ساتھی تنہائی سے بہتر ہے''۔

☆ ہوسکتا ہے کہ بچے سوال کریں کہ اچھے ساتھی کی تعریف کیا ہے؟ اس کے جواب میں مربی کو چاہئیے کہ وہ اچھے ساتھی کی صفات بیان کرے کہ اچھا ساتھی وہ ہوتا ہے جس کے پاس بیٹھنے سے دینی یا دنیوی فائدہ حاصل ہو۔یعنی اچھا ساتھی فاضل مومن ہی ہوسکتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تیرا ساتھی نہ بنے مگر مومن' تیرا کھانا نہ کھائے مگر متقی''۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو ان برے لوگوں کا ساتھ نہیں اختیار کرنا چاہئیے جو گمراہ اور شیطان کی باتوں پر عمل پیرا ہیں' نیکیوں کا خیال نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی دوستی سے منع فرمایا ہے:

﴿ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هوٰهُ وكان امره فرطا﴾ (الکہف:۲۸)

''اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے''۔

☆ اچھا ساتھی وہ ہوسکتا ہے جو مسلمان عاقل' با اخلاق اور شریف طبیعت کا مالک ہو

عاقل ساتھی ہی انسان کی متاعِ حیات ہے۔ احمق اور بے وقوف کی دوستی میں سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فلا تصحب اخالجهل ❖ وايـــــاك وايـــــاه

فكم من جاهل اردى ❖ حليمـــا حين اخـــاه

يقـــاس المرأ بالمرأ ❖ اذا مـــاالمــرأ مـــاشـــاه

''جاہل کو دوست نہ بنا' تو اس سے دور رہ اور خود کو اس سے دور رکھ'
کتنے جاہل ایسے ہیں جو حلیم الطبع انسان سے دوستی لگا کر اسے ضائع
کر دیتے ہیں؟ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے''۔

☆ اچھے دوست کے لئے عاقل کے ساتھ ساتھ بااخلاق ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ شہوت' خواہش نفسانی اور غصہ وغیرہ کی رو میں بہہ کر کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے' جب اس کی طبیعت میں شرافت اور اخلاق حسنہ کے جوہر موجود ہونگے تو اس کی صحبت سے کامل فائدہ حاصل کیا جاسکے گا۔

☆ اس موقعہ پر مربی کو چاہئیے کہ وہ اخلاق حسنہ سے متعلق چند احادیث بچوں کو سنائے اور حدیث کے مشکل الفاظ کا ترجمہ بھی بتادے' اور بچوں کو بتائے کہ اخلاق حسنہ سے ہی دینی و دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ہم بھی چند ایک احادیث مربی کے لئے بیان کر رہے ہیں تاکہ وہ بچوں کے ساتھ ان کا مذاکرہ کر سکے۔

۱۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک درزی بچے کے پاس پہنچا' اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں ثرید کا پیالہ پیش کیا' اس پر کدو بھی ڈالے ہوئے تھے۔ وہ بچہ اپنے کام میں لگ گیا اور حضور اکرم ﷺ کدو تلاش کرنے لگے۔ میں بھی تلاش کر کے آپ ﷺ کے سامنے رکھنے لگا' اس کے بعد سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔

۲۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں تھا۔ یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ اب آنحضرت ﷺ قیلولہ فرمائیں گے اور میں فارغ ہوں، میں بچوں کی طرف نکلا جو کھیل رہے تھے میں ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور کھیلنے والے بچوں کو سلام کیا پھر مجھے بلایا اور کسی کام سے بھیج دیا میں چلا گیا آپ ﷺ میری واپسی تک سایہ میں بیٹھے رہے۔ میں اس وقت اپنی والدہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا لیکن اس دن میں اپنے وقت پر نہ پہنچ سکا جب میں اپنی والدہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا تم کیوں نہیں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کام سے بھیج دیا تھا انہوں نے پوچھا کہ کس کام سے؟ میں نے عرض کیا یہ حضور ﷺ کا راز ہے، انہوں نے فرمایا آنحضرت ﷺ کے راز کی حفاظت کرو۔

حضرت ثابت بنانیؒ جنہوں نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت انسؓ نے فرمایا اگر میں کسی کو وہ راز بتاتا تو تمہیں بتاتا۔

۳۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اے میرے پیارے بیٹے! جب تو گھر والوں پر داخل ہو تو سلام کیا کر یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے باعثِ برکت ہوگا۔

۴۔ حضرت انسؓ روایات کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بااخلاق تھے۔ آنحضرت ﷺ جب ہمارے پاس آتے تو میرے بھائی ابو عمیر سے فرماتے یا ابا عمیر ''مافعل النغیر'' اے ابو عمیر بلبل نے کیا کیا؟ میرے بھائی کی ایک بلبل تھی جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہمارے گھر میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ بچھونے کو جھاڑنے کا حکم فرماتے، اس پر جھاڑو پھیرا جاتا اور اسے جھاڑ لیا جاتا، پھر آپؐ کھڑے ہو جاتے، ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے۔

۵۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں بچہ تھا آنحضرت ﷺ کی گود میں۔ میرا ہاتھ پیالے میں گھوم رہا تھا۔ مجھے آپ ﷺ نے فرمایا ''اے بچے اللہ تعالیٰ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا''۔ اس کے بعد میرا کھانا یہی بن گیا۔

۶۔ حضرت سہیل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے'' اپنی شہادت کی انگلی اور ساتھ والی انگلی سے اشارہ کیا اور ان کے درمیان فاصلہ رکھا۔

۷۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جس وقت تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لئے پناہ مانگا کرتے تھے'' میں تم دونوں کے لئے پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلی چیز سے اور ہر نظر بد سے'' اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے'' تمہارے باپ (ابراہیم) انہیں کلمات سے حضرت اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے لئے پناہ مانگا کرتے تھے''۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت عبداللہؓ اور عبیداللہ اور دیگر بنی عباسؓ کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور فرماتے۔ جو مجھ تک پہلے پہنچے گا اسے یہ یہ ملے گا۔ پھر وہ دوڑتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے سینہ اور پیٹھ پر چڑھتے تھے۔آپ ﷺ انہیں چومتے اور اپنے ساتھ چمٹاتے تھے۔

۱۰۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت اقرع بن حابسؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے۔ حضرت اقرعؓ کہنے لگے کہ میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کبھی کسی کو نہیں چوما۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

۱۱۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ناک خاک آلود ہو جائے، پھر ناک خاک آلود ہو جائے، پھر ناک خاک آلود ہو جائے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کس کی ناک؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنے والدین کو بڑھاپے

کی حالت میں پایا' دونوں کو' یا ایک کو اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔

۱۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز میرے ہاں تشریف لائے اور مجھے فرمایا: کیا مجھے خبر نہیں کہ تم رات بھر عبادت کرتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کو عبادت بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو۔ بیشک تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے' تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے اور بیشک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے' اور ہو سکتا ہے کہ تیری عمر دراز ہو۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھے' کیونکہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح پوری زندگی کے روزے شمار ہونگے۔

۱۳۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے کھیلتے تھے اور کئی بار فرماتے تھے یا زوینب: یا زوینب: (اے چھوٹی سی زینب!)

☆ چند اور احادیث جن میں آنحضرت ﷺ نے حصول سعادت دارین کے اصول بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بس انہیں میں جہاد کر' یعنی ان ہی کی خدمت کر۔

۲۔ حضرت معاویہ بن جاہمہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت جاہمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ مشورہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے استفسار فرمایا کیا تمہاری والدہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کے ساتھ لازم ہو جا بیشک جنت اس کے قدموں میں ہے۔

۳۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اس بات سے خوشی ہو کہ اس کی عمر دراز ہو یا اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور صلہ رحمی اختیار کرے''۔

﴿بابِ رابع﴾

فصلِ اوّل: بچوں کی تربیت کی ضرورت واہمیت

فصلِ دوم: خاندان اور بچے کی مثالی تربیت

فصلِ سوم: بچے کی نشوونما' ابتداء سے انتہاء تک

فصلِ چہارم: سلوک وعمل کی روشنی میں بچے کا کردار

﴿فصل اوّل﴾

بچوں کی تربیت کی ضرورت واہمیت:

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ بچوں کی تربیت اور انہیں اخلاق حسنہ سکھانے پر کتنا زور دیا کرتے تھے؟ آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ بچے کے دل میں بچپن ہی سے اعمال صالحہ کا شوق ڈال دیا جائے اور بچپن ہی سے اسے صدق وامانت اور بڑوں کے احترام کی تعلیم دی جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو بڑوں کی تعظیم نہ کرے' چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کے حقوق نہ پہچانے''۔

☆ بچہ والدین کے پاس ایک قیمتی امانت ہے' بچہ ایک صاف تختی کی مانند ہے جس پر آپ جو چاہیں تحریر فرمادیں۔ بچہ صاف دل کا مالک ہوتا ہے جس میں خیر وشر دونوں سما سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔

☆ اسی لئے والدین کو بچوں کی حسنِ تربیت کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اسی کا آنحضرت ﷺ حکم فرماتے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے: ''بچوں سے جدا نہ رہو اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ''۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی بھی بیٹے کو اپنے والد کی جانب سے حسن ادب سے بہتر کوئی چیز وراثت میں نہیں ملتی۔

☆ چنانچہ والدین سے پوچھا جائیگا کہ بچوں کو اخلاق حسنہ اور اچھی عادات کی تعلیم دی یا نہیں؟ بچوں کو قرآنِ کریم حفظ کی تعلیم دے کر ان کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ قوی کیا یا نہیں؟ اور ان میں عبادات کا شوق پیدا کیا یا نہیں؟

☆ بچے کی تربیت کا پہلا مرحلہ جسے اہم ترین مرحلہ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ بچوں

میں اچھی عادات پیدا کی جائیں اور انہیں ہر چیز کے آداب سکھائے جائیں۔ مثلاً گفتگو کے آداب، سوال کرنے کے آداب اور کھانے کے آداب وغیرہ کہ دستر خوان پر لڑائی جھگڑا نہ کریں، کھانا مکمل کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھیں۔ انہیں آداب کی طرف آنحضرت ﷺ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت عمر بن ابی سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا آنحضرت ﷺ کی گود میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے، دائیں ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا۔

☆ نیز بچے کی گھٹی میں یہ بات بھی ڈالی جائے کہ وہ رات کو جلدی سوئے اور صبح جلدی اٹھے۔ جب اسکی عمر سات سال کی ہو جائے تو اسے طہارت، وضو اور نماز کی تعلیم دی جائے اور اسے ترغیب دی جائے کہ وہ وقت پر نماز ادا کرے۔ جب اس کی عمر دس سال کو پہنچ جائے تو اب دوسرا قدم اٹھایا جائے کہ نماز چھوڑنے پر تادیبی کاروائی بھی کی جائے، اور بچے کا بستر الگ کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب انکی عمر سات سال ہو جائے اور نماز کے ترک پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہو جائیں اور ان کے بستروں کو الگ الگ کر دو''۔

☆ بچے کی تربیت کا ایک اہم ترین پہلو یہ بھی ہے کہ ہم بچے کے فطری میلان کو بھی پیش نظر رکھیں، ہم اس میلان کا فائدہ اٹھا کر بچے کی بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بچے کی جائز تعریف بھی کریں۔ کیونکہ ہر انسان میں یہ فطری مادہ ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت بھی ہو، اور اس کے فوائد و نقصانات سے خبرداری بھی ہو تا کہ بچے میں معاملہ فہمی پیدا ہو سکے، جو اس کی عظیم شخصیت کی نشو و نما میں بہت کار آمد ثابت ہو گی۔

☆ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بہترین آداب سکھائے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ پھر تعلیم دو''۔

☆ حضرت احنف بن قیس فرماتے ہیں: ''ادب عقل کا نور ہے جیسے آگ اندھیرے میں آنکھ کے لئے نور بن جاتی ہے''۔

☆ ایک مقولہ ہے کہ ادب آباؤ اجداد سے حاصل ہوتا ہے اور نیکی اللہ کی طرف سے' نیز یہ بھی مقولہ ہے ''جو شخص اپنے بچے کو بچپن میں ادب سکھاتا ہے وہ بچہ بڑا ہو کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے''۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے: جسے والدین ادب نہ سکھائیں اسے زمانہ ادب سکھا دیتا ہے۔

☆ حضرت علی بن طالبؓ اس آیت کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم:٦)

اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''

یعنی انہیں ادب سکھاؤ اور تعلیم دو۔

قد ينفع الادب الاحداث في مهل ❖ وليس ينفع بعد الكبرة الادب

ان الغصون اذاقومتها اعتدلت ❖ ولاتلين اذاقومتها الخشب

''بچپن میں ادب سکھانے کا فائدہ ہے۔ جب عمر بڑی ہو جائے پھر ادب سکھانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ گیلی لکڑی کو جب سیدھا کرو گے تو سیدھی ہو جائے گی لیکن خشک لکڑی سیدھا کرنے سے سیدھی نہیں ہو سکتی''۔

☆ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں: ''اپنے بچے کو معزز بناؤ اور اسے عمدہ آداب کی تعلیم دو''۔

❖❖❖

❖

فصلِ دوم

خاندان اور بچے کی مثالی تربیت:

آنحضرت ﷺ نے بچے کی تربیت سے متعلق ایک اہم ترین حقیقت کو منکشف کیا ہے کہ ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

☆ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر بچے کو فطرت مستقیمہ عطاء فرماتے ہیں۔اب یہ والدین کا کام ہے کہ وہ اسے کس نہج پر چلاتے ہیں؟ اس کی اچھی تربیت کر کے اس میں نکھار پیدا کرتے ہیں یا اسے تربیت سے بے بہرہ رکھ کر کج روی کا شکار کرتے ہیں۔

☆ شریعت اسلامی کی ہدایات کے مطابق بچے کی بہترین تربیت کے لئے ایک ایسے گھر کی ضرورت ہے جو بچے کی تربیت میں مدرسہ کا ممد ومعاون ہو۔اسی طرح ایک عمدہ معاشرہ اور ماحول بھی بچے کی تربیت کے لئے ناگزیر ہے۔اگر یہ تمام چیزیں بچے کو میسر آجائیں تو حسن تربیت کا ایک شاہکار وجود میں آجاتا ہے۔اور اگر یہ چیزیں بچے کو میسر نہ ہوں تو اس کی اچھے انداز میں تربیت بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

☆ یہ فطری سی بات ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے خاندان اور گھر سے واسطہ پڑتا ہے۔ بعد ازاں اسے مدرسہ وغیرہ میں بھیجا جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے انسانی تربیت میں اثر بھی گھر اور خاندان کا ہونا چاہیے۔

☆ بچے کی اصلاح وتربیت پر خاندانی اثرات بہت زیادہ مرتب ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر خاندان صحیح نہ ہو تو بچے کی اچھی تربیت ناممکن ہے۔ اس صورت میں بھی بچے کی اچھی تربیت ہو سکتی ہے لیکن اس کے لئے زیادہ جدو جہد کی ضرورت ہوگی۔اگر بچے کی بہتر تربیت کے لئے خصوصی توجہ دی جائے تو اس کمی کا کافی حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔

☆ تربیت کے لئے ایک پاکیزہ ماحول کی ضرورت ہوتی ہے خواہ ایک بچے کی تربیت کی جائے یا بہت سوں کی۔ کیونکہ ماحول جیسے ایک بچے پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح زیادہ بچوں پر بھی اثر انداز ہوگا۔

☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی زندگی پر گھر کے اثرات بہت زیادہ مرتب ہوتے ہیں کیونکہ انسان کو سب سے پہلے اپنے گھر سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ انسانی زندگی کا بہت بڑا حصہ اپنے والد کے گھر میں گذرتا ہے۔ اسی لئے انسان کو اس سے محبت بھی ہوتی ہے۔ خاص کر انسان کو اپنی والدہ سے بہت محبت ہوتی ہے جو روزانہ اس سے بیسیوں بار ملتی ہے۔

☆ تربیتِ اطفال میں گھر کا بہت بڑا کردار ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اکیلا گھر ہی بچے کی تربیت کے لئے کافی ہے۔ بلکہ تربیت کے معاملہ میں ہم مدرسہ اور معاشرہ وغیرہ کو بھی کسی طرح فراموش نہیں کر سکتے۔

☆ اگر کسی بچے کی انفرادی تربیت کرنی ہو تو گھر والوں کو سخت جدو جہد کرنا پڑے گی کہ تمام معاشرہ سے ہٹ کر بچے کو ایک سانچے میں ڈھالنا یقیناً ایک مشکل امر ہے۔ یہ کام ہر انسان کر بھی نہیں سکتا بلکہ ہر انسان میں اس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ انفرادی تربیت وہ شخص کر سکتا ہے جو متاثر کن شخصیت کا مالک ہو اور اس کے کردار میں ہمہ جہتی کا رنگ پایا جائے اور اسے تربیت میں مہارت تامہ حاصل ہو۔

☆ ایک بار میری ملاقات اسی قسم کے ایک ماہر تربیت سے ہوئی' انہوں نے ایک بات بیان کی اور کہا کہ میں بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی تربیت ایک خاص نہج پر کر سکتا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ بچہ جب بھی روتا تھا وہ بچے کو نہیں اٹھاتے تھے۔ بالخصوص اس کی ولادت کے ابتدائی دنوں میں۔ یہاں تک کہ بچے کی عادت نہ رونے کی بن گئی۔ وہ ماہر کہنے لگے کہ شیر خوار بچہ بھی سمجھ دار ہوتا ہے۔ جب وہ روتا ہے تو اس کی ماں یا جو بھی قریب موجود ہوں اسے اٹھالیتے ہیں' اسی لئے رونا بچے کی عادت بن جاتا ہے' اور بچہ مزید رونا دھونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیتا ہے۔

☆ اسی ماہر نے مجھے بتایا کہ میرا بیٹا چالیس سے زیادہ الفاظ بول لیتا ہے حالانکہ اس کی عمر دس مہینوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اس ملک کے کسی اخبار میں میں نے بھی یہ بات پڑھی تھی کہ ایک بچہ چالیس سے زیادہ الفاظ بول لیتا ہے حالانکہ اس کی عمر ایک سال سے بھی کم ہے۔

☆ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کریں تو ہمارے لئے عمدہ گھر اچھے مدرسہ' اور اسلامی معاشرہ کا قیام ناگزیر ہے۔ تبھی ہم مطلوبہ نتائج حاصل کرسکتے ہیں۔

☆ انسانی تربیت پر چار چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ گھر' گلی' مدرسہ' اور معاشرہ۔ بچے کے طبعی رجحانات اور بچے کی شخصیت پر سب سے پہلے گھر اثر انداز ہوتا ہے۔ تاہم بچے کی تربیت میں مذکورہ بالا چاروں چیزوں کا عمل دخل ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اختلاف طبیعت کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز سے بنایا ہے' اور ہر ایک کی طبیعت میں الگ الگ صلاحیتیں ودیعت کی ہیں۔

☆ اسلام نے بھی تربیت میں خاندانی اثرات کا اعتبار کیا ہے۔ اسی لئے اسلام نے اس بات کی سخت تاکید کی ہے کہ انسان اپنے نسب کو یاد رکھے۔ نیز مرد پر عورت کے نفقہ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ عورت یکسو ہو کر بچوں کی بہترین تربیت کر سکے' اور ان میں نامور بننے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔

☆ اس سے ہمیں بہ خوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے بچوں کی بہترین تربیت کے لئے سازگار ماحول فراہم کرنے کی ضرورت کا کس حد تک خیال کیا ہے؟ کہ میاں بیوی کے درمیان محبت رکھ دی' مردوں کو حکم دیا کہ وہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ گھر کی نگرانی کریں:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء:۳۴)

''سو جو عورتیں نیک ہیں اور اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی

میں بحفاظت الٰہی نگہداشت کرتی ہیں''۔
اور حکم دیا کہ گھریلو اختلافات کو صلح کے ساتھ اچھے انداز میں ختم کرو۔

☆ اسلام کی پوری کوشش ہے کہ بچوں کو ایسا ماحول فراہم کیا جائے جس میں ہر قسم کے خلفشار اور انتشار سے یکسو ہو کر کامل طریقہ سے ان کی تربیت پر زور دیا جا سکے۔ تربیت میں سب سے زیادہ مؤثر والدین اور خاندان کی آپس میں محبت ہے۔ اگر کسی بچے کے گھر میں ہی اختلافات موجود ہوں تو وہ بچہ کبھی بھی یکسو ہو کر بہترین تربیت حاصل نہیں کر سکتا۔

☆ اگر ہم بچے کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ اس کے والدین صحیح اسلامی تربیت یافتہ ہوں۔ تبھی وہ اپنے بچے کو صحیح تربیت دے سکتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بچے کے اندر بھی تربیت حاصل کرنے کی استعداد موجود ہو۔ اس سے اس کے والدین بہت کم محنت کر کے بہت زیادہ نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسے بچوں پر زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

☆ والدین کو جب بچے کی پیدائش کی خوشخبری ملتی ہے تو فوراً ان کے ذہن میں آتا ہے کہ ہم اپنے بچے کی تربیت اسلامی خطوط پر کریں گے۔

☆ لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ بچے کی سوچ انتہائی حد تک محدود ہوتی ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بچے کو بالکل کسی قسم کا شعور نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ماں بچے سے خوش ہو کر اسے سینے سے لگاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور مسکراتا ہے۔ اور جب ماں اسے غصہ ہوتی ہے تو روتا ہے۔ تاہم اس شعور کے بارہ میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس حد تک ہوتا ہے؟۔

☆ ہم سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بچہ اپنے ابتدائی دنوں میں اپنے مافی الضمیر کو بیان نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ خوشی میں مسکرا دے اور خوف اور بھوک وغیرہ کے وقت رونا شروع کر دے۔ بچہ اگرچہ بیان پر قادر نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے ننھے دل میں کسی قسم کے جذبات پیدا نہیں ہوتے' بلکہ بچے پر بھی تمام چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں بلکہ بعض اوقات بچہ ان حادثات سے ساری زندگی متاثر رہتا ہے۔

☆ بچے کے دل میں جو چیز بھی پیدا ہوتی ہے' مسرت اور خوشی یا غم اور خوف وغیرہ' وہ اس کے دل میں کالمنقش فی الحجر ہو جاتی ہے' پھر انسان ساری زندگی اس کا اثر اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے۔

☆ یہ احساسات بچے کی لوح دل میں یقیناً نقش رہتے ہیں۔لیکن بچہ چونکہ اظہار ما فی الضمیر کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے وہ ان احساسات کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (النحل:۷۸)

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تم کو کان دیئے اور آنکھ اور دل' تا کہ تم شکر کرو''۔

☆ بچے کے ابتدائی احساسات اگرچہ غیر واضح اور مبہم ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ والدہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت ودیعت فرمائی ہے کہ وہ بچے کی طبیعت اور اس کے مزاج سے واقف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ماں ہی ایک ایسی ہستی ہے جو بچے کے بہت زیادہ قریب رہتی ہے اور اس کا بچے کے ساتھ تعلق بھی بہ نسبت اوروں کے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

☆ ابتدائی عمر کے بچوں میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے' ہر بچے کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ماں کی محبت اور امن سے بھری گود نصیب ہو جائے جہاں وہ آرام وسکون کے ساتھ اپنا وقت گذار سکے۔ بچہ جس محبت وسکون کا طالب ہوتا ہے ماں بھی اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے وہ محبت وسکون ضرور پہنچاتی ہے۔ اگر ماں مسلمان اور بچے کے نفع نقصان سے واقف ہو تو اس کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ بچے کو ایک ایسی ماہر تربیت کرنے والی ماں کی ضرورت ہے جو اس کے بچپن کی تہی دامنی کا خیال بھی رکھے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے ایک نامور انسان بنانے کا فریضہ بھی سرانجام دے۔ اسے اس بات کا بھی بہ خوبی علم ہوتا ہے کہ گھر کے امور میں ذرا سا بے سلیقہ پن اور بے تدبیری بچے کی تربیت پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔

☆ وہ محبت جو ماں اپنے بیٹے کو دے سکتی ہے دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کے دل میں جیسے خوف اور امید وغیرہ فطری طور پر موجود ہوتے ہیں اسی طرح اس میں محبت کا جذبہ بھی فطرتاً کارفرما ہوتا ہے۔

☆ بچے میں یہ تمام چیزیں اگرچہ غیر واضح ہوتی ہیں لیکن پائی ضرور جاتی ہیں۔ جب بھی بچے کو ان کے اظہار کے لئے خارجی ماحول میسر آتا ہے وہ اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ انہیں چیزوں کا اثر ہوتا ہے کہ بعض اوقات بچے کی نشو ونما بھی رک جاتی ہے۔ اسی سے اس بات کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان خطوط پر بچے کی تربیت کس قدر مشکل کام ہے؟ کیونکہ یہ تو ایک فطری چیز ہے کہ ہر انسان کی طرح بچہ بھی بعض چیزوں کو پسند کرے گا اور بعض سے ناپسندگی کا اظہار کرے گا۔

☆ جب بچے کو ماں کی طرف سے محبت نہیں ملتی خواہ اس وجہ سے کہ ماں سخت دل ہے یا اس وجہ سے کہ ماں باپ کی آپس میں نہیں بنتی تو بچے کے دل میں بھی محبت کی بجائے نفرت اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کا میلان برائیوں کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ معاشرہ میں منفی کردار کا حامل بن جاتا ہے۔

☆ بچے کی تربیت میں ماں کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ ماں کو چاہیے کے طبعی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرے۔ وگرنہ بچے کے دل میں خدا تعالیٰ نے محبت کے جو جذبات رکھے ہیں وہ سرد پڑ جائیں گے۔ لیکن اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ محبت میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔ محبت میں کمی و زیادتی دونوں بچے کے بہترین مستقبل کے لئے نقصان دہ ہیں کیونکہ محبت میں زیادتی اسے بدتمیزی کی طرف لے جاتی ہے اور کمی بچے کے اندر خود اعتمادی پیدا نہیں ہونے دیتی۔

☆ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی کہتا ہے نیز سابقہ لوگوں کے واقعات سے بھی یہی

معلوم ہوتا ہے کہ حد سے زیادہ خود اعتمادی اور اپنے کام پر۔ اترانا بچے کے لئے زندگی بھر نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہ صرف بچے کی زندگی کو ہی نہیں بلکہ اس کے گھر والوں کی زندگی کو بھی اجیرن بنا دیتا ہے۔

☆ ماں کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ آج کا بچہ کل کا مرد اور بچی کل کی عورت ہے' اور انہیں دو افراد سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے' اس لئے بچے کی تربیت کے لئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لانی چاہئیں اور اسے وہ محبت و شفقت ضرور دینی چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔

☆ جب بچے کو والدین کی جانب سے اپنے حق کے مطابق مؤدت و محبت مل جائے تو اب مرحلہ آتا ہے بچے کی عادات کا۔ عادات کا ظہور اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہوتا ہے لیکن یہ بچے میں بہر حال ابتداء ہی سے پائی جاتی ہیں۔ بچے میں اچھی یا بری عادات کو فروغ دینے میں بھی والدہ کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ جیسے دودھ پینے کی عادت اور سونے کی عادت وغیرہ ماں کی مرہون منت ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچے کے لئے اس کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر ایک معیار مقرر کریں پھر اس میں کمی یا زیادتی سے گریز کریں۔

☆ مثلاً مریض بچے کو والدین کی بالخصوص ماں کی بہت زیادہ شفقت و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اتنی زیادہ شفقت و محبت کا برتاؤ بچے کے ساتھ شفاء یابی کے بعد کیا جائے تو بچے کی عادت بگڑنے کا قوی امکان ہے' والدین کو ایسی حکمت عملی مرتب کرنی چاہیے کہ کبھی تو بچے کے ساتھ محبت کا برتاؤ کریں اور کبھی غصہ کا تاکہ نہ تو بچے میں کجی پیدا ہو اور نہ ہی اس کی حق تلفی ہو۔

☆ بچے کی تربیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ والدین کا مؤقف بچے کے سامنے ایک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک تو بچے کو سزا دینا چاہے اور دوسرا اس کے دفاع میں لگا ہوا اس سے بچے کے دل میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ تربیت کے ضابطے یا معیار مقرر نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکا کسی ایک کی مخالفت کی جرأت کر گذرے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ دوسرا میرا دفاع کرے گا۔ ہم نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ والد بچے کو سزا دینا چاہتا ہے جبکہ ماں اس کا

دفاع کررہی ہوتی ہے۔

☆ اگر ہم یہ فرض بھی کریں کہ والدین میں سے ہر ایک کا مؤقف بچے کی تربیت کے حق میں مختلف ہے۔ پھر بھی والدین کے ذمہ لازمی ہے کہ وہ اپنے اس اختلاف کو بچے کے سامنے بیان نہ کریں تاکہ بچے میں پریشانی اور بے یقینی کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ بلکہ والدین کو چاہیے کہ دونوں اپنے اپنے انداز میں بچے کی تربیت کرتے رہیں۔

☆ جب بچہ تھوڑا بڑا ہو جاتا ہے تو اس کے احساسات میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے' وہ اپنے ماحول اور ساتھیوں سے متاثر ہوتا ہے' اگر اسے اچھے ساتھی میسر آجائیں تو اس کی بہتری کی امید ہو سکتی ہے اور اگر اچھے ساتھی میسر نہ ہوں تو اسکی عادات بگڑنے کا قوی امکان موجود ہے۔

☆ ہم بچے کے بارہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چھوٹا ہے۔ اسے کسی چیز کی خبر نہیں' یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے' بچے کے اندر کسی چیز سے متاثر ہونے کی صلاحیت ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اس سے نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا' تاہم یہ بھی ضرور ماننا پڑتا ہے کہ وہ اس سے متاثر ہوتا ہے اور بسا اوقات اسے بیان بھی کر دیتا ہے۔ اور کبھی بچے سے غیر ارادی طور پر بھی وہ افعال سرزد ہو جاتے ہیں جو وہ دیکھتا یا سنتا ہے۔

☆ اگر ہم بچے کی زبان دانی پر غور کریں تو حیران رہ جائیں کہ ایک چھوٹا سا بچہ کس طرح الفاظ کے معانی کو' آوازوں کو' اور مفردات اور جملوں کو یاد کر لیتا ہے اور بلا تکلف ادا کر لیتا ہے۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ بچے کے اندر سیکھنے کا مادہ موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہوا ہے:

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (المؤمنون:۱۴)

''سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے''۔

☆ بچہ تو اپنے والدین سے نوجوانوں سے بھی زیادہ سیکھتا ہے' والدین اچھائی اور برائی دونوں میں اس کے راہنما ہوتے ہیں' اور اگر وہ ایک بار اپنے والدین سے کوئی برائی

سیکھ لیں تو پھر تمام عمر اسے چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے' مثلاً اگر بچے دیکھ لے کہ اس کی ماں باپ کے ساتھ یا باپ' ماں یا دوسرے لوگوں کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے تو سچ کی تمام عظمت بچے کے دل سے نکل جائیگی۔ جتنا چاہیں اسے سچ کے فضائل سنادیں وہ مطلقاً ان پر کان نہیں دھرے گا۔ اسی طرح اگر بچے کو علم ہو جائے کہ اس کی ماں باپ کو یا باپ ماں کو یا دوسرے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے تو بچہ کبھی دھوکہ دہی کو نہیں چھوڑ پائیگا اور اس کے دل سے امانت کی عظمت بالکل ختم ہو جائیگی۔

☆ اگر بچہ اپنے والدین کے علاوہ کسی اور کو غلط کام میں ملوث دیکھتا ہے تو اتنا اثر قبول نہیں کرتا' بالخصوص اگر اس کے والدین عقلمند ہوں اور اچھے انداز میں اس کی تربیت کرتے ہوں۔ البتہ اپنے والدین کو کسی غلط کام میں ملوث دیکھ کر اس پر جو اثر ہوگا وہ تمام عمر باقی رہے گا۔

☆ اسی لئے اسلام یہ چاہتا ہے کہ والدین بچوں کے سامنے اپنے کردار کو نمونہ کے طور پر پیش کریں' بالخصوص بچے کی کم عمری کے زمانہ میں' کیونکہ بچہ کم عمری کے زمانہ میں بغیر کسی مشقت کے کسی کے نمونہ کو بھی اختیار کر سکتا ہے' اور بچپن ہی سے اسے اپنے دل میں راسخ کر سکتا ہے۔ وہ والدین سے تعلیم حاصل کر سکتا ہے' معاشرتی روایات سیکھ سکتا ہے اور لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کے طریقے سمجھ سکتا ہے۔

☆ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے مرد کو ترغیب دی ہے کہ وہ شادی کے لئے دیندار عورت کو ترجیح دے' ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''عورت کے ساتھ چار باتوں کے سبب نکاح کیا جا سکتا ہے۔ مال کے سبب' حسب نسب کے سبب' جمال کے سبب اور دین کے سبب' پس تم دیندار کو ترجیح دو' تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں''۔ بچوں کی عمدہ تربیت کے لئے دیندار ماں ایک بہترین تربیت گاہ ثابت ہوگی۔ اگر بچے کو بچپن ہی سے اچھے کام کی عادت ہو گئی تو بڑی عمر میں اس پر عمل بہت آسان ہوگا بلکہ بچپن کی عادت تو انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔

☆ والدین اگر قرآن وسنت پر عامل ہوں اور اپنے بچوں کو بھی قرآن وسنت پر

عامل بنانا چاہتے ہوں تو پھر وہ بچے کی تربیت اس انداز میں کر سکتے ہیں کہ بچہ صادق و امانت دار ہو، اسے خود اعتمادی بھی حاصل ہو اور تمام اچھے اخلاق پر بھی فائز ہو۔

☆ لیکن اس تمام کے باوجود بچے کے بعض طبعی تقاضے بھی ہیں، ہوسکتا ہے کہ بچہ اپنی ذاتی طبیعت کے سبب کسی وقت جھوٹ بول بیٹھے۔ اگر والدین کو علم ہو کہ بچہ جھوٹ بول رہا ہے تو بچے کو یہ بات ہرگز نہیں کہنی چاہیے کہ ''تم جھوٹ بول رہے ہو'' بلکہ اسے نرمی اور شفقت کے ساتھ نصیحت کرنی چاہیے اور یہ کہنا چاہیے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح آپ سمجھ رہے ہیں، اور آہستہ آہستہ حکمت عملی کے ساتھ اس سے اصل حقیقت اگلوائی جائے۔

☆ بچہ کبھی اپنی قوت خیالی سے مغلوب ہو کر بھی جھوٹ بول دیتا ہے، وہ ایک چیز سوچتا رہتا ہے سوچتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ کام نہیں کیا ہوتا۔ اس کا بھی وہی علاج ہے جو پہلے مذکور ہو چکا۔

☆ اور کبھی بچہ ایسی چیزیں اپنی طرف منسوب کر دیتا ہے جو درحقیقت اس میں موجود نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے ہم عمر بچوں کے سامنے اپنی بڑائی بیان کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت پیدا ہو سکے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کے دل سے موعظت اور نصیحت کے ذریعے یہ خیال نکالا جائے، نیز اسے ان بڑائیوں کے حصول پر برانگیختہ کیا جائے۔

☆ کبھی بچہ اس لئے جھوٹ بولتا ہے تاکہ اسے بہت سے پیسے مل جائیں اور وہ اپنی پسند کی چیزیں خرید سکے، اس کا علاج یہ ہے کہ اسے پند و نصیحت کے ذریعے سیدھے راستے پر چلایا جائے۔

☆ اکثر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ بچوں میں دو خرابیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ چوری اور جھوٹ۔ بچوں سے یہی دو کام زیادہ سرزد ہوتے ہیں، انہیں دو کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے والدین کو بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے کہ وہ بچے سے یہ عادات چھڑا کر انہیں سیدھے راستے پر گامزن کر سکیں۔

☆ بچہ کبھی اپنے والد کی غربت کے سبب چوری اور جھوٹ تک پہنچتا ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں فلاں فلاں چیز حاصل کرلوں۔ یہی فضول اور غیر مفید چیزوں کا شوق اسے ان خرافات تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت صبر اور قناعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے بچے میں نصیحت اور ترغیب کے ذریعے سچ بولنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ جب بچے کو سچ کی عادت ہوجائیگی تو وہ جھوٹ نہیں بولے گا جس سے اس کی چوری کا علم ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بچہ اسی لئے چوری سے بچ جائے کہ بعد میں سچ بول کر اس کا اقرار کرنا پڑے گا۔

☆ ان کے علاوہ بعض اوقات اور بھی برائیاں بچے میں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بچہ اپنے ہم عمروں پر کھیل میں ظلم کرتا ہے' اور رعب جھاڑتا ہے' اس بیماری پر ابتداء ہی سے قابو کرنا چاہیے' والدین اور مربی کو چاہیے کہ نصیحت اور ترغیب کے ذریعے بچہ کی اس بیماری کو ختم کریں' وگرنہ یہ عادت بچے کو عمر بھر پریشان رکھے گی۔

☆ بچے کی تربیت کے بارہ میں شریعت مقدسہ کی یہ بھی ہدایت مدنظر رہے کہ شریعت نے بچے کی تربیت کے لئے ترغیب و ترہیب دونوں پر عمل کا حکم دیا ہے۔ بعض اوقات سزا بچے کی تربیت میں وہ کام کر جاتی ہے جو کوئی اور چیز سرانجام نہیں دے سکتی۔ تھوڑی سی سزا اس کی پوری زندگی سنوار دیتی ہے۔

☆ اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ بہت سے جدید مغربی نظریات والے سزا کو مطلقاً حرام سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تربیت صرف اور صرف پند و نصیحت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ دیکھا یہی گیا ہے کہ جو حضرات بلند مرتبوں پر فائز ہوئے ان کی تربیت میں نرمی کے ساتھ ساتھ سختی کا عنصر بھی موجود تھا۔

☆ سزا کے ذریعے تربیت تعلیم اسلامی کے منافی نہیں ہے تاہم بچے کی تربیت کا طبعی طریقہ یہی ہے کہ بچے کو نصیحت کے ذریعے اچھے امور کی طرف مائل کیا جائے لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ جن بچوں نے سزا کے ذریعے تربیت حاصل کی ہے انہوں نے ایک کامیاب زندگی گذاری اور ایک درخشندہ مستقبل کے حامل بنے۔ اور جن بچوں کی تربیت

صرف نصیحت کے ذریعے ہی ہوئی تو وہ زندگی کے تھپیڑوں کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کر سکے۔

☆ ہمیں یہ بات بہ خوبی سمجھ لینی چاہیے کہ بچے کی تربیت کے لئے سزا نقصان دہ امر نہیں ہے جیسا کہ مغربی لوگ اور کچھ مغرب زدہ مشرقی لوگ اس کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔

☆ اس تمام بحث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سزا کو ایک ضروری امر قرار دے کر اس کی حمایت کر رہے ہیں کہ بچے کی تربیت کی ابتداء ہی سزا سے ہو۔ بلکہ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مربی پہلے تو پند و نصیحت سے ہی کام لے۔ لیکن جب پند و نصیحت بالکل ہی کارگر نہ ہو تو مجبوراً سزا کا سہارا لے تا کہ بچے کو اس سزا کے دوران اس چیز کا احساس ہو جائے کہ واقعۃً مجھ سے خطاء سرزد ہوئی تھی۔ اس سے انشاء اللہ بچہ معاشرہ میں ایک کامیاب انسان کے طور پر ابھرے گا۔

☆ لیکن کیا ہر بچے کے لئے سزا ضروری ہے؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم بچے کی انفرادی طبیعت کو مدنظر رکھیں۔

☆ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ایک بار کی سزا ہی کافی ہوتی ہے۔

☆ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں غلطی کا احساس دلا دینا ہی کافی ہوتا ہے۔

☆ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ غصہ کے ساتھ صرف انہیں دیکھ لینا ان کے لئے کافی ہوتا ہے۔

☆ بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں ایک سخت کلمہ کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔

☆ لیکن بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک انہیں سخت سزا نہ دی جائے وہ باز نہیں آتے۔ انہیں نصیحت کرنا یا قہر آلود نگاہ سے دیکھنا یا احساس دلانا وغیرہ قطعاً کارگر نہیں ہوتا

☆ اب یہ کام مربی کا ہے کہ وہ بچے کی طبیعت کا جائزہ لے اور دیکھے کہ اس کے لئے سزا ضروری ہے یا نصیحت؟ یا دونوں؟

☆ اکثر مربی حضرات یہی فرماتے ہیں کہ بچے کو وقتاً فوقتاً دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی اس کے لئے نصیحت و شفقت ضروری ہوتی ہے اور کبھی زجر و توبیخ اور سزا۔

☆ بچے کو کسی بھی اچھے کام کی طرف مائل کرنے کے سو طریقے ہیں۔ والدین کو

چاہیے کہ مسکرا کر یا شفقت بھرا بوسہ لے کر بچے کو اچھے کام کی طرف راغب کریں۔ یا اسے کسی ایسے کھیل میں لگائیں جس سے بچے کے دل میں خود بخود اچھے کام کرنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔ یا کوئی بھی ایسا کام جو بچے کو پسند ہے اس کے ذریعے بچے کو اچھے اور مفید کام کی ترغیب دی جائے۔

☆ بچے کو ترغیب دینا انتہائی ضروری ہے تاکہ بچے اچھی تربیت حاصل کر سکیں۔ بچوں کے ساتھ ہر وقت سخت لہجے میں بات کرنا بچے کو تنگ نظر بنا دیتا ہے۔ اگر والدین بچے کو نرم لہجے میں اچھے انداز میں کسی بات کی تلقین کریں گے تو بچہ اسے جلد سمجھے گا۔

☆ اگر بچے کو کسی برے کام کی عادت ہو جائے تو فوراً اس سے وہ کام چھڑایا جائے اس بات سے ڈرے بغیر کہ ہو سکتا ہے بچہ اس عادت کو چھوڑنا برداشت نہ کرے، وگرنہ وہ بری عادت مستقبل میں اس کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوگی۔ سب سے پہلے کوشش کریں کہ بچہ نصیحت کے ذریعے اس بری عادت کو ترک کر دے۔ اگر وہ نرمی کو قبول نہ کرے تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور ہلکی پھلکی سزا دیں۔ اس بات سے بالکل نہ ڈریں کہ بچے کو اس پر غصہ آئے گا اور اس کے دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہونگے۔ اگر بچے کو معقول سزا دی جائے جو حد سے متجاوز نہ ہو تو بچے کے دل میں کبھی بھی یہ خیالات نہیں آ سکتے۔ ایسے وقت نرمی بچے کے ساتھ زیادتی ہے۔ کیونکہ اس سے بچے میں خودسری پیدا ہوتی ہے جس سے اس کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح والد کو چاہیے کہ بچے کو گھریلو ساز و سامان کے خریدنے کے لئے بھی بھیجے اور اسے یہ مت کہے کہ پیارے بیٹے: جاؤ یہ چیز لے آؤ میں تمہیں ایک روپیہ دوں گا۔ یا اگر بچہ یہ شرط عائد کر دے کہ میں تب خریداری کے لئے جاؤں گا جب آپ مجھے روپیہ دیں گے تو اس کی یہ شرط ہرگز قبول نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بچے کے اندر سے احساس ذمہ داری ختم ہو جاتا ہے اور اس کا مطمح نظر یہی بن جاتا ہے کہ مجھے وہی کام کرنا چاہیے جس کے عوض مجھے پیسے ملیں۔ جو مستقبل قریب میں اس کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوگا۔

☆ بچہ اگر کوئی غلطی کرے تو اسے نصیحت کی جائے اگر باز نہ آئے تو کچھ دیر کے

لئے اس سے ناراض ہو جائیں' اگر پھر بھی باز نہ آئے تو کچھ دیر کے لئے اسے قہر آلود نگاہوں سے گھوریں۔ اگر پھر نہ رکے تو اسے بلند آواز سے جھڑکیں۔ اگر یہ حیلہ بھی کارگر نہ ہو تو بچے کی جو پسندیدہ چیزیں ہیں ان سے بچے کو محروم کر دیں۔ اگر دیکھیں کہ بچہ پھر بھی اثر قبول نہیں کر رہا تو پھر بچے کو ہلکی پھلکی سزا دیں۔ دوران سزا مربی کو یہ بھی چاہیے کہ وہ بچے کی زبانی اصلاح بھی کرے کیونکہ کبھی سزا سے بچے میں دل شکستگی پیدا ہوتی ہے اور وہ توہین پر اتر آتا ہے۔

☆ دوران تربیت اگر سزا کی ضرورت پڑے تو مربی کو مناسب سزا دینی چاہیے۔ نہ تو حد سے زیادہ سختی کرے اور نہ ہی حد سے زیادہ نرمی کا برتاؤ کرے۔ بچے کو غلطی کی مناسب سزا ملنی چاہیے۔ بچے کو ہر بات پر نہیں مارنا چاہیے ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ بچے کے لئے مار بھی غیر مؤثر ہو جائیگی۔

☆ اگر بہ وقت ضرورت مربی بچے کو سزا سے ڈرائے تو اسے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ اسے صرف زبانی جمع خرچ نہ سمجھتا رہے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ کم از کم ایک دفعہ ضرور اپنی دھمکی پر عمل کرے تاکہ بچے کے دل میں یہ خوف بیٹھ جائے کہ اگر میں غلطی کروں گا تو مجھے قرار واقعی سزا ضرور ملے گی۔

﴿فصلِ سوم﴾

بچے کی نشو ونما' ابتداء سے انتہا تک:

☆ جب میں نے یہ فصل لکھنے کا ارادہ کیا تو میرے ذہن میں بہت سے سوالات نے جنم لیا'' کیا ہمارے ہاں مثالی بچے پیدا ہو سکتے ہیں؟ کیا ممکن ہے کہ کسی مثالی بچے کی تربیت ابتداء سے انتہاء تک درست خطوط پر کی جا سکے؟''۔

☆ میں ان سوالات کا جواب سرسری طور پر نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ ان کے جوابات کے لئے میں نے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کیا' پھر بہت سے ماہرین تربیت سے عرب وغیر عرب ممالک میں ملاقات کی۔ بہت سے ایسے فضلاء کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھا جو مسند تدریس پر رونق افروز ہیں۔ ہر ایک سے میں نے یہی سوال کیا'' کیا مسلمانوں میں کوئی مثالی بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا ہم کسی بچے کی عین اسلام کے مطابق تربیت کر سکتے ہیں؟''

☆ مجھے ہر جانب سے جوابات موصول ہوتے رہے لیکن کوئی جواب بھی کافی شافی وافی نہیں تھا بلکہ ہر ایک نے ٹال مٹول کا اندز اختیار کیا ہوا تھا۔ بعض سلف صالحین کے بچوں کا تذکرہ کرتے تو بعض مغربی طرز تربیت پر روشنی ڈالتے' بعض عرب کا قدیم طرز تربیت ذکر کرتے تو بعض مغربی انداز کو پسند کرتے' مجھے کوئی ایسا مناسب جواب نہیں ملا جو میں لوگوں کے سامنے اور دنیا کے سامنے پیش کر سکتا۔

☆ دریں اثناء میں نے یہ فصل شروع کی تا کہ میں قارئین کو اس انداز تربیت کے متعلق بتا سکوں جس پر علماء کرام اور جدید وقدیم مربی حضرات نے زور دیا ہے۔ شاید اس سے ممالک اسلامیہ میں بچے کی تربیت کے متعلق اٹھنے والے سوالات حل ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں بھی اس دنیا میں بچوں کی کچھ خدمت کر سکوں۔ شاید کوئی آدمی اس سے فائدہ حاصل کر کے میرے لئے دعاء مستجاب کر دے۔

☆ بچے کی عمر کے ابتدائی سال اس کی زندگی کا اہم ترین مرحلہ ہے۔ علماء

انہیں ''تکوینی سال'' کہتے ہیں۔ ماہرین تربیت علماء کرام فرماتے ہیں کہ بچہ ان ابتدائی سالوں میں جو کچھ سیکھتا ہے وہ تمام عمر اس کے دل میں راسخ رہتا ہے۔

☆ اسی لئے آنحضرت ﷺ کوشش فرمایا کرتے تھے کہ بچے کو اعلیٰ ترین تربیت سے مزین کیا جائے۔ بلکہ آپ ﷺ نے خاندان اور والدین کو بھی تاکید فرمائی ہے کہ وہ بچے کی تربیت میں سستی سے کام نہ لیں۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے' اپنے بچوں کی تین عادات پر تربیت کرو' آنحضرت ﷺ کی محبت پر' اہل بیت نبی ﷺ کی محبت پر اور قرآنِ کریم کی تلاوت پر' بیشک حاملینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے برگزیدہ افراد کے ساتھ اس دن عرش کے سایہ میں ہونگے جس دن کہ عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

☆ بچوں کی ذہن سازی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بڑے بڑے اکابرین اور نئے و پرانے بزرگوں کے قصے سنائے جائیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور علماءِ عظام ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں ہم اپنے بچوں کو آنحضرتؐ کے جہاد کے واقعات اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے۔

☆ امام غزالیؒ نے بھی اپنی عظیم تصنیف ''احیاء العلوم'' میں بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم بزرگوں کے واقعات اور احکام دینیہ سکھانے کی ضرورت واہمیت پر توجہ دلائی ہے۔

☆ لیکن دوا سے پہلے ہمیں بیماری کی حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے' ہم اب بچپن کے حالات اور ان کی اہمیت' کثرت نسل کے فوائد' نیک اور صالحہ بیوی اختیار کرنے' بچے کے بعض احکام اور بچے کی تربیت کو بیان کریں گے۔ بعد ازاں چند مثالیں ذکر کریں گے کہ آنحضرت ﷺ نے بچوں کی تربیت کیسے کی؟ اور انہیں کس طرح تربیت دی؟ ہم انشاء اللہ بچے کی نشو ونما کو ابتداء سے انتہاء تک بیان کریں گے۔

☆ بچپن انسانی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے جو ولادت سے شروع ہو کر سنِ بلوغ پر ختم ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ﴾ (الحج:۵)

''پھر تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی بھری ہوئی جوانی

تک پہنچ جاؤ''۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ﴾ (النور:۵۹)

''اور جس وقت تم میں کے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں''۔

☆ ان دونوں آیات مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچپن ولادت سے شروع ہوکر بلوغ تک رہتا ہے۔

☆ ہم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ بچپن انسانی زندگی کے اہم ترین مراحل میں سے ہے۔ بچپن بعد کی زندگی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی زمانہ میں انسانی عقل نشوونما پاتی ہے' اسی مرحلے میں احساسات جنم لیتے ہیں' استعداد پیدا ہوتی ہے' میلان طبع کی حدیں مقرر ہوتی ہیں اور اسی وقت انسانی شخصیت بنتی یا بگڑتی ہے۔

☆ انسانی زندگی کا یہ مرحلہ خالی کتاب کی مانند ہوتا ہے۔ جس میں انسان اپنے حادثات اور نت نئی پیش آمدہ باتیں لکھتا ہے۔

☆ بچپن کا زمانہ زمین کی مانند ہوتا ہے جس میں انسان جو اچھے اخلاق اور صفات یا گندی عادات کا بیج کاشت کرتا ہے مستقبل میں اسی کا پھل اسے حاصل ہوتا ہے۔

☆ بچپن انسانی زندگی کا ایسا عمدہ ترین زمانہ ہے کہ جس میں انسان ہر قسم کی عادت اپنا سکتا ہے۔ خواہ اچھی ہو یا بری' عمدہ ہو یا گھٹیا' اعلیٰ ترین ہو یا رذیل ترین۔

☆ بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے سب سے پہلے اپنی ماں کی صورت نظر آتی ہے' وہ اسے دیکھ کر شفقت اور محبت سے مسکراتی ہے۔ پیار اور چاہت کے ساتھ اسے اپنے سینے سے چمٹاتی ہے۔ اور پیار بھرے بولوں سے اظہار محبت کرتی ہے' بچہ بھی اس پیار و محبت اور شفقت سے متاثر ہوتا ہے' اسے بھی علم ہو جاتا ہے کہ ماں کا سینہ اس کے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے جہاں وہ ہر قسم کی تکالیف سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب بچے کو بھوک ستاتی ہے تو ماں ہی اسے کھانا کھلاتی ہے' جب وہ روتا ہے تو ماں ہی اسے ہنساتی ہے۔ ماں ہی اس سے آلائشوں کو دور کرتی اور اس کے لئے ہر سرد گرم برداشت کرتی ہے۔

☆ پھر بچے کی نظر جب ذارا دور تک دیکھنے لگتی ہے تو وہ اپنے باپ' بھائیوں اور خاندان کے دیگر افراد کو دیکھتا ہے' اسے ہر طرف محبت اور امن وسکون ہی نصیب ہوتا ہے' اور بچہ خود کو مسرور خیال کرنے لگتا ہے۔

☆ اس وقت والدین سے بچے کے اس اہم ترین مرحلے کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ کیا انہوں نے بچے کی عقلی اور جسمانی تربیت کی ہے یا نہیں؟ کیا اسے اچھی عادات اور اخلاق حسنہ کا درس دیا ہے یا نہیں؟ اور آیا والدین نے اپنے عملِ صالح کو بچے کے سامنے ایک عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا یا نہیں؟ والدین کو چاہیے کہ اپنے عمل کے ذریعے اپنے بچے کو صرف اور صرف فضیلت کے کام سکھائیں۔

☆ والدین بچے کی تربیت' تعلیم اور نصیحت کے ذریعے بھی کر سکتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ بچے کے دل میں ایمان' سچ کی محبت اور ریاء کاری کی نفرت پیوست کر دیں' اور اسے استقامت اور اچھے کاموں کی ترغیب دیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی امانت ''بچے'' کا حق ادا کر دیا ہے' جی ہاں! بچہ اللہ تعالیٰ کا ہدیہ اور اس کی امانت ہے۔ والدین کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اس کی رعایت کریں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں۔ وگرنہ بچہ ضائع ہو جائیگا اور ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرما کر اسے زندوں کا مسکن بنا دیا اور اس پر ایسی چیزیں پیدا کیں جو زندگی کے لئے مدومعاون ہیں' اور انسان کو اس میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ لہذا انسان کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ زمین کی اصلاح کر کے اسے آباد کرنے کے اسباب مہیا کرے' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶)

''اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں''۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نسل کو جاری فرمایا اور شادی کو کثرتِ نسل کے لئے شروع

فرمایا۔ شادی درحقیقت سنت اسلام ہے جس کی آنحضرت ﷺ نے بہت سی احادیث بھی ترغیب دی ہیں۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں شادی کے پانچ فوائد ذکر کئے ہیں۔ (۱) اولاد' (۲) شہوت پر قابو پانا' (۳) امور خانہ داری کو احسن خطوط پر چلانا' (۴) عیش وعشرت' (۵) عورتوں کے حقوق کی انجام دہی میں نفس کا مجاہدہ۔

☆ اسلام نے بچے کو اتنی اہمیت دی ہے اور ابتداء سے انتہاء تک اس کی اتنی رعایت کی ہے کہ اس کی ولادت سے پہلے ہی اس کی تربیت اور اس کی خدمت کے لئے اہم ترین قواعد اور ضابطے تشکیل دیئے ہیں۔ کیونکہ آج کا بچہ کل کا مرد' معاشرہ کا اہم رکن اور امت کا ستون ہے۔ اسی لئے اسلام نے بچے کا بہت زیادہ لحاظ کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ بچوں کے لئے اس چیز کا حصول ممکن بنائیں جو اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں سود مند ہو' شریعت اسلامیہ نے باپ کو حکم دیا ہے کہ وہ نیک' صالح' شریف' اچھی عادت کی حامل اور دین وایمان والی پاکدامن عورت سے شادی کرے۔ اس لئے کہ بیوی کی یہی عادات کل اس کی اولاد میں منتقل ہونگی' لیکن یہ تب ہے جب بچے کی پیدائش میں ہی شرافت طبع' عمدہ صفات' حسن اخلاق اور بہترین عادات کا خمیر ہوگا۔ اسی لئے ایک صاحب نے اپنی اولاد کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

واول احسانی الیکم تخیری ❖ لما جدة الاعراق بادعفافها

''میرا تم پر پہلا احسان یہ ہے میں نے اپنی شادی کے لئے ایسی عورت کو منتخب کیا جو اعلیٰ نسب والی ہے' اور جس کا پاکدامن ہونا واضح ہے''۔

☆ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو بیوی کو خوبصورتی کے پیمانے پر پرکھتے ہیں' وہ بیوی کے حسن ظاہر کے متعلق سوال کرتے ہیں اور باطنی حسن وتربیت پر توجہ ہی نہیں دیتے' حالانکہ کبھی انسان کی ظاہری حالت باطنی حالت کے برعکس ہوتی ہے۔ لڑکی والے بھی دولت مند لڑکے کو پسند کرتے ہیں انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ مال کیسے کمایا ہے؟ بس مال وافر مقدار میں ہونا چاہیے جیسے بھی آئے۔ ان کے نزدیک اخلاق حسنہ کی بالکل قدر نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی اولاد نہ تو والد کی فرماں بردار ہوتی ہے اور نہ

ہی والدہ کی۔ اس کا مشاہدہ صدیوں سے ہوتا چلا آ رہا ہے اور آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

☆ جو شخص ظاہری خوبصورتی، گفتگو کی دلکشی اور لباس میں تصنع کو پسند کرتا ہے کچھ ہی دنوں بعد اس پر حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ پھر اسے یہ شادی ایک ڈرامہ معلوم ہوتی ہے جس کے ظاہری لبادے میں کچھ اور ہی حقیقت پنہاں ہوتی ہے۔ تب اسے اپنی بیوی کی بری طبیعت، گندی عادات اور قول و فعل میں بدمعاملگی کا پتہ چلتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

☆ اسلام نے حکم دیا ہے کہ شادی کے لئے صحیح نقطۂ نظر اپنایا جائے۔ میاں بیوی دونوں کے پیش نظر نیکی اور صلاح ہونی چاہیے تبھی ان کو دنیا و آخرت کی نیک بختی نصیب ہوگی۔ مرد کو چاہیے کہ وہ شریف خاندان سے اچھے اخلاق کی حامل نیک بیوی تلاش کرے۔ آنحضرت ﷺ اپنے فرمان ذیشان میں ہمیں اسی کا حکم دے رہے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے: ''نیک خاندانوں میں شادی کرو کیونکہ باپ کی عادات بیٹوں تک پہنچتی ہیں''۔

☆ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ میاں بیوی دونوں دیندار اور بااخلاق کو پسند کریں۔ جب کوئی دیندار بااخلاق اور نیک نوجوان مل جائے تو شادی کر دیں، اسی طرح عورت سے چار چیزوں کے سبب شادی کی جاتی ہے۔ ان میں سے بھی دین کو ترجیح دینے کا حکم ہے۔

☆ اسی طرح اسلام نے ترغیب دی ہے کہ غیر شادی شدہ سے نکاح کرو، بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بہت زیادہ بچے جننے والی سے شادی کرو اور ایسی نیک عورت سے شادی کرو جو مرد کو خوش کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ساری دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے''۔

☆ اس تمام کے بعد اولاد کی نعمت کا مرحلہ آتا ہے، ہم ایک اہم بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں اور وہ اہم بات ہے لڑکیوں کی پیدائش کو ناپسند سمجھنے پر اسلام کا حکم۔ موجودہ زمانہ میں بھی اس مرض کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَشَاءُ الذُّکُوْرَ﴾ (الشوریٰ:۴۹)

''وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے''۔

شاید لڑکیوں کو لڑکوں پر مقدم کرنے میں حکمت الٰہیہ یہ ہو کہ ان کے اہتمام پر لوگوں کو ابھارا جائے اور والدین کو ان کے اکرام کی ترغیب دی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ والدین کو لڑکوں کے ساتھ زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس صنف کو پہلے ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں نہ کہ اس صنف کو کہ جسے والدین چاہتے ہیں۔ نیز اس لئے کہ زمانہ جاہلیت کے سردار لڑکیوں کو ناپسند سمجھتے تھے۔

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ کَظِیْمٌ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ (النحل:۵۸،۵۹)

''اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جاوے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپ چھپ کر پھرے آیا اس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے''۔

☆ اسی لئے بہت سی احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لڑکیوں کی عیال داری اور ان کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑے ثواب اور اجر کا وعدہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے دو لڑکیوں کی عیال داری کی یہاں تک کہ وہ بالغہ ہو گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے'' اور آپ ﷺ نے دونوں انگلیوں کو ملا لیا۔

☆ بچے کی تربیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ والدین کو اس کی پیدائش کی خوشخبری

دیتے ہوئے یہ کہے ''بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهِ (مذکر کیلئے) بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا'' (مونث کیلئے) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس بچے میں برکت رکھ دے۔ یا والدین یا بچے کے لئے کوئی اور دعائیہ جملہ استعمال کرے۔ والدین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بچے کی خوشخبری لانے والے کا ہدیہ کے ساتھ اکرام کریں۔

☆ بچوں کی پیدائش کی خوشخبری قرآنِ کریم کی لطیف توجیہات میں شامل ہے' قرآن کریم میں مذکور ہے کہ ملائکہ انبیاء کرام یا ان کی ازواج مطہرات کو خوشخبری دیا کرتے تھے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴾ (الصفت:۱۰۱)

''سو ہم نے ان کو ایک حلیم فرزند کی بشارت دی''۔

حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ (ہود:۷۱)

''سو ہم نے ان کو بشارت دی اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ سے پیچھے یعقوبؑ کی''

حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا:

﴿اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ (الحجر:۵۳)

''ہم آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا''۔

حضرت زکریاؑ سے فرمایا:

﴿يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى﴾ (مریم:۷)

اے زکریا! ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا''

یقیناً اولاد دلوں کی بہار اور انسانی حیات کے لئے تروتازگی کا باعث ہے۔ بچے کی ولادت کی خوشخبری گویا کہ جنت کی خوشخبری ہے۔ اس لئے کہ اولاد ہی زندگی میں والدین کے لئے ذخیرہ اور وفات کے بعد دنیا میں یاد رکھے جانے کا سبب ہے۔

☆ والد کے لئے مستحب ہے کہ بچے کی کان میں اللہ تعالیٰ کے شکرانہ کے طور پر اذان

دے۔ یہ بچے کا حق ہے کہ اس کے کان میں اللہ کا نام گونجے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسنؓ کی ولادت کے وقت ان کے کان میں اذان دی تھی۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسنؓ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی تھی

☆ پھر بچے کا اچھا سا نام تجویز کیا جائے' پھر اس کے سر کے بال کاٹے جائیں اور ان بالوں کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے' پھر اس کا عقیقہ کیا جائے پھر اس کا ختنہ کرایا جائے۔ یہ تمام کام اس لئے کئے جاتے ہیں تا کہ بچے کے دل میں اچھے کاموں کا داعیہ پیدا ہو سکے اور نیک کاموں پر عمل اس کی فطرت میں شامل ہو سکے۔

☆ جب بچے کے لئے اپنے ماحول سے آشنا ہونے کا وقت آئے تو والدین اس کے دل میں دینی اور دنیاوی امور کی اہمیت اجاگر کریں اور اسے ادب سکھائیں۔ جو شخص اپنی اولاد کو بچپن میں ادب سکھاتا ہے وہ تمام زندگی اپنی اولاد سے خوش رہتا ہے۔

﴿ علم بنيك ان اردت صلاحه لا خير في ولد اذالم
يضرب او ماترى الاقلام حين فصامها ان لم بقط
رئوسها لا تكتكب ﴾

''اگر تم اپنے بیٹوں کی اصلاح چاہتے ہو تو انہیں ادب سکھاؤ۔ بغیر مارے بچوں کی اصلاح نہیں ہوتی کیا تجھے معلوم نہیں جب تک قلم تراشتے وقت اس کی نوک نہ کاٹی جائے اس سے لکھا نہیں جا سکتا''۔

نعم الاله على العباد كثيرة ❖ واتمهن نجابة الاولاد
فضع العصا ادب لهم كي يسلكو ❖ سبل الرشاد و منهج الزهاد

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں کامل ترین نعمت اولاد کی شرافت ہے۔ انہیں ادب سکھانے کے لئے ان پر ڈانڈا رکھو' تا کہ وہ زاہدین کے طریقہ اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

☆ تمام مخلوقات میں انسان کی تربیت سب سے زیادہ ضروری ہے' کیونکہ انسان

ہی روئے زمین کا واحد فرد ہے جن پر زمین کی صلاح وفساد کا دارو مدار ہے۔ بچہ اگر بڑا ہو جائے اور اس کی تربیت صحیح نہ ہو تو وہ پورے معاشرے کے لئے بگاڑ کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح صحیح تربیت بچے اور معاشرے دونوں کے لئے فائدہ مند ہے۔

☆ بچہ جدید زندگی کی معرفت کا پیاسا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس میں کیا کچھ پوشیدہ ہے؟ اس کی اس پیاس کو سیرابی میں تبدیل کرنا چاہیے تاکہ وہ زندگی کے اطمینان سے بہرہ ور ہو سکے۔ اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنا نفع نقصان پہچان سکے۔ کیونکہ ہر بچے کی فطرت میں اللہ تعالیٰ بہت سی صلاحیتیں ودیعت فرماتے ہیں' ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ انہیں بچے کو استعمال کیا جائے اور انہیں ان اخلاق عالیہ اور اچھی عادات کا خوگر بنایا جائے جو اس کے اعلیٰ خاندان کے شایان شان ہوں۔ ضروری ہے کہ اس کی عقل وخرد کو جلا بخشی جائے تاکہ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر اور اپنے نفس کی تہذیب کر سکے۔

☆ اس تربیت کے متعلق والدین سے کل قیامت کے دن سوال کیا جائیگا کہ عمدہ خطوط پر بچے کی اصلاح کی یا نہیں؟ کیونکہ چھوٹا بچہ تو خیر اور شر کے ادراک سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس کے لئے تو والدین کی زندگی ہی نمونہ ہوتی ہے۔ والدین جو چیز بچے میں کاشت کرتے ہیں وہی فصل تیار ہو جاتی ہے۔ اگر وہ بچے میں سچ کاشت کریں گے تو اچھا نتیجہ برآمد ہوگا اور اگر ماں بچے کے سامنے جھوٹ بولتی رہے تو یقیناً بچہ بھی اس برائی میں مبتلا ہوگا۔ اسی لئے بچے کو سچ کی تلقین کرنی چاہیے قولاً بھی عملاً بھی۔

☆ بچے کا واسطہ معاشرہ یا مدرسہ کی تربیت سے پہلے گھر کی تربیت سے پڑتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے امت کو بچے کی ولادت سے ہی تربیت کے عملی قوانین سے روشناس کرایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ "ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی' عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"۔

☆ والدین کو چاہیے کہ معاشرہ بھر کی سعادت اور خیر خواہی کے لئے بچے کی ان اسلامی بنیادوں پر بہترین تربیت کریں۔

۱۔ بچے کے دل میں ایمان باللہ کو راسخ کریں۔ جونہی وہ بولنا شروع کرے اسے ان

الفاظ ومعانی کی تلقین کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت ظاہر ہوتی ہو۔ اسے ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی تلقین کریں' اسے دین اور امور نافعہ کی تعلیم دیں۔ یہ تمام باتیں سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''اپنے بیٹے کو ادب سکھاؤ' یقیناً آپ سے پوچھا جائیگا کہ آپ نے اسے کیا ادب سکھایا اور کیا تعلیم دی؟ اور اس سے آپ کے ساتھ حسن سلوک اور آپ کی فرمانبرداری کے متعلق پوچھا جائیگا''۔

۲۔ دینی واجبات کا قیام بچے کی گھٹی میں ڈالیں تا کہ وہ جسمانی اور عقلی دونوں طور پر ان کا عادی ہو سکے اور کبھی ان سے روگردانی نہ کرے۔ تعلیم نماز کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں' اور نماز کے ترک پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہوں اور ان کے بستر جدا کر دو۔

۳۔ بچے کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دو مثلاً استقامت' سچ بولنا' اداء امانت' اور بڑوں کا ادب وغیرہ اور اسے ایسی عادات سے دور رکھا جائے جو مروت انسانی کے خلاف ہیں۔ مثلاً غصہ' حسد' کینہ اور چغلخوری وغیرہ۔ اگر بچپن میں اسے ان گندی باتوں کی عادت ہوگئی تو بڑی عمر میں ان باتوں سے بچنا اس کے لئے بہت مشکل ہوگا۔

۴۔ بچے کی ایسی تربیت کریں کہ وہ قول کا پکا ہو اور اخلاص عمل کی دولت سے بھی مالا مال ہو بایں طور کہ وہ اپنی زندگی کو بہادرانہ اور جرأت مندانہ انداز میں گذار سکے اور کسی کی غلط فکر اور سوچ کی صحیح انداز میں مدافعت کر سکے۔

۵۔ بچے کو نیکی کا دھنی بنائیں۔ اسے سخاوت وایثار پر ابھاریں' اور اس کے ذہن میں اجتماعی سوچ پیدا کریں۔

☆ بچے کی تربیت کے بارہ میں ہم سے جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ہم ان کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

۱۔ ہم بچے کے احساسات اور اس کی کم عقلی سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جب بچہ تھوڑی سی غلطی کرتا ہے ہم اسے فوراً سزا دیتے ہیں یا ڈانٹ ڈپٹ کر کے اس کی تحقیر کرتے ہیں۔

اگراس کے ہاتھ سے گھر کی کوئی چیز ٹوٹ جائے تو اسے تمام گھر والوں کی جانب سے زجرو توبیخ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی یہی ڈانٹ ڈپٹ اس کی کج روی کا سبب بن جاتی ہے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ بچے کی دنیا ہماری دنیا سے مختلف ہے۔ ہمیں اس کی دنیا اور کم فہمی کو نہیں بھلانا چاہیے۔ کبھی بچہ تیز اور شرارتی ہوتا ہے۔ اس وقت اسے نرمی کے ساتھ صحیح سمت میں چلانا چاہیے۔

۲۔ بچے کو ڈرانا تاکہ وہ سو جائے' یا خاموشی سے بیٹھ جائے یا اپنی حرکات سے باز آجائے وغیرہ۔ یہ بھی ہماری غلطی ہے۔ کبھی ہم اسے محض وہمی چیزوں مثلاً بھوت پریت وغیرہ سے ڈراتے ہیں' کبھی اسے جنات اور عفریت سے ڈراتے ہیں اور کبھی ان خرافات سے جو ہمارے شہروں میں رواج پا جائیں۔ ہماری مائیں کبھی بچے کو ڈاکٹر اور اس کے انجکشن سے ڈراتی ہیں' کبھی اسے استاد اور مدیر مدرسہ سے ڈراتی ہیں۔ اس سے بچے میں بزدلی پیدا ہو کر اس کی شخصیت پر برا اثر پڑتا ہے۔ بسا اوقات ان چیزوں کے سبب بچہ ڈاکٹر' اور علاج و دواء وغیرہ کو ناپسند کرتا ہے۔

۳۔ بچے سے روک ٹوک کو بالکل ختم کر دینا اور بچے کے ساتھ زیادہ نرمی اختیار کرنا بھی بچے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر نرمی ہی نرمی ہو تو بچہ بعض اوقات گھٹیا حرکات اپنانے لگتا ہے جو اس کی دین اور صحت کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ اسی سے بچے کے اخلاق فاسد ہوتے ہیں اور اس کے نزدیک اخلاق حسنہ اور فضائل کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

☆ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان غلطیوں پر توجہ دیں اور بچے کی تربیت کو اپنے لئے لازم کر لیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ اپنے بچوں کے ساتھ لازم ہو جاؤ اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ۔

☆ جب ہم بچے کے لئے فائدہ مند چیزیں اختیار کریں گے اور نقصان دہ چیزوں سے اسے دور رکھیں گے تو ہم اس مثالی پن کے قریب ہو جائیں گے جس کے ہم اور والدین خواہاں ہیں کہ بچہ والدین کے لئے اور تمام معاشرہ کے لئے سعادت اور نیک بختی کا سبب بن جائے۔

﴿فصلِ چہارم﴾

سلوک وعمل کی روشنی میں بچے کا کردار:

☆ بچہ اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ کبھی وہ صحیح کام کرے گا کبھی غلط کرے گا۔ ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ بچے کی غلطی تنہا بچے کی غلطی نہیں ہے بلکہ اس پورے معاشرے کی غلطی ہے جو اصلاح سے عاری ہے اور فساد کی طرف گامزن ہے۔

☆ کامیاب مربی وہ ہے جو بچے کے چال چلن اور طور طریقوں کا حکمت کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ اگر بچہ کوئی غلطی کرے تو اسے اشاروں اور کنایوں سے سمجھایا جائے' صراحتاً اس برائی کا ذکر مناسب نہیں۔ اگر بچہ بار بار ایک غلطی کرتا ہے تو مربی حکمت کے ساتھ بچے کے دل میں یہ بات بٹھائے کہ اگر اس نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو اس کے ساتھ سختی برتی جائیگی۔ زجر وتوبیخ کی اب بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسے پند ونصیحت کے ذریعے غلطی کا احساس دلایا جائے۔ نہ ہی بچے کے دل میں اپنی ہیبت بٹھائے اور نہ ہی اس غلط بات کو بتنگڑ بنا کر پیش کرے۔

☆ اس اہم نقطہ کی طرف امام غزالیؒ نے عرصہ دراز سے ہماری توجہ مبذول کرائی ہوئی ہے انہوں نے بچے کی تربیت کے لئے ایک مکمل قولی وعملی طریق متعین فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں' جب بچے سے کسی اچھے کام اور اچھی بات کا ظہور ہو تو اس کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا چاہیے اور اس عمل کا ایسا بدل عطاء کرنا چاہیے جس سے بچہ خوش ہو جائے۔ نیز بچے کی لوگوں کے سامنے تعریف بھی کی جائے' اور اگر بچہ پہلی بار غلطی کرے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے۔ پردہ دری مناسب نہیں' اس کے سامنے یہ بالکل ظاہر نہ کرے کہ کوئی بھی شخص اس غلطی کا تصور کر سکتا ہے بالخصوص اگر بچہ بھی اسے چھپانا چاہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس اخفا سے بچے کی جسارت بڑھے اور پھر اسے اس بات کے ظاہر ہونے کی پرواہ ہی نہ رہے۔ اگر وہ دوبارہ غلطی کرے تو اسے تنہائی میں ڈانٹا جائے اور اس کام کا بہت برا

ہونا ثابت کیا جائے۔ اور اسے کہا جائے' خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا! اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو تم لوگوں کے سامنے ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔ اس بات کا بھی خیال رہے کہ بچے کو ہر وقت نہ ڈانٹا جائے کیونکہ پھر اسے اس کی عادت ہو جائے گی اور ملامت کا احساس اور بات کی وقعت اس کے دل سے ختم ہو جائیگی۔ باپ کو چاہیے کہ کبھی کبھار ڈانٹے لیکن وہ ڈانٹ ڈپٹ ہیبت اور رعب سے بھر پور ہو۔ والدہ کو چاہیے کہ وہ بچے کی شرارتوں پر اسے روک ٹوک کرتی رہے اور والد سے ڈراتی رہے۔

☆ اگر بچہ کوئی اچھا کام کرے تو لوگوں کے سامنے تعریف کر کے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ لیکن بچہ کے دل میں یہ بات بھی پیوست کی جائے کہ غلطی پر اسے تنبیہ کر کے لوگوں کی نظر میں گرایا جاسکتا ہے۔ اس سے انشاء اللہ بچہ سیدھے راستہ پر گامزن رہے گا۔

☆ ہر انسان خطاء کا پتلا ہے۔ لہٰذا بچے سے خطاء واقع ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ اس غلطی پر پردہ ڈالنا چاہیے اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرانا چاہیے۔ اصل اسلامی طریقہ یہی ہے کہ بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بٹھایا جائے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے گھر والوں پر ڈنڈا نہ اٹھاؤ' انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراؤ''۔

☆ عقلمند مربی کو بچے کی حالت کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ اس بات سے بھی باخبر ہوتا ہے کہ اس کے لئے نصیحت کارگر ہے یا سزا؟ یا دونوں؟ مربی کو بچے کی تربیت انہی بنیادوں پر کرنی چاہیے کہ بچہ کل تمام معاشرہ کے لئے مثالی نمونہ ہو۔ اس کام کے لئے بچپن کے ابتدائی ایام بہت زیادہ اہم ہیں کہ ان ایام میں اسے جس سانچے میں ڈھالیں وہ ڈھل جاتا ہے۔ مربی پر لازم ہے کہ وہ بچے کے وسیع ترین مستقبل کو پیش نظر رکھ کر اس کی تربیت کرے کیونکہ یہی تربیت زندگی بھر اس کے کام آئیگی۔

☆ ہماری اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیر و تاریخ کی کتابوں میں حضرت معاویہؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک بار وہ اپنے بیٹے یزید پر ناراض ہوئے اور کسی کو حضرت احنف بن قیس تمیمیؒ کے پاس بچوں کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں کہا اے امیر المومنین وہ ہمارے قلوب کی بہار اور ہمارے پشت پناہ ہیں۔ ہم

ان کے لئے بچھی ہوئی زمین اور سایہ دار آسمان ہیں۔ اگر وہ مانگیں تو آپ انہیں دیں، اگر وہ ناراض ہوں آپ انہیں راضی کریں۔ انہوں نے اپنی محبت آپ کو بخش دی ہے اور اپنی جدو جہد کی الفت آپ کو عطاء کر دی ہے۔ ان پر بوجھ نہ بنیں کہ وہ آپ کی زندگی سے رنجیدہ ہو جائیں گے اور آپ کی وفات کی تمنا کریں گے۔

☆ اسی وجہ سے یہ مقولہ بولا جاتا ہے جہاں تلوار چلانے کی ضرورت ہو وہاں کوڑا نہیں چلایا جاتا، متنبیؔ نے کیا خواب کہا:

فوضع الندی فی موضع السیف بالعلا

مضر کو ضع السیف فی موضع الندی

جہاں تلوار چلانی ہو وہاں سخاوت اتنی ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ سخاوت کے موقع پر تلوار چلانا۔

☆ اسی لئے صحابہ کرامؓ تربیت میں درمیانہ راستہ اختیار کیا کرتے تھے۔ ان کا طریقۂ تربیت ناصحانہ اور نافع ہوتا تھا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت ابوالدرداءؓ کا گذر ایک آدمی پر ہوا جس سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے۔ آپؓ نے فرمایا اگر تم اسے کنویں میں دیکھتے تو نہ نکالتے؟ لوگوں نے کہا ضرور نکالتے۔ آپؓ نے فرمایا تم اپنے بھائی کو برا بھلا نہ کہو اس خدا کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں بچایا۔ انہوں نے کہا کیا ہم اسے برا نہ کہیں؟ آپؓ نے فرمایا میں اس کے کام کو برا کہتا ہوں جب اس نے وہ برا کام چھوڑ دیا تو یہ میرا بھائی ہے۔

☆ انسان کا اچھا یا برا ہونا اس کا ذاتی عمل ہے نہ کہ اسلامی تشخص۔ کیونکہ اسلام تو صرف اور صرف انسان کو صلاح و نیکی کی تعلیم دیتا ہے۔ جب انسان نیک کام کرتا ہے تو اس سے محبت اور اس کی اچھی تعریف ضروری ہے۔ بچے پر اتنا غصہ ہونا جو اس کی شخصیت پر اثر انداز ہو کسی طور مناسب نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ بچے کی تربیت اپنے عمل کے ذریعے کریں۔ جب بچے کو عمل کے ذریعے کسی کام کی تلقین کی جاتی ہے تو بچے کے دل میں اس

کے حصول کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب عملی تربیت اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو گی تو یقیناً اس کا عمل قول کی بہ نسبت زیادہ ہو گا' اور اگر انسان کا قول اور عمل ایک ہی ہو تو اس کی تربیت یقیناً زیادہ سودمند ہو سکتی ہے۔

☆ اب ہم یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ اس ماحول میں ہم بچوں کی تربیت اسلاف کے طرز پر کس طرح کریں؟ اور سلف صالحین نے اپنے بچوں کی سلوک اور عمل میں کس طرح تربیت کی؟

☆ اس کے جواب کے لئے ہم سلفِ صالحین کے چند واقعات بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا میں اپنی نماز میں تیری وجہ سے زیادتی کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے تیری رعایت کر دے۔ پھر آپؒ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ (الکہف:۸۲)

''اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی کے سبب اس کی اولاد کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے' اور والد کی عبادت کی برکات اسے دنیا و آخرت دونوں میں حاصل ہوتی ہیں کہ آخرت میں وہ اپنی اولاد کے متعلق شفاعت کرے گا اور اسی کے سبب اس کی اولاد کو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز کیا جائیگا تاکہ اپنی اولاد کو اس مقام پر دیکھ کر اسے مزید خوشی و فرحت حاصل ہو۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ کی نیکی کے سبب ان کے ساتھ رعایت کی گئی۔ ان کی دینی نیکی کے متعلق ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ ان کا سگا باپ نہیں تھا بلکہ سات نسل پہلے والا دادا تھا۔

☆ حضرت عمرؓ کی حیات طیبہ میں بھی ہمارے لئے بچے کی تربیت کے متعلق واضح اور روشن ہدایات اور بچے کی تربیت کا چارٹر موجود ہے' جس پر چل کر بچہ سلوک و عمل کی

آخری منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ آپؓ نے مختلف شہروں میں رہنے والوں کو لکھا۔
امابعد! ''اپنے بچوں کو تیراکی اور گھوڑ سواری سکھاؤ''۔
اور ایک روایت میں ہے کہ ''انہیں حکم دو کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر سوار ہوں''۔

☆ بچہ صرف والد کی جاگیر نہیں بلکہ پوری امت کی ملک ہے۔ اسی لئے اسے تیراکی 'نیزہ بازی اور گھوڑ سواری سکھا کر جہاد کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تربیت کا یہ طریقہ آنحضرت ﷺ کی ہدایات سے مستفاد اور آپ ﷺ کی ذکر کی گئی بنیادوں پر استوار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیر اندازی کرو اور سواری کرنا سیکھو' اور تیر اندازی مجھے سواری کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے بھلا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے یہ ایک نعمت تھی جس کا اس نے انکار کیا۔

☆ ہم دیکھتے ہیں کہ سلف صالحین اپنے بچوں کے لئے زبانی تلقین کے ساتھ ساتھ عملی نمونہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ خود بھی بدری صحابہ کرامؓ کے پاس جایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ ' حضرت ابن عباسؓ کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ علماء صحابہؓ کی خدمت میں بیٹھا کریں۔ تربیت کا قاعدہ ہی یہی ہے کہ علم کے معاملے میں کوئی بھی بڑا نہیں ہے۔

☆ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

ایک روز مجھے بلایا میں بھی ان کے ساتھ داخل ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ مجھے صرف ان حضرات کی زیارت کے لئے بلا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾ (النصر:۱)

''جب خدا کی مدد اور فتح آپہنچے''۔

کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں' بعض نے فرمایا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی عطاء فرمادیں تو ہم اس کی حمد و تعریف کریں اور اس سے استغفار کریں' اور بعض بدرین خاموش ہو گئے اور انہوں نے کچھ نہ کہا' پھر حضرت عمرؓ نے مجھے فرمایا اے ابن عباسؓ آپ بھی یونہی کہتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ میں

نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کے متعلق بتایا ہے فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾

''جب خدا کی مدد اور فتح آ پہنچے''۔

یہ آپ ﷺ کی وفات کی علامت ہے:

﴿فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ (النصر:۳)

''تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے وہ بڑا قبول کرنے والا ہے''۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں بھی یہی جانتا ہوں جو تم کہہ رہے ہو'

☆ حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ مہاجرین نے حضرت عمرؓ سے کہا' جیسے آپ حضرت ابن عمرؓ کو بلاتے ہیں اسی طرح ہمارے بیٹوں کو کیوں نہیں بلاتے' انہوں نے فرمایا اس کی زبان سوال کرنے والی اور اس کا دل عاقل تھا۔

☆ حضرت ابن عباسؓ اس بلند مرتبہ پر کبھی فائز نہ ہو سکتے تھے اگر ان پر ان کے والد حضرت عباسؓ کی توجہات نہ ہوتیں جنہوں نے انہیں اس منصب کے قابل بنایا' ایک روز انہیں ان کے والد نے کہا' یہ آدمی (مراد حضرت عمرؓ تھے) تمہارے قریب رہتا ہے' اس کے سامنے کوئی راز ظاہر نہ کرنا نہ اس کے پاس کسی کی غیبت کرنا' نہ وہ تم سے کوئی جھوٹی بات سنے اور نہ تو اس کے سامنے کوئی چیز ظاہر کر جب تک کہ وہ تجھ سے سوال نہ کرے۔

☆ عملی تربیت کے لئے محبت وشفقت کی ضرورت ہوتی ہے' حضرت عمرؓ کی سیرت محبت وشفقت سے بھری پڑی ہے' جس کی بہت سی جھلکیاں ہمیں آپؓ کی زندگی میں صاف دکھائی دیتی ہیں۔ عباس العقاد اپنی کتاب عبقریة عمرؓ میں اسی تربیتی طرز کو زیر تحریر لاتا ہے اور کہتا ہے' حضرت عمرؓ بچوں پر اتنی شفقت فرمایا کرتے تھے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ بچوں کو کھیل کود میں بھی کسی قسم کی پریشانی نہ ہو' اور اگر کھیل میں مشغول کوئی بچہ ڈرتا تو آپؓ اسے پیار اور شفقت کے ساتھ دوبارہ کھیل میں ضرور مشغول کرتے'

حضرت سنان بن سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں بعض بچوں کے ساتھ کھجور کے نیچے سے کچی کھجوریں اٹھا رہا تھا۔ جب حضرت عمرؓ تشریف لائے تو بچے دوڑ گئے یہ اپنی جگہ کھڑے رہے، جب حضرت عمرؓ قریب آئے تو انہوں نے جلدی سے کہا اے امیر المومنین یہ کھجوریں ہوا سے نیچے گری ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے دکھاؤ۔ ان کے دامن کو دیکھا اور فرمایا تو نے سچ کہا' بچے نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ کو اپنے محافظ کے طور پر اپنے ساتھ گھر تک لے گیا وہ بھاگنے والے بچوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا اے امیر المومنین کیا آپؓ انہیں نہیں دیکھ رہے۔ واللہ اگر آپ نہ چلے گئے تو یہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور جو کچھ میرے پاس ہے مجھ سے چھین لیں گے؟ حضرت عمرؓ ان کے ساتھ گئے یہاں تک کہ انہیں ان کے گھر پہنچایا۔

☆ یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ کامیاب تربیت نے حضرت سنان بن سلمہؓ میں شجاعت اور ذہانت وسچائی کو کس طرح بھر دیا تھا۔ یہ اسی عملی تربیت کا نتیجہ تھا جو انہیں اپنے مربی سے حاصل ہوئی۔ اسی واقعہ سے ہمیں حضرت عمرؓ کے متعلق بھی علم ہوتا ہے کہ انہوں نے بچہ سے حقیقت اگلوانے کے لئے کتنا اہتمام کیا؟ اگر چہ یہ بڑوں کے لئے ایک معمولی بات تھی لیکن چھوٹے بچوں کے لئے بہت بڑی بات تھی' انہوں نے بچہ سے نرمی اور شفقت کے ساتھ سوال کیا۔ بچہ نے بھی فرمانبرداری سے جواب دیا کہ جو کھجوریں میں نے اٹھائی ہیں وہ زمین پر گری ہوئی تھیں جو حرام نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مربی نے انہیں حضور اقدس ﷺ کا یہ حکم سنایا ہوا تھا جو آپ ﷺ نے کسی بچے کو فرمایا تھا جب اس بچے کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا کہ یہ کسی انصاری کی کھجور پر پتھر مار رہا تھا۔ ''اے بچے تو کھجور پر پتھر کیوں مار رہا تھا''؟ اس بچے نے جواب دیا تا کہ کھجوریں کھا سکوں۔ آپؐ نے فرمایا؟ کھجور پر پتھر نہ مارو جو نیچے گر جائے اسے کھالو''۔

☆ اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ بچے کے عملی کام بغیر عملی تربیت کے صحیح نہیں ہو سکتے۔ عملی تربیت ہی بچے کی اصلاح میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ صحابہ کرامؓ عملی تربیت کے لئے چھوٹوں' بڑوں سبھی کو جمع فرمالیا کرتے تھے۔ مسند میں حضرت ابو مالک اشعریؓ سے

مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا' اے اشعری لوگو! جمع ہو جاؤ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی اکٹھا کر لو تا کہ میں تمہیں حضور ﷺ کی نماز دکھاؤں' لوگ اکٹھے ہو گئے ان کی عورتیں اور بچے بھی جمع ہو گئے۔ پھر آپؓ نے وضوء کی اور انہیں دکھایا کہ کیسے وضوء کیا جاتا ہے پھر آپؓ آگے بڑھے اور مردوں کی صف بنائی۔ ان کے پیچھے لڑکوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی صف بنائی۔

☆ اس عملی طریقہ سے بچے پر تربیت کی راہ آشکارا ہوتی ہے۔ اسے عملی طور پر احکام کا علم ہو جاتا ہے۔ اعمال کی صحیح صورت اس کے ذہن میں راسخ ہو جاتی ہے جس میں غلطی کا بہت کم امکان ہوتا ہے۔ مربی کو چاہیے کہ وہ تمام احکامات وعبادات میں بچوں کی اسی طرح تربیت کرے۔

☆ پس کیا مربی اپنے بچوں کی اس طرح عملی تربیت کر سکتے ہیں؟

☆ بچے ہمارے پاس امانت خداوندی ہیں' انہیں نرم آٹے کی مانند ہر طرف موڑا جا سکتا ہے۔ اگر انہوں نے کسی پاکیزہ معاشرہ میں آنکھ کھولی تو وہاں سے پاکیزگی حاصل کریں گے اور بعد والی نسلوں میں منتقل کر دیں گے' اس معاشرے کی اساس بچوں کے لئے مربی یا باپ ہے۔ اسی کو بچوں کے لئے ایک نمونہ بننا چاہیے۔ کیونکہ بہترین نمونہ بچے کی تربیت کا سب سے اہم وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ بچہ اپنی فطرت کے ہاتھوں بڑے کی اقتداء اور تقلید کرنے پر مجبور ہے کیونکہ اس کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بڑے جو کچھ کر رہے ہیں وہی درست اور صحیح ہے۔ پس بڑے کو خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے قول وفعل میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا
عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الصف: ۲'۳)

''اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو خدا کے
نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں''۔

☆ المختصر یہ کہ مربی بچے کے معاملات میں گہری نظر رکھنے والا ہو تا کہ بچہ معاشرہ کا ایک عمدہ فرد بنے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور خود بھی دوسروں سے فائدہ حاصل کرے۔

﴿بابِ خامس﴾

(بچوں پر اسلاف کی مہربانیاں)

فصلِ اوّل: بچوں کی تربیت میں اسلاف کا طریقۂ کار

فصلِ دوم: سلفِ صالحین کی بچے کی تربیت کے چند نمونے

فصلِ سوم: اسلاف کی بچوں سے محبت

فصلِ چہارم: چند مشاہیر کا بچپن

فصلِ اوّل

بچوں کی تربیت میں اسلاف کا طریقۂ کار:

☆ اسلام نے بچے کی تربیت وتادیب کو بچوں کے حق کے طور پر والدین پر واجب کیا ہے۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مرد اپنے گھر میں نگہبان ہے' اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھا جائیگا۔عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے' اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائیگا''۔کسی کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ اپنی اولاد اور گھر والوں کو اچھائی کی تعلیم دو اور انہیں ادب سکھاؤ۔

☆ آنحضرت ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم بچے کا حق کیسے پہچانیں؟ اور اسے کیسے تربیت دیں؟ حضرت علی بن طالبؓ نے اس گتھی کو سلجھایا ہے اور تربیت کے لئے مناسب زمانہ کا تعین فرمایا ہے۔ ولادت سے سات برس کی عمر تک' پھر سات برس کی عمر سے ۱۴ سال کی عمر تک' پھر چودہ سال سے اکیس سال کی عمر تک۔فرمایا: سات سال تک اپنے بچے کے ساتھ کھیلو۔پھر سات سال اسے ادب سکھاؤ' پھر سات سال اس کے ساتھ دوستی کرو۔پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔آپؓ نے فرمایا: بچے کا والد پر یہ حق ہے کہ اسے حسن ادب کی تعلیم دے۔

☆ آنحضرت ﷺ نے اصول تربیت وادب کو بہت سی احادیث مبارکہ میں ذکر فرمایا ہے جن میں آپ ﷺ نے والد اور بیٹے کو خطاب فرمایا ہے۔

☆ سلف صالحین نے بچوں کی تربیت وادب کے لئے ایک واضح راستہ کا انتخاب کیا ہے' کہ والد یا تو خود اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو یا پھر اپنا بچہ کسی بااعتماد مربی کے سپرد کردے۔

☆ تعلیم وتربیت کی ابتداء بنوامیہ کے ابتدائی دور میں ہوئی۔خلیفہ اپنے بچوں کے لئے ایسے حضرات مہیا کرتا تھا جو انہیں ادب سکھاتے' فصاحت کی تعلیم دیتے اور انہیں

مختلف فضائل سکھاتے تھے جو زندگی بھر ان کے کام آتے۔ لیکن اس کا مدار قرآنِ کریم، سنت مطہرہ، شعر، صحابہ کرامؓ کی تقاریر، سیرۃ نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے غزوات، اور مواعظ، حکم اور امثال وقصص پر ہوتا تھا۔

☆ علامہ ابن خلدون اس تربیت کی ابتداء اور اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ اور یہ کہ سلف صالحین اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوئے؟ فرماتے ہیں: ''بچوں کو قرآنِ کریم کی تعلیم اسلامی شعائر میں سے ہے، پوری امت نے اسی پر عمل کیا ہے اور تمام شہروں میں اسے رواج دیا ہے، کیونکہ رسوخِ ایمان کے سبب دل اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں پھر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ مطہرہ سے عقائد کی تعلیم دیں۔ پس قرآنِ کریم اس تعلیم کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہوگیا جو انسان میں ملکہ پیدا کرتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بچپن میں تعلیم زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ اور بعد کے لئے بنیاد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم ملکہ کے حصول کے لئے بنیاد ہے اور جو چیز بنیاد پر تعمیر کی جاتی ہے اس کا حال بھی بنیاد جیسا ہی ہوتا ہے۔

☆ والدین کی وفات کے بعد بچے ان کے زندگی ہیں کیونکہ بچوں کی زندگی کا فائدہ والدین کو اپنی وفات کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بچوں کو اخلاق وفضائل وغیرہ سکھا دیئے۔ اگر والدین بچوں کی اچھی تربیت کریں گے تو انہیں سعادت دارین حاصل ہوگی۔ ایک مقولہ ہے کہ جو شخص اپنے بچوں کو ادب سکھلا دیتا ہے وہ اپنے دشمن کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے، نیز یہ بھی مقولہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کو ادب سے زیادہ کسی بھی افضل چیز کا وارث نہیں بناتے۔ کیونکہ جب وہ اسے ادب سکھا دیتے ہیں تو بچہ اس ادب کے ذریعے مال، مرتبہ، بھائی، دین، دنیا اور آخرت سب کچھ حاصل کر سکتا ہے، اور اگر بچے کو مال کا وارث بنایا تو مال تو ضائع ہو جاتا ہے، پھر نہ اس کے پاس مال رہے گا نہ ادب۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

خیر ماورث الناس بینهم ❖ ادب صالح وحسن الثناء

هو خیر من الدنانیر والأو ❖ راق فی یوم شدة و دخاء

تلك تفنی والدین والادب الصا ❖ لح لا یفنیان حتی اللقاء
ان تأدبت یابنی صغیرا ❖ کنت یوما تعد فی الکبراء

''لوگ جن چیزوں کا وارث بناتے ہیں ان میں سب سے بہتر چیز ادبِ صالح اور اچھی تعریف ہے۔ یہ فراخی اور تنگدستی دونوں میں سونے چاندی سے بہتر ہے' کیونکہ یہ تو فناء ہو جائیں گے اور ادب صالح اور دین قیامت تک فناء نہیں ہوتے۔ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تو بچپن میں ادب سیکھ لے گا تو ایک روز تیرا شمار بڑوں میں ہوگا۔

☆ امام غزالیؒ بچے کی تربیت کے اہم مرحلے کی جانب یوں متوجہ فرماتے ہیں: ''بچہ والدین کے پاس امانت ہے' اس کا دل پاک' صاف' سادہ اور ہر قسم کے نقوش سے خالی ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس پر ہر قسم کے نقوش ثبت کئے جاسکیں۔ اسے جس طرف مائل کرنا چاہو وہ مائل ہوسکتا ہے' اگر اسے اچھی عادات ڈال دی گئیں اور اسے تعلیم سے مزین کر دیا گیا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نیک بخت شمار ہوگا' اور اس کے ثواب میں اس کے والدین' معلم اور مربی بھی شریک ہونگے۔ اور اگر اسے بری عادات پڑ گئیں اور اسے جانوروں کی طرح کھلا چھوڑ دیا گیا تو وہ بد بخت اور ہلاک ہوگا' اور اس کا بوجھ اس کے مربی اور ذمہ دار پر بھی ہوگا۔

☆ جب بچوں کی والدین کے لئے اتنی حیثیت ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین اپنے بیٹوں کو جو چیزیں وراثت میں دیتے ہیں ان میں سب سے بہترین چیز ادب' حسن اخلاق اور اچھی عادات سے متصف ہونا ہے' اور اس بات کی عادت انہیں ابتدائی عمر سے ہی ڈالی جائے۔ اگر چہ اس میں کچھ مشکل پیش آئے یا اگر چہ بچہ تربیت کو پسند نہ کرے۔

☆ اسی اہم ترین چیز کی طرف حضرت ابن عباسؓ نے اشارہ فرمایا ہے: جو بچپن میں اپنی ناپسندیدہ جگھوں پر نہیں بیٹھتا وہ بڑی عمر میں اپنی پسند کی جگھوں پر نہیں بیٹھ سکتا۔

ایک شاعر نے اسی مطلب کو نظم میں پرو دیا ہے:

اذا المرأ اعیته المروءة ناشئا ❖ فمطلبه کھلا علیه شدید

"جب آدمی کو جوانی میں آداب عاجز کر دیں بڑھاپے میں ان پر کاربند ہونا دشوار ہوتا ہے"۔

ایک اور شاعر نے بچے کی تربیت کو منظوم انداز میں بیان کیا ہے:

ان بلغ الطفل لديك حلما ❖ فقل له لا تقرب المحارما

فالنار ان تلق على القطن فتق ❖ بان مافى الدار حالا يحترق

وان ترد صيتا و ذكرا طيبا ❖ فاجهد بان تجعله مهذبا

"اگر بچہ تیرے سامنے بالغ ہو جائے تو اسے کہہ کہ محارم کے قریب نہ جا۔ آگ اگر کپاس میں ڈالدی جائے تو تجھے ڈرنا چاہیے کہ تیرے گھر کا کل اثاثہ جل جائیگا۔ اگر تو شہرت اور اچھا ذکر چاہتا ہے تو کوشش کر کہ تو اسے مہذب بنا دے۔

☆ ایک مقولہ ہے کہ مٹی کو اس وقت تک ڈھالا جا سکتا ہے جب تک وہ گیلی ہو۔

☆ بڑے کی تربیت کر کے اسے نیکی کی طرف ڈھالنا اس لئے مشکل ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ ہوتا ہے، نرمی نہیں ہوتی۔

وتروض عرسك بعد ماهرمت ❖ ومن العناء رياضة الهرم

"کیا تو اپنی بیوی کو بڑھاپے کے بعد سکھائے گا؟ بڑھاپے کی ریاضت تکلیف دہ ہوتی ہے"۔

❖❖❖

❖

﴿فصلِ دوم﴾

سلفِ صالحین کی بچے کی تربیت کے چند نمونے:

☆ ہمارے اسلاف اپنے بچوں کو تربیت، علم، آداب اور اخلاق حسنہ پر فائز دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کی زندگی خوبصورت شکل اختیار کر سکے۔ اسی لئے خلفاء اور صاحب ثروت لوگ جب اپنے بچوں کو مربی کے سپرد کرتے تو مربیوں میں ان کو ترجیح دیتے جو خیر و استقامت، حسن معاملہ اور عملی نمونہ کے حامل ہوں، اور وہ خود اپنے بچوں کے لئے مادۂ تعلیم اور طریقۂ تربیت منتخب کرتے تھے۔

☆ اسی حسن تربیت کے انداز کا بہترین نمونہ جو حضرت عمرو بن عتبہؒ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے مربی سے کہا تھا: ''میرے بیٹے کی اصلاح کے لئے آپ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں۔ کیونکہ ان کی نظریں آپ پر گڑی رہیں گی، ان کے نزدیک اچھا وہی ہوگا جو آپ کریں گے اور برا وہ ہوگا جو آپ چھوڑ دیں گے۔ انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دو۔ اس کے لئے انہیں مجبور نہ کرو کہ وہ اکتا جائیں اور نہ انہیں کھلا چھوڑو کہ وہ اسے چھوڑ دیں۔ انہیں پاکیزہ ترین بات بتاؤ، انہیں عفیف ترین شعر سناؤ، انہیں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف نہ لگاؤ جب تک کہ وہ پہلے علم کو مضبوط نہ کرلیں۔ کیونکہ دل میں زیادہ باتوں کا ازدحام سمجھنے میں مخل ہوتا ہے۔ انہیں عقلمندوں کے طریقے سکھاؤ، انہیں عورتوں کے ساتھ بات نہ کرنے دو''۔

☆ بچوں کی تربیت کی طرف مربی حضرات کو متوجہ کرنے کا ایک اور خوبصورت انداز جو حضرت قاضی شریحؒ نے اپنے بیٹے کے مربی کی طرف خط لکھا، ملاحظہ ہو۔ آپؒ کا بچہ کتوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ترك الصلوٰة لاكلب يسعى بها ❖ يبغى الهراش مع الغواة الرجس
فاذا اتاك فعضه بملامة ❖ وعظنه وعظك للاريب الكيس

واذا هممت بضربة فبدرة ❖ واذا بلغت بها ثلاثا فاحبس

واعلم بانك مافعلت فنفسه ❖ مع ما يجرعني اعزالانفس

''اس نے کتوں کی وجہ سے نماز چھوڑی۔ وہ بڑے اور سرکش لوگوں کے ہمراہ تھے کتوں کی لڑائی دیکھتا رہا۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو اسے ضرور ملامت کرو اور نصیحت کرو جس طرح کہ تم ہوشیار اور عقلمندوں کو نصیحت کرتے ہو۔ اگر آپ اسے مارنا چاہیں تو درہ کے ساتھ ماریں۔ جب تین درے لگ جائیں تو ہاتھ روک لو۔ آپ جو سلوک بھی اس کے سات کریں یہ بات یاد رکھیں کہ اگرچہ وہ مجھے تکلیف بھی دے تب بھی وہ مجھے سب سے پیارا ہے''۔

☆ بنو امیہ کے خلفاء اپنے بچوں کی تادیب اور بہترین تربیت کے بہت مشتاق تھے۔ ان کے نام ہی سے انسانی ذہن ان کی تربیتی وصایا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یہ عبدالملک بن مروان ہے جو اس بات کا بہت زیادہ شوقین ہے کہ اس کی اولاد مکمل طور سے اخلاق حسنہ پر کاربند ہو۔ اس نے اپنی اولاد کے معلم کو تلقین کی کہ وہ بچوں کو سچ کی اسی طرح تعلیم دے جس طرح کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے' اور انہیں خاص و عام ہر قسم کے آداب سے روشناس کرادے۔ ہمیں عبدالملک کی وصیت میں تربیت کے مختلف انداز نظر آتے ہیں۔ ان نصائح میں طب' خود شناسی اور تربیت وغیرہ کے آداب موجود ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کے مربی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''انہیں سچ کی اسی طرح تعلیم دو جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے ہو' ان سے کم درجہ کے گھٹیا لوگوں کو دور رکھو' کیونکہ وہ پرہیزگاری کے اعتبار سے سب سے برے اور سب سے زیادہ کم ادب ہوتے ہیں۔ انہیں حشم و جاہ سے بچائے رکھنا کیونکہ وہ ان کے لئے باعث فساد ہوگا' ان کے بال ڈھانپ کر رکھنا' اس سے ان کی گردن موٹی ہوگی۔ انہیں گوشت کھلانا وہ موٹے ہونگے' انہیں اشعار کی تعلیم دینا' ان میں بزرگی اور خود آراستگی آئیگی۔ انہیں حکم دینا کہ وہ عرضاً مسواک کریں اور پانی گھونٹ گھونٹ کر پئیں' وہ جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی نہ پئیں' اگر تو انہیں کوئی ادب

سکھانے چاہے تو تنہائی میں سکھا کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ اس طرح تربیت کا حصول ان کے لئے آسان ہوگا''۔

☆ سلف صالحین اس بات کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ بچے کو علم و معرفت یکے بعد دیگرے سکھائی جائے۔ حضرت عمرو بن عتبہ نے اپنے بیٹے کے مربی سے فرمایا تھا: ''انہیں ایک علم سے دوسرے علم کی طرف نہ لے جاؤ جب تک کہ پہلا مضبوط نہ ہو جائے' کیونکہ کانوں میں زیادہ علوم کی آوازیں اور ذہن میں ان کا ازدحام عقل کے لئے نقصان دہ ہے''۔

☆ سلف صالحین نے تربیت کا جو عظیم چارٹر مرتب کیا ہے اس میں بچے کی تربیت کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا ہے' مربی و معلم کو اس کے صحیح مقام سے روشناس کرایا گیا ہے۔ اسے بتایا گیا ہے کہ یہ انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے' یہی دل کی بہار' نفس کی مسرت' روح کی خواہش اور خواہش کی روح ہے۔ انسان کو اولاد کی دولت مل جائے تو گویا اس کے لئے ہر چیز مسخر کر دی گئی۔

☆ اس تربیت نامہ میں انسانی زندگی کے لئے انتہائی ضروری چیز تربیت کے متعلق عجیب و غریب آراء ملیں گی۔ اس میں تربیت کے مکمل راستے کا علم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ تربیت نامہ کس نے مرتب کیا؟۔

☆ ہم میں سے ہر آدمی ہارون الرشید کو جانتا ہے' جو عباسی خلفاء میں ایک نیک آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے مربی و معلم علی بن الحسن احمد کو وصیت کی اور کہا' اے احمد! امیر المومنین نے اپنی خوشی کا سرمایہ اور دل کی بہار آپ کے حوالے کر دی ہے۔ اس پر اپنا ہاتھ رکھنا' اس کی اطاعت آپ پر واجب ہے۔ اس کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جس طرح امیر المومنین کے ساتھ پیش آتے ہو۔ اسے قرآن کریم پڑھاؤ' احادیث کی تعلیم دو' اسے اشعار سکھاؤ۔ سنت کی تعلیم دو' اسے بتاؤ کہ کس موقع پر کیا بات کرنی ہے؟ اسے بے موقع ہنسنے سے روکو۔ اسے بتاؤ کہ جب کوئی عمر میں بڑا یا علم میں بڑا اس پر داخل ہو تو یہ اس کی تعظیم کرے' آپ ہر لمحے اسے فائدہ پہنچائیں' اسے کسی بات پر غمگین نہ کریں کہ اس کا ذہن مردہ ہو جائے' آپ اس کے متعلق چشم پوشی سے کام لیں تاکہ وہ اطمینان و سکون کے

ساتھ خود آراستگی میں لگے۔ جس قدر ہو سکے اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں تا کہ وہ آپ کا قرب حاصل کر سکے۔ اگر وہ انکار کرے تو پھر آپ سختی اور شدت سے پیش آئیں۔

ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے سلیمان کلبی کے مربی سے کہا تھا۔ میرا بیٹا میری آنکھوں کا نور ہے جسے میں نے ادب سکھانے کے لئے تیرے حوالے کیا ہے۔ آپ اللہ سے ڈریں اور امانت صحیح ادا کریں۔ پہلی وصیت جو میں آپ کو کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اسے کتاب اللہ کی تعلیم دیں۔ پھر اچھے اشعار سکھائیں۔ اس کے اچھے اشعار قبول کرلیں۔ اسے حلال وحرام کی تعلیم دیں اور اسے تقاریر اور مغازی سکھائیں۔

☆ مربی کو چاہیے کہ حکمت سے بھرپور اس تربیت نامہ پر عمل کریں۔ اس میں عمدہ طریقہ اور بہترین ہدایات ہیں اور ایسے اداب ہیں جن سے دنیا وآخرت دونوں کی صلاح حاصل ہو سکتی ہے۔ بیشک اسلاف کی زندگی میں ہمارے لئے تربیت کے اعلیٰ نمونے موجود ہیں جو ہماری تربیت اور ہمارے اذہان کی درستگی کے لئے انتہائی مفید ہیں۔

❖❖❖

❖

﴿ فصلِ سوم ﴾

اسلاف کی بچوں سے محبت:

☆ والدین کے دل میں بچوں اور بچیوں کی بڑی قدر و منزلت اور بڑا مقام ہوتا ہے۔ یہی ہمارا سرمایہ ہیں جو اپنے دامن میں ہمارے لئے بہت سے لذیذ پھل سموئے ہوئے ہیں۔ بچوں کے لئے والدین کے دل میں موجزن جذبات اور محبت و شفقت کی لہروں کو کون نہیں جانتا؟

☆ والدین کے دل میں لڑکیوں کا بھی بڑا مقام ہوتا ہے۔ ''عقدِ فرید'' میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت فاطمہؓ کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ریحانہ ہے جسے میں سونگھا کروں گا اور اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے''۔

☆ حضرت معاویہ بن سفیانؓ اپنی بچیوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ ان کی بیٹی عائشہ جب چھوٹی تھی تو اس کے متعلق کہا کرتے تھے یہ میرے دل کی بہار ہے' آپؓ لڑکیوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ لڑکیوں کی طرح نہ مریضوں کی کوئی عیادت کرسکتا ہے' نہ مردوں پر روسکتا ہے' اور نہ غمگین کی مدد کرسکتا ہے' بہت سی بھانجیاں اپنے ماموؤں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔

☆ اسی طرح حسان بن النذیر نے اپنی لڑکی کی قدر و منزلت پہچانتے ہوئے یہ شعر کہا ہے:

رأیت رجالا یکرھون بناتھم ❖ وھن البواکی والجیوب النواصح

''میں نے ایسے مردوں کو دیکھا جو اپنی بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ حلانکہ وہی (ان کے لئے) رونے والی اور صاف دل ہیں''۔

☆ شاعر خضرم معن بن اوس اپنی تینوں لڑکیوں کے ساتھ محبت کرنے میں مشہور تھا۔ وہ انہیں لڑکوں پر ترجیح دیتا اور ان کی وفا کا تذکرہ کرکے کہا کرتا تھا۔ ''مجھے یہ پسند نہیں

کہ ان کے بدلے میں میرے گھر لڑکے پیدا ہوتے''۔

رأیت رجالا یکرھون بناتھم ❖ وفیھن لاتکذب نساء صوالح

وفیھن والایام تعثر بالفتی ❖ نوادب لا یمللنہ ونوائح

''میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے حالانکہ بعض صالح خواتین بھی ہوتی ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا' اگر کسی آدمی کو زمانہ ڈھیر کردے تو یہی عورتیں ان پر مسلسل روتی ہیں اور نوحہ کرتی ہیں' اور اس رونے میں کسی قسم کی گرانی محسوس نہیں کرتیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

احب النساب وحب البنات ❖ فرض علی کل نفس کریمہ

فان شعیبا من اجل ابنتیہ ❖ اخدمہ اللہ موسی کلیمہ

''میں لڑکیوں سے محبت رکھتا ہوں اور لڑکیوں سے محبت ہر شریف آدمی پر فرض ہے۔ حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کے سبب ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہؑ کو آپؑ کی خدمت میں پہنچایا۔

☆ روایت ہے کہ محمد بن جعفر بن محمد لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کا ہبہ خیال کرتے تھے' اور انہیں نیکی سمجھتے تھے جس پر ثواب کی توقع رکھی جاسکتی ہے' آپ فرماتے تھے''لڑکیاں نیکیاں ہیں اور لڑکے نعمت' نیکوں پر ثواب ملتا ہے اور نعمت کے بارہ میں سوال کیا جاتا ہے''۔

☆ بعض حضرات نے عورت کی کرامات میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ اس کے ہاں بچے سے پہلے بچی کی پیدائش ہو۔ وہ اپنے مستدل میں یہ آیۃ مبارکہ پیش کرتے ہیں:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ (الشوریٰ:۴۹)

''اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتا

ہے بیٹے عطا فرماتا ہے''۔

☆ ابو منصور الثعالبی بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی کتاب ''سحر البلاغۃ'' میں لڑکیوں کے متعلق لکھتا ہے اور لڑکیوں کے حق میں ایک مستقل فصل قائم کرتا ہے۔ اس کے ایک دوست کے گھر لڑکی پیدا ہوئی' جس کا اس کے دوست کو قلق تھا۔ ابو منصور اسے تہنیت و مبارکباد لکھتے ہوئے کہتا ہے: ''سیدی! اللہ تعالیٰ نے اس عزت والی کو بھیج کر تجھے مبارک باد دی ہے' اور ایک مبارک نسل کو اس کے ذریعے پیدا فرمائیں گے۔ یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بہت جچے گی۔ یہ سب فضل و کرم کی محفلوں کو آباد کریں گے اور زمانہ دراز تک ان کا ذکر باقی رہے گا۔ مجھے اس کی ولادت کی خبر موصول ہوئی' اللہ تعالیٰ اس کی بہترین پرورش فرمائیں۔ اس کی پیدائش کے بعد تجھے کچھ اختیار نہیں اور نہ ہی تقدیر خداوندی میں انکار کی مجال ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ لڑکیاں دل کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں انہیں سے ابتداء فرمائی ہے:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ (الشوریٰ:۴۹)

''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطاء فرماتا ہے''۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ لڑکیوں کو ہبہ سے تعبیر فرما رہے ہیں تو یقیناً اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس ہبہ کو ضرور قبول کرنا چاہیئے۔ خوش آمدید ہے عاقل بچی کو' بیٹوں کی ماں کو' داماد لانے والی کو' پاکوں کی اولاد کو اور اپنے بعد شریف بھائی لانے والی کو۔

فلو كان النساء كمثل هذى ❖ لفضلت النساء على الرجال
فما التانيث لاسم الشمس عيب ❖ ولا التذكير فخر للهلال

''اگر عورتیں اس لڑکی جیسی ہوتیں تو یقیناً مردوں پر عورتوں کو فضیلت ہوتی۔ شمس (سورج) کے لئے مؤنث ہونا عیب نہیں ہے اور نہ ہی ھلال (پہلی رات کے چاند) کے لئے مذکر ہونا قابل فخر ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کو تیرے لئے باعث برکت وسعادت بنادے۔تو اس پر رشک کر اور اسے اپنے لئے سبب راحت سمجھ۔ دنیا بھی مؤنث ہے لوگ اس کی خدمت کرتے ہیں اور لڑکے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ ارض (زمین) بھی مونث ہے اسی سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اسی میں نسلِ انسانی کو بڑھایا گیا۔ اور سماء (آسمان) بھی مونث ہے جسے ستاروں سے آراستہ کیا گیا۔ حیات (زندگی) بھی مونث ہے۔ اگر زندگی نہ ہو تو انسان حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ جنت بھی مونث ہے جس کا متقین سے وعدہ ہے اور جس میں انبیاء کرامؑ عیش و آرام سے زندگی بسر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھے عطاء کیا ہے اس سے تجھے خوش رکھے اور تجھے ادائیگی شکر کی توفیق سے مالا مال کرے' اور تیری نسل کو ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے۔ بیشک وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے''۔

زمانۂ گذشتہ کے بہت سے شعراء لڑکیوں کے ضعف و کمزوری کے سبب بہ نسبت لڑکوں کے ان سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

سخطت بنية عما قليل ❖ تسر بها عيون الناظرات

فبارك في فطيمة رب موسى ❖ وانبتها نبات الصالحات

وزادك عاجلا اخرى سواها ❖ لسخطك اذ سخطت على البنات

''تو بچی پر ذرا سی بات سے ناراض ہو جاتا ہے حالانکہ عورتیں انہیں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ رب موسیٰ کی عطاء کردہ بچی میں اللہ تعالیٰ برکت رکھے اور اسے نیک اور صالحہ بنائے۔ اور اگر تو لڑکیوں کو ناپسند سمجھے تو اللہ تجھے جلدی سے ایک اور عطاء کر دے''۔

☆ اولاد کی محبت کا نشہ والدین بھائیوں اور بیوی وغیرہ سب کی محبت سے جدا ہے۔ جس کا اندازہ چکھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نشہ محبت وشفقت' سعادت و جمال' مسرت و انبساط' ایثار و قربانی اور خوف ورجاء سے مرکب ہوتا ہے۔ ان اجزاء میں سے کبھی کوئی چیز غالب آتی ہے کبھی کوئی چیز' صرف اولاد کی محبت میں یہ تمام چیزیں مشترک ہوتی ہیں لیکن غلبہ رحمت وشفقت کا ہوتا ہے۔

☆ ہمارے اسلاف نے اس بات کو نقل فرمایا ہے: سیدنا معاویہؓ نے احنف بن قیس سے دریافت فرمایا: آپ بچے کے بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اے امیر المومنین ہمارے دلوں کی بہار اور ہمارے پشت پناہ ہیں۔ ہم ان کے لئے بچھی ہوئی زمین اور سایہ دار آسمان ہیں۔ اگر وہ مانگیں تو انہیں دو۔ وہ ناراض ہوں تو انہیں راضی کرو۔ انہوں نے اپنی محبت آپ کو بخش دی اور اپنی جدو جہد کی الفت آپ کو عطاء کر دی ہے۔ آپ ان پر بوجھ نہ بنیں، وہ آپ کی زندگی سے رنجیدہ ہو جائیں گے اور آپ کی وفات کی تمنا کریں گے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا واللہ احنف: آپ صحیح کہہ رہے ہیں پھر آپ نے احنف کو دو لاکھ درہم اور دو سو جوڑے کپڑوں کے بھجوائے۔

☆ ہمارے اسلاف بچوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور ان کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ حضرت زبیر ابن العوام اپنے بیٹے حضرت عروہؓ سے بہت خوش ہوتے اور فرماتے:

ابیض من ال ابی عتیق ❖ مبارك من ولد الصديق
الذه كما الذريقى

''ال عتیق میں سب سے زیادہ خوبصورت، حضرت صدیقؓ کے بیٹے سے بھی مبارک ہیں میں انہیں ایسے ہی لذیذ سمجھتا ہوں جس طرح کہ اپنے لعاب دہن کو''۔

☆ اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اولاد دنیا کی زینت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الکہف:۴۶)

''مال اور اولاد حیاتِ دنیا کی ایک رونق ہے''۔

بچے ہی ہماری امیدوں کی مسکراہٹ، ہمارے نفوس کی روح اور ہمارے دلوں کی بہار ہیں بچوں کی اہمیت قدیم وجدید دونوں زمانوں میں بہت زیادہ رہی ہے جس سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے۔ انہیں واقعات میں سے چند اہم واقعات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں کیونکہ سبھی کا احاطہ تو ممکن نہیں۔

❖❖❖

﴿فصلِ چہارم﴾

چند مشاہیر کا بچپن:

☆ امت اسلامیہ کے مشاہیر ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ جن کی روشنی میں چل کر انسان صلاح وفلاح کی سرمدی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ جنکی شعاع نور سے بے شمار لوگ منور ہوئے اور جن کے دامن فیض سے ہر ایک کو سیرابی نصیب ہوئی۔ یہی حضرات لوگوں کے لئے حجت واضحہ ہیں۔

☆ ان مشاہیر کا بچپن روح کو غذا' قلوب کو جلاء بخشتا ہے' اور بچوں میں صدق وصفا پیدا کرتا ہے۔ مربی پر لازم ہے کہ وہ بچوں کی نظر ان اکابرین کی سیرت پر ڈالوائے تاکہ ان کی آنکھوں میں بزرگوں کی سیرت بس جائے اور وہ اپنی زندگی ان بزرگوں کے طریقوں کے مطابق بسر کرسکیں۔ تاکہ وہ بھی اس دنیا میں شہرت کی بلندیوں کو چھوسکیں۔

☆ ہم اس فصل میں صحابہؓ اور دیگر سلف صالحین میں سے چند حضرات کے بچپن کو بیان کریں گے تاکہ ہماری یہ کتاب مکمل ہوسکے' اللہ تعالیٰ اس کے فائدہ کو بھی تام فرمائیں۔ امین

اسامہ بن زیدؓ:

☆ ہم اپنی اس فصل کی ابتداء حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے محبوب ﷺ کے محبوبؓ ہیں۔

☆ آپؓ کی پیدائش اس مقدس گھر کی چاردیواری میں ہوئی جو انفاس نبوی ﷺ سے معطر تھا۔ آپؓ کا نام ابو محمد اسامہ بن زید بن حارثہؓ تھا اور لقب الحب بن الحب (محبوبؓ کا محبوبؓ) تھا۔ آپؓ کے والد حضرت زید بن الحارثہؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام تھے اور یہ واحد صحابی ہیں جن کا ذکر قرآنِ پاک میں سورۃ الاحزاب میں صراحۃً موجود ہے' اور آپؓ کی والدہ ماجدہ حضرت ام یمنؓ ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کرنے والی چند خوش

قسمت خواتین میں شامل ہیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بچپن میں دودھ بھی پلایا تھا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ فرماتے تھے۔ یہ میری والدہ کے بعد میری والدہ ہیں اور میری اہل بیت ہیں۔

☆ آپؓ بعثت نبوی ﷺ کے چوتھے سال پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ آپؓ کی ولادت سے بہت خوش ہوئے آپؓ کے والد حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب اور قبولیت اسلام میں سبقت لے جانے والے تھے۔ یہ پہلے غلام تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

☆ آپؓ مکہ میں پیدا ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے زیر سایہ ان کے گھر میں پرورش پائی۔ آپؓ بچپن ہی سے مسلمان تھے۔ آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر مذہبوں سے محفوظ رکھا۔ آپؓ کا بچپن آپ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں گذرا۔ آپؓ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ آپؓ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور انہیں اپنے اہل بیت کی طرح سمجھتے تھے۔

☆ آنحضرت ﷺ کی مبارک تربیت اور اسلام کے مقدس ماحول میں پرورش ان دونوں چیزوں نے آپؓ میں عقل و دانائی' دین اسلام کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا داعیہ' شجاعت و بہادری' پہاڑوں کی طرح مضبوط ایمان اور علم و تفقہ کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ ان تمام چیزوں نے آپؓ کو اسلام کا ایک مشہور قائد و رہنما بنا دیا اور قابل رشک بچپن و جوانی کے سبب دنیا بھر میں مشہور بنا دیا۔

☆ آپؓ آنحضرت ﷺ کے محبوبؓ اور محبوبؓ کے بیٹے تھے۔ آپؓ صحابہؓ اور انکی اولاد میں اسی لقب سے مشہور تھے۔ واللہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے قابل رشک ہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت اسامہؓ کو دائیں ران پر اور حضرت حسنؓ کو بائیں ٹانگ پر بٹھاتے اور فرماتے تھے۔

اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرمایا' میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔

☆ حضرت ہشام بن عروہؓ اپنے والد ماجدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ

نے فرمایا: ''اسامہ بن زیدؓ مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ پسند ہے۔ یا فرمایا کہ میرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تمہارے صلحاء میں سے ہوگا۔ اس سے خیر کی وصیت کو قبول کرو''۔

☆ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اسامہؓ سے بغض رکھے بعد اس کے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے سنا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ اسامہؓ سے محبت رکھے۔ نیز ارشاد فرمایا: ''اسامہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے''۔

حضرت اسامہؓ کا بچپن حسین ترین تھا کیونکہ آپؓ کو آنحضرت ﷺ کی مبارک تربیت میسر تھی۔ مذکور ہے کہ آپؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ دروازہ کی چوکھٹ سے آپؓ کے سر یا پیشانی میں زخم آ گیا تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اے ابوبکر کی بیٹی! کھڑی ہو جاؤ اور اس کی گندگی صاف کردو۔ یا فرمایا: اے عائشہ! اس کا خون صاف کردو' حضرت عائشہؓ کو یہ بات ناپسند محسوس ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے پہناتا اور زیور سے آراستہ کرتا یہاں تک کہ لوگ اس سے نکاح کے خواہشمند ہوتے۔

☆ بعض کتابوں میں موجود ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مجھے ایک روز آنحضرت ﷺ نے اسامہؓ کا چہرہ دھونے کا حکم فرمایا: میرے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا مجھے علم نہیں تھا کہ بچوں کا چہرہ کس طرح دھویا جاتا ہے؟ میں نے دھونا شروع کیا لیکن صحیح نہ دھو سکی۔ اسامہؓ کو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے لیا اور ان کا چہرہ خود دھونا شروع کر دیا اور فرمایا: اسے لڑکی نہ بنا کر ہمارے ساتھ اچھا کیا گیا۔ اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے آراستہ کرتا اور تجھے عطیہ دیتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ:

☆ آپؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ

آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں ہجرت نبوی ﷺ کے کچھ دیر بعد مولود ہوئے۔ آپؓ مدینہ منورہ میں مہاجرینؓ کے پہلے بچے تھے۔ جب صحابہؓ نے آپؓ کی ولادت کے متعلق سنا تو تکبیر بلند کی جس سے پورا مدینہ گونج اٹھا۔ صحابہ کرامؓ آپؓ کی ولادت سے بہت خوش ہوئے اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان پر جادو کر دیا ہے جس کے سبب ان سے نسل جاری نہیں ہوگی۔ آپؓ کی ولادت تمام صحابہ کرامؓ کے لئے خوشخبری تھی کہ یہود کا سحر اور جادو ناکام ہو گیا۔

☆ جب آپؓ حضرت اسماءؓ کے ہاں پیدا ہوئے تو ان کی بڑی خواہش تھی کہ میں یہ بچہ آنحضرت ﷺ کو دکھاؤں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں مرض کی حالت میں نکلی اور میں مدینہ منورہ کی طرف عازم ہوئی حتی قباء پہنچ گئے تو عبداللہ پیدا ہوئے۔ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کی گود میں عبداللہ کو رکھا۔ آپ ﷺ نے کھجور منگائی اور اسے چبا کر عبداللہ کے منہ میں رکھ دیا۔ اس طرح عبداللہؓ کے پیٹ میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن پہنچا۔ آپؐ نے کھجور کے ساتھ تحنیک فرمائی اور آپؓ کے لئے دعائے برکت کی۔ آپؓ کے نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؓ کے کان میں اذان دی۔

☆ ابن عساکرؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عبداللہ کو کپڑے میں لپیٹ کر گشت کیا تاکہ یہود کے قول کے برخلاف آپؓ کی ولادت تمام لوگوں میں مشہور ہو جائے۔

☆ آپؓ کے والد ماجد حضرت زبیر بن العوامؓ آپؓ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ وہ آپؓ کو اپنی گود میں بٹھاتے اور فرماتے:

ابیض من ال ابی عتیق ❖ احبہ کما احب ریقی

''حضرت ابوبکرؓ کے خاندان میں سب سے خوبصورت۔ میں اسے اتنا ہی محبوب رکھتا ہوں جتنا کہ اپنے لعابِ دہن کو''۔

☆ آپؓ کی ولادت آنحضرت ﷺ کے گھر کے قریب ہوتی تھی آپؓ کی دادی

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؓ کی خالہ تھیں، آپؓ کے والد ماجد رسول اللہ ﷺ کے حواری اور ان کی پھوپھی کے بیٹے تھے۔ اسی لئے آپؓ ہر سمت سے برکات سمیٹ رہے تھے۔ آپؓ خود بھی جلیل القدر صحابیؓ، آپؓ کے والد بھی جلیل القدر صحابیؓ اور آپ ﷺ کی والدہ بھی جلیل القدر صحابیہؓ تھیں۔ آپؓ کے پیٹ میں جو چیز سب سے پہلے داخل ہوئی وہ آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ آپؓ کی پرورش اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے زیر سایہ آنحضرت ﷺ کے گھر مبارک میں ہوئی۔ اسی کا اثر تھا کہ آپؓ میں ذکاوت و دانائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

☆ حضرت عبداللہؓ خود اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! جاؤ یہ خون ایسی جگہ گرادو جہاں کوئی دیکھ نہ سکے۔ حضرت عبداللہؓ نے آنحضرت ﷺ کی نظر سے روپوش ہو کر وہ خون خود پی لیا۔ جب آپؓ واپس ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے استفسار فرمایا: اے عبداللہ تو نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ آپؓ نے فرمایا: میں نے اسے مخفی جگہ پہنچا دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا شاید تو نے اسے پی لیا ہو۔ آپؓ نے فرمایا جی ہاں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تو نے خون کیوں پیا؟ (ویل للناس منك وویل لك من الناس) بعض علماء حضرات کی یہ بھی رائے ہے کہ آپؓ میں یہ تمام قوت اسی خون کا نتیجہ ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بچپن کا ایک اور قابل فخر پہلو یہ ہے کہ انہیں بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عمر بن ابی سلمہؓ کے متعلق آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! اگر آپ ان سے بیعت فرمالیں تو انہیں آپؐ کی برکت حاصل ہو جائیگی اور ان کے لئے یہ بات ذکر خیر ہوگی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے گئے، وہ بچے جھجک رہے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ آگے بڑھے تو

آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا بیشک وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے اور ان سے بیعت کرلی اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر سات برس تھی۔

☆ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے احوال و اخبار بہت زیادہ ہیں جن سے کتب سیر بھری پڑی ہیں۔ ہم نے قارئین کرام کی خدمت میں ان میں سے چند اقتباسات پیش کردیئے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ:

دنیائے اسلام کی یہ محبوب ترین شخصیت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں پیدا ہوئی، جس کے شہرہ کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ آپؒ مشہور پرہیز گار، عادل شریف اور معزز تھے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عظیم ترین صفات سے متصف تھے۔ آپؒ نجیب الطرفین ہونے کے ساتھ ساتھ صبر و استقامت کے پہاڑ اور مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ تھے۔

☆ آپؒ کی پیدائش ۶۰ ہجریؒ میں ہوئی، آپؒ نے اپنے متقی اور پرہیز گار والدین کی زیر نگرانی پرورش پائی، بالخصوص اپنی والدہ ماجدہ ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ کے سینۂ مبارک سے آپؒ نے صدق و صفا، جود و سخا، تقویٰ و احسان اور شرافت و پرہیز گاری کا دودھ پیا اور ان سے اسلام کے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت ام عاصمؒ آپؒ میں آپؒ کے نانا حضرت عمر بن الخطابؓ کی صفات پیدا کرنا چاہتی تھیں۔

☆ جب آپؒ نے عالم شہود میں آنکھ کھولی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے آپؒ کو گھیر لیا۔ آپؒ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لاتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے علم حدیث حاصل کرتے۔ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ شدت محبت کے سبب آپ اپنی والدہ سے کہا کرتے تھے۔ امی جان میں اپنے ماموں یعنی عبداللہ بن عمرؓ جیسا بننا چاہتا ہوں۔ والدہ خوش ہوکر جواب دیا کرتی تھیں کہ تم اپنے ماموں جیسے بن

جاؤ گے۔ ایسا کئی بار ہوا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بچے کی پیشانی میں نجابت و شرافت کی علامت نظر آ رہی تھیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آخر آپؒ حضرت عمرؓ کی ذریت میں سے تھے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد حضرت عبدالعزیز بن مروان امیر مصر نے اپنی بیوی حضرت ام عاصمؒ سے کہا کہ وہ بیٹے کو لے کر مصر آ جائیں۔ وہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس الوداعی ملاقات کے لئے آئیں تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا وہ آپ کے خاوند ہیں ان کے پاس چلی جاؤ' جب وہ نکلنے لگیں تو آپؒ نے فرمایا لیکن اس بچے عمر بن عبدالعزیز کو ہمارے پاس چھوڑ دو۔ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس چھوڑ دیا۔ اس سے عبدالعزیز حضرت عمرؒ کے والد بہت خوش ہوئے اور اپنے بھائی عبدالملک بن مروان سے کہا' انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لئے ہر مہینے ایک ہزار دینار وظیفہ مقرر کر دیا۔

☆ آپؒ ایک زمانہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے پھر اپنے والد کے پاس مصر آ گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ جب حضرت عبدالعزیز نے آپ کا میلان حصول علم کی طرف دیکھا تو آپؒ کے لئے علماء و مربین مہیا کیئے۔

☆ آپؒ نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور قرآن کریم کی محبت آپؒ کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ کتب سیر میں مذکور ہے کہ ایک بار آپؒ کم سنی کی عمر میں رو رہے تھے۔ آپ کی والدہ نے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو؟ تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے موت یاد آ رہی ہے۔ یہ سن کر آپ کی والدہ بھی رونے لگیں۔

☆ آپ کا دل مدینہ منورہ ہی میں اٹکا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ علم و تقویٰ کا گڑھ تھا۔ آپ ایک روز اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں تا کہ فقہاء کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے فقہ و ادب کی تعلیم حاصل کر سکوں۔

☆ آپ کے والد ماجد کی دلی خواہش بھی یہی تھی۔ انہوں نے آپ کے لئے اہل صلاح و تقویٰ اور صاحب علم حضرات مہیا کئے اور آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا نیز حضرت

صالح بن کیسان کو آپؒ کی ذمہ داری سونپ دی۔ انہوں نے آپؒ کی بہت عمدہ تربیت کی۔ اور آپؒ کی سرشت میں یہ بات ڈالدی کہ تمام نمازیں مسجد میں ادا کیا کریں۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ایک بار نماز با جماعت سے تاخیر ہوگئی تو حضرت صالح بن کیسان نے تاخیر کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں کنگھی سے بال بنارہا تھا۔ حضرت صالح فرمانے لگے آیا آپ نے اس کام کو نماز پر ترجیح دی؟ اور پھر آپ کے والد حضرت عبدالعزیز کے پاس مصر خط لکھا اور انہیں اس تمام واقعہ کی خبر دی۔ انہوں نے جواب میں ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ انہیں کہو کہ عمر کے سر منڈانے تک ان سے بات چیت بند کردیں۔

☆ تربیت اس طرح ہوتی ہے۔ اور مربی حضرت صالح بن کیسان جیسے ہونے چاہئیں۔ جن میں صدق وامانت اور خیر خواہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

☆ حضرت عمرؒ کی تربیت کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ آپؒ بچپن ہی سے مشائخ قریش کے حلقہ میں بیٹھتے تھے اور جوانوں کے پاس بیٹھنے سے احتراز فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؒ بچپن ہی میں اپنے علم وعقل کے سبب مشہور ہوگئے۔

☆ آپؒ بچپن ہی سے نیکی کی طرف راغب اور برے کاموں سے اجتناب فرماتے تھے' آپؒ کا بچپن ایک مثالی بچپن تھا۔ تبھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعد میں مشہور خلفاء' اجل علماء اور اللہ کے متقی بندوں میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ آپؒ میں تقویٰ کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ آپؒ سے پوچھا گیا کہ آپؒ کے رجوع الی اللہ کی ابتداء کیسے ہوئی تو آپؒ نے فرمایا' میں نے اپنے ایک غلام کو مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ وہ رات یاد رکھ جس کی صبح روز قیامت ہوگی۔

☆ آپؒ کا بچپن نہ صرف یہ کہ آپؒ کے لئے باعث خیر وسعادت تھا بلکہ آپؒ کے قریب رہنے والوں اور تمام لوگوں کے لئے بھی سبب خیر تھا۔ باوجودیکہ آپؒ کا بچپن خلافت کی پر تعیش زندگی میں گذرا ہے لیکن اس تمام کے باوجود آپؒ بچپن ہی سے متقی اور شریف انسان تھے۔

☆ ہم اس بلند ہمت بچہ پر فخر کرتے ہیں کہ جو خود اپنے بارہ میں بیان کرتا ہے۔ میں نے خود کو دیکھا کہ میں مدینہ کے بچوں کی طرح ایک بچہ تھا۔ پھر مجھے علم کا شوق ہوا، پھر وہ علم میری حاجت بن گیا۔

☆ اس بچہ نے اپنے ساتھی کون منتخب کئے؟ جو دینی رہنمائی میں بلند مقام رکھتے تھے۔ آپؒ اکابر اہل علم اور صاحب معرفت وفہم کی مجلس میں بیٹھتے اور دھوکہ زدہ نوجوانوں سے اعراض فرماتے۔ آپؒ نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ فرما لیا تھا اور آپؒ بچپن ہی سے کبیرہ گناہوں سے اعراض فرماتے تھے حتیٰ کہ آپؒ خود اپنے بارہ میں فرماتے ہیں: ''جب سے میں نے ازار باندھنا شروع کیا میں نے جھوٹ نہیں بولا''۔

☆ نیز آپؒ نے فرمایا میں نے اس وقت سے جھوٹ نہیں بولا جب سے مجھے علم ہوا کہ جھوٹ صاحب جھوٹ کے لئے بری عادت ہے۔

☆ مربی کو چاہیے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت ضروری طور سے تربیت کے وقت پیش نظر رکھے۔ بچوں کے دلوں کو مزین کرنے کے لئے ان حضرات سے بہتر کس کی سیرت ہو سکتی ہے؟۔

امام شافعیؒ:

☆ امام شافعیؒ کا بچپن بھی ان خوش قسمت افراد کے بچپن میں شامل ہے جن کے بارہ میں بچوں کو آگاہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ بلکہ ان حضرات کا تذکرہ بہ کثرت کرنا چاہیے۔

☆ ابوعبداللہ محمد بن ادریس القرشی الشافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں غزہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ ہجری وہ سال ہے جس میں چاروں اماموں میں سے پہلے امام، امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا۔

نجوم سماء کلما غار کوکب ❖ بدا کوکب تاوی الیه الکواکب

یہ آسمان علم کے ستارے ہیں، جب بھی ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ ظاہر ہو جاتا ہے، جس کی طرف دوسرے ستارے سہارا پکڑتے ہیں۔

☆ آپؒ کا بچپن مکہ مکرمہ میں گذرا جس کے متعلق خود امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

’’میں ۱۵۰ ہجری کو غزہ میں پیدا ہوا اور مجھے دو سال کی عمر میں مکہ لے آیا گیا‘‘۔

☆ ام القری مکہ کی مبارک سرزمین پر آپ نے اپنا بچپن گذارا اور تربیت حاصل کی۔ وہی مکہ جو مہبط وحی‘ مسلمانوں کے دلوں کا مرجع اور اسلام کی جائے ظہور ہے۔ اسی میں اسلام کی جڑ مسجد الحرام ہے جس میں ائمہ اور بڑے بڑے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں جہاں دیکھیں محدث‘ فقیہ‘ عالم و مفسر ہی نظر آتے ہیں۔ آپؒ کی زندگی ان جیسے علم کے شناوروں اور معلمین کے زیرِ سایہ گذری ہے۔

☆ ان علمی حلقوں نے آپؒ کی آنکھیں کھولیں اور ان میں دینی بصیرت پیدا کی‘ آپؒ نے بچپن ہی سے علم دین حاصل کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی والدہ جو ایک سمجھدار خاتون تھیں انہوں نے ارادہ کیا کہ انہیں کسی معلم کے پاس بٹھا دیا جائے جو حسب دستور انہیں ابتدائی لکھنا پڑھنا سکھا دے‘ لیکن آپ کی والدہ کے پاس بچے کی تعلیم کی اجرت میں دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں والدہ کی گود میں یتیم تھا میری والدہ کے پاس معلم کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا اور معلم مجھ سے اس بات پر راضی ہو گئے کہ میں انتہائی محنت کروں اور ان کا نائب بن جاؤں۔

☆ تجربہ کار استاد شاید بچے کی نجابت‘ سرعت حفظ اور اسے پڑھانے پر ملنے والے اجر کو جان چکے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں نے استاد کو سنا کہ وہ بچے کو کسی آیت کی تلقین کر رہے تھے۔ میں نے اسے یاد کر لیا ایک روز استاد نے مجھے فرمایا: میرے لئے تم سے کچھ لینا جائز نہیں ہے۔

☆ امام شافعیؒ اسی طرح پڑھتے رہے یہاں تک کہ سات برس کی عمر میں مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا۔

☆ بعد ازاں امام شافعیؒ نے انتہائی شوق اور خالی الذہن ہو کر مختلف علماء کرام کے پاس جانا شروع کر دیا۔ آپؒ کا تمام بچپن تنگ دستی میں گذرا‘ حتی کہ جب آپؒ کے پاس لکھنے کے لئے ورق خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوتے تو آپ ہڈیوں اور اونٹ کے کندھوں وغیرہ کو اٹھا کر لاتے تا کہ اس پر حدیث لکھ سکیں۔ آپؒ کی والدہ کے پاس ایک بڑا گھڑا تھا

جو اونٹ وغیرہ کے کندھوں اور ٹھیکریوں سے بھرا ہوا تھا جن پر احادیث لکھی ہوئی تھیں۔

☆ شدت حاجت وفقر کی حالت میں آپؒ کے ایک دوست نے آپؒ کو ترکِ علم کر کے کمانے کی نصیحت کی۔ لیکن آپؒ پر علم کی محبت اپنا قبضہ جما چکی تھی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں مکہ میں آیا تو تقریباً دس برس کا تھا۔ میں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس گیا' اس نے مجھے دیکھا کہ میں علم حاصل کرتا ہوں تو اس نے مجھے کہا۔ تحصیل علم چھوڑ دو اور اپنے لئے فائدہ مند چیز یعنی طلبِ رزق اختیار کرو۔ میں نے اپنی لذت' علم اور اس کی طلب کو بنا دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق بھی عطاء فرما دیا۔

☆ امام شافعیؒ کے بچپن کا قابل تعجب پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کو بلوغ سے پہلے بہت سا علم یاد ہو چکا تھا۔ امام مزنی امام شافعیؒ سے ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے سات برس کی عمر میں قرآن کریم اور دس برس کی عمر میں مؤطا حفظ کر لی تھی۔

☆ بالآخر امام شافعیؒ کا بچپن رنگ لایا اور آپ کو ابتدائی عمر میں مسجد الحرام میں تدریس کا موقعہ نصیب ہوا۔ امام حرملۃ بن یحییٰ فرماتے ہیں۔ میں نے شافعیؒ کو مسجد الحرام میں لوگوں کو پڑھاتے دیکھا۔ آپ کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی۔

☆ امام شافعیؒ کی بلند ہمتی میں سے یہ بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے تیر اندازی بھی سیکھی کیونکہ قوت تو تیر اندازی ہی ہے۔ حتیٰ کہ آپؒ ایک ماہر تیر انداز بن گئے آپؒ نے فرمایا: میری ہمت دو چیزوں میں ہے علم اور تیر اندازی میں۔ مجھے اتنی تیر اندازی آتی ہے کہ میں دس کا نشانہ لگاؤں تو دس ہی کو لگے۔

☆ امام ربیع فرماتے ہیں: امام شافعیؒ کو طب اور تیر اندازی میں مکمل مہارت حاصل تھی۔ یہاں تک کہ وہ دس کو نشانہ لگاتے تو دس کو ہی لگتا۔ ان کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ آپؒ ایک مضبوط گھوڑ سوار بھی تھے۔ آپؒ بہت بہادر گھوڑ سوار تھے۔

☆ جب آپؒ کا بچپن اس طرح کے بہت سے فضائل سے مزین ہے تو آپؒ کی پوری زندگی کا نقشہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے بچوں کی اس نہج پر تربیت کر سکیں۔

امام نوویؒ:

☆ امام ذہبی کو جب امام نوویؒ کے متعلق کچھ کہنا ہوتا تو انہیں ان خطابات سے ملقب فرماتے: ''امام کبیر' حافظ الحدیث' زاہد' عابدہ وفقیہ' مجتہد ربانی اور لوگوں میں سب سے اچھے''۔

حقیقتاً امام نووی شیخ الاسلام' اولیاء کے علم' اور بہت سی نافع کتابوں کے مصنف ہیں۔ امام یافعی ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ عالم باعمل' محقق فاضل' ولی کبیر' مشہور سردار' بہت سی خوبیوں اور قابل تعریف سیرت کے حامل' صاحب تصانیف مفیدہ' اپنے تمام ہم عمروں پر فائق اور اپنے فضل وکمال کے سبب دنیا بھر میں مشہور ومعروف۔

☆ ہم میں سے کون ایسا ہے جو امام نووی' یا انکی کتاب الاذکار یا ریاض الصالحین یا دیگر کتابوں کو نہیں جانتا؟ آپؒ کی نسبت دمشق کی نواح میں حوران کی ایک بستی نوی سے موسوم کی جاتی ہے۔ آپ کا اسم گرامی ابوزکریا یحیٰ بن شرف بن مری الحزامی النووی ہے۔ آپ کی والد نوی میں تجارت کیا کرتے تھے جو اپنی پرہیزگاری اور دیانت میں مشہور تھے۔ ان کی وفات ۶۸۵ھ میں ہوئی۔ جبکہ امام نووی محرم ۶۳۱ھ کو نوی شہر میں مولود ہوئے۔

☆ جب امام نووی نے اس چھوٹی سی بستی میں آنکھ کھولی تو ان کی نظر میں ان کے والد ہی ایک نمونہ تھے جو کہ بڑے پاکدامن اور پرہیزگار تھے۔ امام نوویؒ کی زندگی اپنے والد کے سایۂ شفقت میں ان کی دکان میں گذرنے لگی۔

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام نوویؒ کو بچپن ہی سے وارثت نبوی ﷺ یعنی علم دین اور صلاح وتقویٰ کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ بعض صالحین کرام آپؒ کے متعلق فرماتے ہیں: ''آپؒ پیدا ہوتے ہی صالحین میں لکھدیے گئے تھے۔

☆ امام سبکی اپنی طبقات میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام نوویؒ کی عمر سات برس کی تھی تو آپؒ اپنے والد کے پہلو میں رمضان کی ستائیسویں رات کو سوئے ہوئے تھے۔ آدھی رات کے وقت آپؒ بیدار ہوگئے۔ آپؒ کے والد فرماتے ہیں کہ مجھے اٹھا کر کہا یہ کیا

روشنی ہے؟ جس سے سارا گھر منور ہو گیا۔ ہم سب گھر والے بیدار ہو گئے لیکن ہمیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ آپؒ کے والد فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔

☆ یہ امام نوویؒ کے بچپن کا تابناک پہلو ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ بچپن ہی سے نہ تو وہ دنیا میں مشغول تھے اور نہ ہی کوئی چیز ان کے لئے تلاوت قرآنِ کریم اور ذکراللہ سے غفلت کا سبب تھی۔ جب آپؒ کی عمر دس برس تک پہنچی تو آپؒ کے والد نے آپؒ کو دکان میں بٹھا دیا۔ تاہم آپؒ امور دکانداری میں مشغول ہو کر تلاوتِ قرآن کریم سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

☆ اصحاب سیر نے جو آپؒ کے بچپن کے واقعات بیان کئے ہیں اگر انہیں سونے کے حروف سے بھی لکھا جائے تو کم ہے۔ چھ سو چالیس ہجری ۶۴۰ھ کی دہائی میں نوی کی بستی میں ایک شیخ صالح یاسین بن یوسف کا گذر ہوا' جو اپنی ولایت وفراست اور صدق و صفا کے سبب مشہور تھے۔ انہوں نے امام نوویؒ کو دیکھا کہ دس برس کی عمر ہے' لڑکے انہیں کھیل کے لئے مجبور کرتے ہیں لیکن وہ کھیل کو ناپسند کر کے تلاوت قرآن کریم میں مشغول رہتے ہیں۔ شیخ یاسین فرماتے ہیں۔ میرے دل میں ان کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں ان کے پاس آیا' انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی اور تلاوت قرآن کی وصیت کی۔ نیز میں نے انہیں کہا امید ہے کہ یہ بچہ اپنے زمانہ کے بڑے اہل علم اور زاہدین میں شمار ہو گا' اور لوگوں کو اس کے ذریعے خوب فائدہ حاصل ہو گا۔ وہ فرماتے ہیں: کہ جب میں نے یہ کہا تو بعض لوگوں نے کہا کہ آیا آپ نجومی ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ لیکن یہ الفاظ میری زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوائے ہیں۔ جب امام نوویؒ کو اس بات کا علم ہوا تو انہیں تعلیم کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے بلوغ سے پہلے قرآن پاک حفظ کر لیا۔

☆ آپؒ طلب علم اور اس کے حصول کے لئے شب بیداری میں مشہور تھے۔ آپؒ کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں نے دو سال اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھا۔

☆ امام ذہبیؒ آپؒ کے متعلق فرماتے ہیں: آپ طلب علم میں صبح وشام مشغولی کے سبب ضرب المثل تھے۔ آپؒ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ نیند خوب غالب نہ ہو جاتی۔ آپؒ کا تمام وقت درس وتحریر' مطالعہ کتب اور اساتذہ سے حصول تعلیم میں صرف ہوتا تھا۔

☆ امام نوویؒ شہرت کی بلندیوں پر چڑھتے رہے یہاں تک کہ ۶۷۶ھ میں آپؒ فوت ہوگئے آپؒ کے بچپن اور جوانی کے فضائل مثالی ہیں۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً پینتالیس سال تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو آپؒ کی سیرت مبارکہ سے منتفع ہونے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

بچوں کے لئے مفید نصیحتیں:

☆ اسلامی عربی ادب کا دامن بچوں کے لئے بے شمار' خوبصورت اور پاکیزہ نصائح سے بھرپور ہے جو نفوس کی صفائی اور ارواح کی تروتازگی کا باعث ہیں۔ تقریباً ہر مشہور شخصیت نے بچوں کے لئے مفید نصیحتوں کی پاکیزہ میراث چھوڑی ہے جو اخلاق وآداب کی حامل ہے۔

☆ جب میں نے اپنے طویل وعریض اسلامی ادب میں بچوں کے لئے وصیتوں اور نصیحتوں کی جستجو کی تو میں متنوع پھولوں کے باغات' چشموں کی کثرت اور حسین وجمیل مناظر سے واقف ہوا۔ پھر میں نے ان امور کا انتخاب کیا جن سے ہماری یہ کتاب خوشنما' خوبصورت اور مفید سے مفید تر بن سکے' تاکہ یہ خوبصورت ادبی ہار تیار ہو سکے اور اس سے کتاب مزین ہو سکے' چنانچہ ہم ان مفید نصیحتوں سے اپنے اور پیارے چھوٹے بچوں کے ذہنوں کو مزین کرتے ہیں۔

یہ وصیت حطان بن معلیٰ نے اپنے بیٹے کو کی تھی جس کے چند نمونے اور پیرے آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

☆ بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم کرلو' اتباع

سنّت سے اس کی ممنوعات سے اجتناب کرو تا کہ تیری زندگی درست ہو اور تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے' میں نے چند باتوں کا تجھے حکم دیا ہے اگر تو ان کو یاد کر کے اور سمجھ کر عمل کرے گا تو اس سے تیری زندگی خوشگوار ہوگی۔ اپنے باپ کی اطاعت کرو اور اس کی وصیت کردہ باتوں پر چلو۔

☆ بیہودہ گفتگو سے پرہیز کرو' نیز زیادہ ہنسنے مذاق وغیرہ کرنے سے بھی بچو کیونکہ یہ چیزیں انسان کے وقار کو ختم کر دیتی ہیں اور بخل وغیرہ پیدا کر دیتی ہیں۔

☆ تمام معاملات میں میانہ روی کو اختیار کرو' اس لئے کہ اعتدال کا راستہ سب سے بہتر راستہ ہے۔ کم گوئی اختیار کرو اور آپس میں سلام کو رواج دو۔

☆ نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرو' برے ساتھیوں سے بچو' کیونکہ وہ اپنے رفقاء سے خیانت کریں گے' بھائی دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو مصیبت کے وقت تیرا محافظ ہو اور دوسرا وہ جو خوشحالی کے زمانہ میں تیرا رفیق ہو۔

☆ بچوں کی تہذیب و تربیت کے سلسلہ میں مفید اور جامع نصیحتوں میں سے ایک نصیحت عبدالملک بن صالح عباسی کی ہے جو اس نے اپنے لڑکے کو کی ہے' یہ وصیت اس نے اپنی وفات کے قریب کی تھی' بچوں کے لئے یہ خوبصورت ترین وصیت ہے' کیونکہ اس نے اپنی اسی وصیت میں ہر وہ بات جمع کر دی ہے جو اس کے لڑکے کے لئے مفید اور کارگر ہو سکتی تھی اور اس کو سعادت مند بنا سکتی ہے' اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

☆ بیٹے! حلم اور بردباری سے کام لیتے رہنا' کیونکہ حلیم و بردبار انسان ہی سردار بنتا ہے۔ جو بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہی ترقی کرتا ہے' نیک لوگوں سے ملاقات رکھنا' کیونکہ ان کی ملاقات میں دلوں کی تعمیر ہے' نفس کی صحت اور آنے والے کل کی سلامتی تجھے دھوکہ میں نہ ڈالے' کیونکہ مدّتِ عمر انتہائی کم ہے اور نفس کا صحیح ہونا محال ہے' جو اپنی خواہشاتِ نفس کا پجاری بنتا ہے تو گویا اس نے اپنا دین دنیا کے عوض بیچ دیا' حق کی نصرت و مدد باعثِ شرف ہے' اور باطل کی مدد سبب سرف (کم عقلی) ہے' فضول باتوں سے پرہیز کرنا' کیونکہ اس سے تیرے پوشیدہ عیوب ظاہر ہوں گے اور دشمنوں کو حرکت کرنے کا

موقع ملے گا' ہر انسان اپنے قول سے پہچانا جاتا ہے اور اپنے فعل سے موصوف ہوتا ہے' لہذا تم انتہائی راست گو اور خاموش طبع بننا۔ کیونکہ خاموشی حفاظت کا ذریعہ ہے اور سچ بولنا باعثِ عزت و شرف ہے۔ جو اپنے ہمسایوں کو ذلیل کرے وہ کبھی معزز نہیں ہوتا اور جو اپنے بھائیوں سے محروم رہے وہ کبھی سعادتمند نہیں بنتا' جب تو کوئی نیک کام کرے تو تجھے چاہیے کہ اسے چھپا' ظاہر نہ کر' اور جو کوئی دوسرا تیرے ساتھ نیک سلوک کرے تو اس کی تشہیر کر۔ جاہل کی باتوں کا جواب نہ دیا کرو اور نہ ہی اس کے افعال کا مؤاخذہ کر' اس لئے کہ اگر تو اس کی باتوں کا جواب دے گا' یا اس پر عتاب کرے گا تو تیری رہی سہی حشمت ختم ہو جائے گی' اور وہ جفا و ظلم میں مبالغہ کرے گا اور ناگواری اور اعراض کا اظہار کرے گا' عقلمند کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ جاہل سے اس طرح بات چیت کرے جس طرح ایک طبیب مریض سے کرتا ہے' باطل امور سے بچتے رہنا' کیونکہ اس سے تیری قدر و عظمت کم ہوگی اور تیرے امور کمزور ہوں گے' نرم کلامی' حسنِ خدمت' شکرانِ نعمت' ترکِ غیبت اور نیک کاموں کو اپنانا اور خواہ مخواہ وہم و شک سے اجتناب کرنا' بدترین مال وہ ہے جو خرچ نہ کیا جائے' اور بدترین بھائی وہ ہیں جو کسی کو فائدہ نہ پہنچائیں۔

جب تجھ سے کسی کے ساتھ بدسلوکی ہو جائے تو فوراً معذرت کرنا' اگر ہو سکے تو معافی مانگنا' خواستگاری اور معافی مانگنے سے انسان کی قدر و منزلت میں کمی نہیں آتی' انسان خواہ کتنا ہی بڑا بلند مرتبہ ہو' کیونکہ شریف النسب انسان لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے احتراز کیا کرتا ہے' جو مال کی سخاوت کرتا ہے وہ عظیم بنتا ہے' جو اپنی آبرو اور عزت کو لٹاتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے' بہترین نیکی مصیبت زدہ کی امداد کرنا ہے' کم گوئی سے سلامتی حاصل ہوتی ہے' اور کم سوال کرنے سے کرامت و عزت نصیب ہوتی ہے۔

☆ بے وقوف لوگوں کی صحبت سے بچتے رہنا' ورنہ تو بھی بے وقوف ہو جائے گا اور ذلت و خواری تیرا مقدر بن جائے گی' کیونکہ جو ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اور ان کے راستہ پر چلتا ہے وہ ان ہی میں سے شمار ہوتا ہے اور ان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

☆ بیٹے! یہ دل ایک کھیت ہے' پس اس میں کلمہ طیبہ (اچھی بات) کا بیج بودو' کیونکہ

اگر یہ کھیت کُل کو نہ اُگائے تو بعض کو تو اگائے گا۔

☆ اچھی طرح جان لو! آدمی کا اکرام اور احترام اس کی عقلمندی اور مہذب ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ مال اور نسب اکرام کا سبب نہیں' فضیلت علم و حکمت میں منحصر ہے نہ کہ صرف اس کی حرص و خواہش میں ہے۔ جس کی اصل میں خباثت ہو اس کے افعال میں بھی خباثت ہوگی۔ غصہ سے پرہیز کرنا کیونکہ انسان کی ہمتوں کو کمزور اور خصومت کو طاقتور بنا دیتا ہے' جب تیرا کسی سے جھگڑا یا بحث و مباحثہ ہو جائے تو اس وقت غصہ سے کام نہ لینا' کیونکہ غصہ تیری قوت کو کمزور اور تیری حجت و دلیل کو قطع کر دے گا' زبان کے زخم مندمل نہیں ہوتے' محبت کی چنگاری نہیں بجھتی' کینہ و حسد کی آگ بھی نہیں بجھتی' دشمن کی آنکھ کبھی نہیں سوتی۔

☆ سات قسم کی لوگوں سے کبھی مشاورت نہ کرنا۔ (۱) جاہل۔ (۲) دشمن۔ (۳) حاسد۔ (۴) ریاکار۔ (۵) بزدل۔ (۶) بخیل۔ (۷) خواہش پرست۔

☆ تجھے جب کوئی کام درپیش ہو تو اس کی اپنے دشمن یا دوست سے خواہش نہ کرنا' جو تیرے سامنے آکر عذر خواہی کرے' تو تجھے چاہیے کہ اس کا عذر قبول کر' اگرچہ وہ عذر خواہی میں جھوٹا ہو۔ جو خود پسند ہوتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے' اور جو اپنی عقل پر مغرور ہوتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے' جو گھٹیا لوگوں سے میل جول رکھتا ہے وہ حقیر ہوتا ہے جو برے کاموں میں پڑتا ہے وہ تہمت زدہ بنتا ہے' اکیلے رہنا برے دوست کی صحت سے بہتر ہے' نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے' گھر خریدنے سے پہلے ہمسایہ کو دیکھ بھال لو' اسی طرح راہ پر چلنے سے پہلے دوست کو دیکھ بھال لیا کرو۔

عبدالملک بن صالح وصیت کے آخر میں کہتے ہیں: میں نے تیرے سامنے نصیحت کو واضح کر دیا اور خالص و مخلصانہ وصیت کر دی ہے اب تیرا کام ہے عمل کرنا' عمل کر کے رشد و ہدایت کو حاصل کر لو' وباللہ التوفیق۔

☆ اطفال اور بچوں کے لئے خوبصورت وصیتوں اور نصیحتوں میں سے ایک وصیت ابن سعید المغربی کی ہے' ان کا نام علی بن موسیٰ ہے' وہ کتاب ''المُغرب فی حُلی

المغرب'' کے مصنف ہیں۔ ابن سعید کی وصیت ممتاز وصیتوں اور نصیحتوں میں سے ایک ہے' اس لئے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے اپنی وصیت ونصیحت میں اپنے تجربات و مشاہدات کو جمع کر دیا ہے اور ایسے امور کی طرف اس کی رہنمائی کی ہے جن میں اسکی دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے' انہوں نے نظم کی صورت میں خوبصورت الفاظ میں اپنی نصیحت کو ذکر کیا ہے' وہ کہتے ہیں:

کم من صدیق مظهرٌ نصیحة ❖ وفکره وقفٌ علی عثرتك

ایّاك ان تقربه انّه ❖ عونٌ مع الدهر علی کربتك

والشر مهما اسطعت لاتأته ❖ فانه حوزٌ علی مهجتك

''کتنے دوست ایسے ہیں جو تجھ سے اپنی خیر خواہی کو ظاہر کرتے ہیں؟ حالانکہ ان کی فکر و سوچ تیری لغزش ہی کو چاہتی ہے' ایسوں کے قریب بھی نہ جانا' کیونکہ وہ ہمیشہ تیری تکلیف ہی کا معاون ہے' اور حتی المقدور شر سے بچنا کیونکہ وہ تیری فطرت میں رکھا گیا ہے''۔

☆ پھر کہا اے میرے وہ بیٹے جس کا میرے مثل کوئی ناصح نہیں اور اس کے مثل میرا کوئی منصوح نہیں' میں نے اس نظم میں تیرے لئے وہ باتیں پیش کر دی ہیں کہ اگر تو ہر وقت انہیں اپنے دل میں رکھے گا تو مجھے ان شاء اللہ تیری حسن عافیت کی بہت امید ہے۔

☆ خوش اخلاقی بہترین نزیل ہے' اور ادب و آداب وسیع ترین منزل ہے' عاقل وہ ہے جو اپنی عقل کو معیار بنائے' اور وہ آئینہ کی طرح ہے' ہر ایک سے اپنے مثل ملتا ہے' ایک عام مثال ہے' جو تجھ سے ایک دن کی سبقت کر جائے تو گویا وہ تجھ سے عقل میں سبقت لے گیا۔ اگر تو کسی صاحب عقل و مروت اور تجربہ کار شخص کو دیکھے یا ملے تو اس سے استفادہ کر' اس کے قول و فعل کو ضائع مت کر' حیا و شرم ضرر رساں چیزوں پر مانع نہ ہو' کیونکہ کلام سلامتی کا ذریعہ ہے۔ آہ و فغاں سے ہی زخم کی درد و تکلیف کا پتہ چلتا ہے۔

☆ اس کے بعد ابن سعید اپنی اس خوبصورت وصیت ونصیحت کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: یہ دو شعر ہمیشہ ذہن میں رہنے چاہئیں:

لِنْ اِذا ماانِلتَ عزّاً ❖ فاخو العزیلین
فاذا نابك دھرٌ ❖ فکما کنت یکون

''نرم مزاجی اختیار کرو اس سے تجھے عزت حاصل ہوگی عزّت والے نرم ہوتے ہیں۔ جب تجھ پر کوئی سختی آئے تو تو جیسا تھا ویسا تیرے ساتھ ہوگا''۔

☆ یہ چند نصائح تھیں جو مذکر اطفال کے لئے نہایت مفید ہیں اب دیکھتے ہیں کہ بچیوں کے لئے بھی کہیں کچھ نصائح ہیں؟ کیا اصحاب عقل وقلم نے بنات کے لئے بھی کوئی حصہ نصائح کا مختص کیا ہے یا نہیں؟ مندرجہ ذیل عبارت اسی پر روشنی ڈالتی ہے۔

☆ ہم اعلیٰ و بلند عربی تاریخ میں ایک وصیت ''اُمامیہ'' پڑھتے ہیں جو اُمامہ بنتِ الحارث الشیبانیہ نے اپنی بیٹی کو کی ہے یہ وصیت ونصیحت عظیم ومفید نصیحتوں میں سے ایک ہے اگر بچیاں ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی مسئلہ نہیں کہ ان کی زندگی میں کوئی مشکل پیش آئے نیز اس سے زوجیت کے اختلافات بھی لاشئے ہو جائیں گے اور وہ سعادت و منزلت کی حامل ہو جائیں گی۔

☆ یہ نصیحت جامع قسم کی ہے الفاظ تو اس کے تھوڑے ہیں مگر معانی ومضامین سے پُر ہے اور یہ بلند معاشرتی آداب میں سے بھی ہے میں نے چاہا کہ اس مبارک کتاب میں اس کو بھی شامل کردوں کیونکہ اس نصیحت میں ایسے محاسن ہیں جو تمام عورتوں کے لئے نفع بخش ہیں امامہ اپنی بیٹی کو وصیت کرتے ہوئے کہتی ہیں: بیٹی! اگر ادب کی فضیلت کے لئے وصیت ترک کی جاتی تو میں تیرے لئے اسے ترک کر دیتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وصیت و نصیحت عاقل انسان کیلئے یادگاری کا ذریعہ اور غافل کے لئے شعور آفرینی کا سبب ہے اگر کوئی عورت اپنے والدین کے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے خاوند سے بے نیاز ہو سکتی تو تو لوگوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوتی۔

لیکن عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور ان عورتوں کے لئے مرد تخلیق کئے گئے ہیں۔ بیٹی! تو نے اس آشیانہ کو چھوڑ دیا ہے جہاں تو پہلے رہتی تھی اور اب ناشناس

آشیانہ (گھر) میں جارہی ہے اور نامانوس کی رفیق بن رہی ہے' وہ اپنے ملوکیت کی وجہ سے تیرا رقیب وملیک بن گیا ہے' لہٰذا تو بھی اس کی خادمہ بن جا' تاکہ وہ بھی تیرا قریبی عبد بن جائے۔ بیٹی! دس باتیں سیکھ لو' تیرے پاس ذخیرہ رہیں گی' انہیں یاد رکھنا' تیرے لئے یادگار رہیں گی:

(۱۔۲) قناعت اختیار کرنا' سمع وطاعت سے زندگی گزارنا۔

(۳۔۴) خاوند کی آنکھوں اور اسی کی ناک کی جگہوں کا خیال رکھنا' لہٰذا اس کی آنکھ تیری کسی بُرائی پر نہ پڑے' اور وہ تجھ سے اچھی اور پاکیزہ خوشبو ہی کو سونگھے اور محسوس کرے' سرمہ سب سے اچھا حسن ہے' پانی بہترین پاکیزہ خوشبو ہے۔

(۵۔۶) اس کے کھانے کے وقت کا خیال رکھنا' سونے کے وقت اسے آرام وسکون دینا' کیونکہ بھوک کی حرارت ایک شعلہ ہے اور نیند کا پورا نہ ہونا غصہ کا سبب ہے۔

(۷۔۸) اس کے گھر اور حال کی نگہبانی کرنا اور اس کی اولاد وعیال کی دیکھ بھال کرنا' اور حسنِ تدبیر سے چلنا۔

(۹۔۱۰) اس کی نافرمانی نہ کرنا' اس کا راز منکشف نہ کرنا' کیونکہ اگر تو اس کی نافرمانی کرے گی یا اس کا راز کھولے گی تو اس کے غدر سے مامون نہیں ہوگی' اگر وہ کسی وجہ سے غمگین ہو تو اس کے سامنے ہنسنے اور خوش ہونے سے اجتناب کرنا' اور اسی طرح اگر وہ خوش دل ہو تو اس کے سامنے غمگین ہونے سے بچنا کیونکہ پہلی خصلت میں تقصیر (کوتاہی) ہے اور دوسری خصلت میں تکدیر (پریشانی) ہے' اس کے ساتھ خوب موافقت سے رہنا' وہ بھی تیرے ساتھ خوب مرافقت سے رہے گا' جان لے جب تک تو اس کی رضا کو اپنی رضا وخوشی پر ترجیح نہیں دے گی اپنی پسندیدہ چیز کو حاصل نہیں کرسکتی' اسی طرح اس کی خواہش کو اپنی خواہش پر ہر حال میں ترجیح دینا۔

(محاضرات الادباء:۲/۲۱۲' بلوغ الادب:۲/۱۹' قصص العرب:۲/۷۸'۷۹)

☆ یہ بنات کے لئے نصائح کے باغات میں سے ایک نغمہ سرائی اور خوبصورت وصیت کے پھول چنتے ہیں' ایک مشہور ادیب وشاعر ہیں ''علی الجارم'' (المتوفی ۱۹۴۹ء) وہ

اپنی بنت کے لئے یہ لطیف نصیحت ہدیہ کرتے ہیں' ملاحظہ کیجئے۔ اور توجہ سے سنیئے علی الجارمؒ کی نظم خوبصورت قصیدۂ لامیہ کی صورت میں ہے:

یا بنتی ان اردت اٰیة حسنٍ ❖ وجمالاً یزین جسماً و عقلاً
فانبذی عارة التبرّج نبذاً ❖ فجمال النفوس اسمی واعلی
یصنع الصانعون وردًا ولکن ❖ وردة الروض لاتضاع شکلاً
صبغة اللّٰه صبغةً تبهر النف ❖ تغلٰی الالٰهُ عزّ وجلّا
ثمّ کونی کالشمس تسطع للنّاس ❖ سواء مَنْ عزّ منهم و ذلّا
فامنحی المُثریات لیناً و لطفًا ❖ وامنحی البائسات برّا وفضلا
زینة الوجه ان تریٰ العینُ فیه ❖ شرفًا یسحرُ العیونَ و نُبلا
واجعلی شیمة الحیاءِ خماراً ❖ فهو بالغادة الکریمة اولیٰ
لیس للبنت فی السعادة حظٌّ ❖ کلّ ثوابٍ سواه یفنیٰ و یبلیٰ
واذا ما رایت بؤسًا فجودی ❖ بدموع الاحسان یهطلن هطلا
فدموع الاحسان انضرفی ال ❖ خدّ و ابهیٰ من الاولی واعلی
وانظری فی الضمیر ان شئست مرْ ❖ آةً ففیه تبدو النّفوس وتجلی
ذاك نُصحی الی فتاتی و سُؤلَی ❖ وابنتی لا تردُّ للاب سئولا

(دیکھیے: دیوان علی الجارم' نیز دیکھیے کتاب ''الحیاء'')

''بیٹی! اگر تو ایسے حسن و جمال کی نشانی چاہتی ہے جو جسم و عقل کو سنوارے تو تجھے زینت و آرائش کر کے گھومنے پھرنے سے بچنا ہوگا' اور یہ عادت چھوڑنی ہوگی' کیونکہ نفوس کا حسن ہی اصل و اعلیٰ چیز ہے' بنانے والے پھول بناتے ہیں مگر باغ کے پھول کی شکل خراب نہیں کی جاتی' اللہ عز وجل کے دین کا رنگ ایسا رنگ ہے جو نفوس کو منورّ کر دیتا ہے' تم بس آفتاب کی طرح ہو جاؤ جو ہر طرح کے انسان پر طلوع ہوتا ہے خواہ وہ معزز ہو یا ذلیل۔ پس تم خوشحال عورتوں کو نرمی اور لطف کا

عطیہ دو اور خستہ حال عورتوں کو نیکی اور مہربانی کا تحفہ دو' چہرہ کی زینت یہ ہے کہ آنکھ اس میں شرافت کو دیکھے جو شرافت عقلمندوں کو مسحور کر دے' اور حیا وشرم کی عادت کو اوڑھنی بناؤ' یہ نرم و نازک لڑکی سے زیادہ بہتر ہے۔ اگر حیا وشرم ہی جاتی رہے تو پھر عورت سعادتمندی سے بے نصیب ہو جاتی ہے۔ عفت و پاکدامنی کا کپڑا (لباس) پہنو' کیونکہ اس کے علاوہ ہر لباس ختم اور پرانا ہو جائے گا۔ جب تو ان میں خستہ حالی کو دیکھے تو احسان کے آنسو بہادے وہ تیری اپنی منزل کی طرف بڑھیں گی' رخسار پر احسان کے آنسو زیادہ خوشنما اور موتیوں سے زیادہ روشن اور گراں قدر ہیں' اگر تم چاہو اپنے دل میں آئینہ دیکھو جس میں نفوس ظاہر ہوتے ہیں' مجلّی ہوتے ہیں' یہ میری نصیحتیں ہیں اپنی بیٹیوں کے لئے' باپ کی خواہش کو رد نہیں کیا جاتا۔

☆ ڈاکٹر احمد زکی اپنی بیٹی کو یہ مؤثر وصیت ونصیحت کرتے ہیں اور اس سے ہمیں مطلع کرتے ہیں' دیکھیے کہ انہوں نے اپنی وصیت میں کیا کیا باتیں پنہاں رکھی ہیں؟

احمد زکی تمام بنات کو اپنی وصیت کا مورد بناتے ہوئے کہتے ہیں: بیٹی! اور ہر وہ عورت جو دریائے نیل یا دریائے دجلہ سے پانی پیتی ہے (یعنی ہر زبان و نسل کی عورت) وہ بھی میری بنت ہے' میں تجھے نصیحت کرنا چاہتا ہوں' میں تجھے کیسے اور کتنی وصیت کروں؟ کیونکہ وصایا و نصائح کثیر اور متنوع ہیں' میں سمجھ نہیں پا رہا کہ ان میں سے کونسی وصیت لوں اور کونسی چھوڑ دوں؟

☆ اے میری بیٹی! تو بھی ایک انسان ہے' انسان ہر زمانہ میں انسان ہونے کے ناطے کچھ وصیتوں کا حاجت مند ہوتا ہے۔

☆ بیٹی! تو اس زمانہ میں زندگی گزار رہی ہے' وصیتیں زمانوں کے مطابق ہوتی ہیں' ہر زمانہ کا اپنا ہی ایک رنگ و انداز ہوتا ہے' اس لئے وصیتیں اور نصیحتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

☆ بعض وصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو اے بیٹی! تجھے تو کی جا سکتی ہیں مگر مذکر کو نہیں کی جا سکتیں' بہت سے امور میں تم دونوں مشترک بھی ہو اور تمہارے بہت سے معاملات مختلف

بھی ہیں، یہ مختلف قسم کے امور و معاملات آخر وقت تک مختلف ہی رہیں گے۔

☆ اے میری بیٹی! میں تجھے سچ بولنے کی وصیت کرتا ہوں اور عفیف زبان کی نصیحت کرتا ہوں، نیز میں تجھے عدل و کرم نوازی کی وصیت کرتا ہوں، کرم کا درجہ عدل سے فوق ہے، اور جن چیزوں کی حرص و ہوس لوگوں میں پیدا ہوگئی ہے۔ ان سے احتراز کرنا، انسانی طبیعت ان چیزوں کو بلند خیال کرتی ہے، انسانی طبیعت میں پہاڑوں اور چٹانوں کی طرح نہ بدلنے والی جڑیں ہیں، البتہ انسان میں شعور و احساس موجود ہے، وہ شعور کبھی بیدار ہوتا ہے اور کبھی سو جاتا ہے، لہٰذا تمہیں علم اور فکر و شعور سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن ایسے علم سے احتراز کرنا جو تجھے اور دوسرے لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی طرف لے جائے۔ بے شک علم ایک قوّت ہے، اور علم کی چند حدود ہیں ان میں رہتے ہوئے عمل کیا جائے، لیکن بعض لوگ ان حدود سے نکلنا چاہتے ہیں، پھر ہر میدان میں عمل کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(اطفال کے لئے وصایا و نصائح کا باب جمیل بھی ہے اور طویل بھی، ہم نے والدین اور مربیین کے تجربات کا خلاصہ و حاصل پیش کر دیا ہے جس کی ہر طفل کو اپنی حیات میں حاجت ہوتی ہے۔)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و علی
اٰله وصحبه اجمعین وعلی کل من تبعهم
باحسان الی یوم الدین واجعلنا معهم برحمتك یا
ارحم الراحمین۔ اٰمین ثم اٰمین

لیلة ٢٨ من شهر ربیع الاول ١٤٢٤ھ

تغیّر پذیر حالات میں

اجتماعی اِجتہاد کی ضرورت

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور. فون: ۷۳۵۲۴۸۳

قیامت کی نشانیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں
علاماتِ قیامت اور فتنوں کا عروج مشہور مفسر و مورخ علامہ
عماد الدین ابن کثیرؒ کی کتاب "علاماتِ یوم القیامۃ" کا
سلیس اردو ترجمہ

مؤلف:
علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ

تحقیق و تعلیق
عبد اللطیف عاشور

ترجمہ
لجنۃ المصنفین لاہور
مولانا محمد انس صاحب
مولانا خالد محمود صاحب
مولانا عبد العظیم صاحب

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۱۴۸۳۔

بیت العلوم کی جدید مطبوعات

خواتین کے لیئے اصلاحی بیانات

اسلام میں خواتین کا مقام، حقوق و فرائض، تعلیم و تربیت اور اصلاحِ باطن کے موضوعات پر اکابر علمائے کرام کے عام فہم اصلاحی بیانات کا مجموعہ!
یعنی خواتین سے اکابرین کا خطاب

تقریظ
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مرتب
مولانا محمد ناظم اشرف

حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ

مؤلف
مولانا عمران اشرف عثمانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ میں سے
ایک جلیل القدر، افقہ الصحابہ کی سیرت، فضائل اور مناقب

بیت العلوم قرآن مجید اور اسلامی کتابوں کا مرکز
۲۰ نابھہ روڈ چوک پرانی انارکلی لاہور۔فون: 7352483

تعطیر الانام فی تعبیر المنام

خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا

انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے بے شمار خوابوں کی ہزارہا
تعبیرات پر مبنی سب سے مفصل مستند اور جامع ترین کتاب
"تعطیر الانام فی تعبیر المنام" کا انتہائی مفید اور سلیس ترجمہ

مؤلف

علامہ عبد الغنی نابلسی

ترجمہ وتحقیق

مولانا خالد محمود صاحب

(فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور)

بیت العلوم

۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون [illegible]

بیت العلوم کی مطبوعات

ایک نظر میں

قرآنِ حکیم انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
محمدؐ عربی انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
صحابہ کرامؓ انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا	علامہ عبدالغنی نابلسیؒ
خواتین کے لئے اصلاحی بیانات	مولانا ناظم اشرف
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ	مولانا عمران اشرف عثمانی
گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج	علامہ ابن القیم جوزیؒ
اصلاحی مواعظ ۔۔۔ ۴ جلد	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
اصلاحی تقریریں ۔۔۔ ۴ جلد	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ازواجِ مطہراتؓ کے دلچسپ واقعات	جناب محمد خرم
اسلامی احکام اور اُن کی حکمتیں	شیخ عبدالقادر معروف الکردیؒ
تاریخ المشاہیر	قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات	شیخ ابوبکر ابن سنیؒ
فضائل اہل بیت صحابہ کرامؓ و تابعینؒ	امام محمد بن علی شوکانیؒ
قصص معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
کھجور کی اہمیت و افادیت	مولانا محمد یوسف خان مدظلہ
مقالاتِ عثمانیؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
قیامت کی نشانیاں	علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
اولاد کی تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں	احمد خلیل جمعہ
مصائب الصحابہؓ	مولانا نور الحسن بخاریؒ